تو میری ضرورت ہے



دُرِ ثمن بلال

تو میری ضرورت ہے

درثمن بلال

انتساب!

اُن جنت نشیں قدموں

کے نام!

جن کے نیچے میری جنت ہے

اور

جن کو چھو کر میرے ہاتھوں نے لکھنا سیکھا!

حرفِ اوّل

کہتے ہیں کہ لفظ تخلیق کرنے کی صلاحیت اُس خالقِ کائنات کی دین ہے جس نے انسان کو قلم سے لکھنا اور زبان سے بولنا سکھایا اور میں اس بخشش پر اُس ربِ رحمٰن کی انتہائی شکر گزار ہوں۔

جب انسان بہت زیادہ حساس ہو تو اس کے اردگرد ماحول میں رُونما ہونے والے حادثات و واقعات اُس کی شخصیت پر گہرے اور اَن مٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں میں بھی اپنے آپ کو ایسے ہی لوگوں کے قبیلے کا فرد سمجھتی ہوں کیونکہ میں بھی بچپن ہی سے بہت حساس ہوں، تب بھی کسی سے گفتگو کرتے، ٹی وی دیکھتے، اخبارات پڑھتے، کہیں گھومتے پھرتے کوئی معمولی یا واقعہ، کوئی چھوٹی سی بات میرے ذہن میں خود بخود کہانی کا تانا بانا بننے لگتی تھی مگر ادراک کا لمحہ مجھ پہ آشکار نہ تھا۔

اُن دنوں مجھے مصوری کا جنون ہوا کرتا تھا۔ پھر زندگی میں کچھ ایسی تبدیلیاں رُونما ہوئیں کہ یہ جنون اُدھورا رہ گیا۔ اور اُدھورے خواب ہوں یا جنون، خواہشیں ہوں یا خوشیاں یا آنکھوں میں دم توڑتے بے تعبیر سپنے، دل کے کسی نہ کسی کونے میں کہرام مچاتے رکھتے ہیں۔ سو انہی احساسات اور اسی حساسیت نے، میرے ہاتھوں نے، کینوس پر رنگ بکھیرتے "مو قلم" کی جگہ "قلم" پکڑ لیا اور میری سوچوں کا رشتہ تصویر سے ٹوٹ کر تحریر سے جُڑ گیا۔

پھر لفظوں نے کب اور کیسے میرے اندر کے جذبات و احساسات کو صفحۂ قرطاس پر سجانا شروع کر دیا اور وقت نے کس آہستگی اور خاموشی سے قلم و قرطاس سے وابستگی کے چودہ برس طے کر لیے، کچھ خبر ہی نہ ہوئی، کچھ پتہ ہی نہ چلا۔

میرے بہترین قارئین کی محبتیں اور ہمت افزائی مجھے خوب سے خوب تر تخلیق پر اکساتی رہی اور میں نت نئے کردار تخلیق کرتی رہی۔

"تُو میری ضرورت ہے" میرا تیسرا طویل ناول ہے (جو حنا ڈائجسٹ میں قسط وار شائع ہوا اور بہت پسند کیا گیا) کچھ تحریریں دل کے بہت قریب ہوتی ہیں۔

جنہیں لکھتے ہوئے مصنف خود بھی اُن کرداروں کے ساتھ بے شمار کٹھن مراحل سے گزرتا ہے سو اس کہانی کے کچھ کردار اپنے ساتھ مجھے بھی متعدد بار رُلاتے اور کبھی کبھار اپنی خوشیوں میں بھی شامل کرتے رہے۔ یعنی میرے ہی کرداروں نے مجھے رُلایا بھی اور ہنسایا بھی۔

میں نے اس کہانی کو کس حد تک دل سے لکھا ہے اور اس کے کرداروں کے ساتھ کتنا انصاف کیا ہے اس کا فیصلہ کہانی پڑھنے کے بعد آپ کریں گے۔

یہاں میں اپنی بہت ہی پیاری اور عزیز دوست بشریٰ سیال اور نبیلہ عزیز کے ساتھ ساتھ ادارہ علم و عرفان پبلشرز کے محترم گل فراز صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جن کی شفقتوں سے میری پہلی کتاب "تُو میری ضرورت ہے" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

کسی بھی کتاب کو کامیاب بنانے کے لیے جتنی کوشش رائٹر کو کرنی پڑتی ہے۔ اتنی ہی کوشش پبلشرز کو بھی کرنی پڑتی ہے۔ پچھلے کچھ عرصہ میں میری کتاب کے حقوق اشاعت حاصل کرنے کے بعد علم و عرفان پبلشرز نے اس ذمہ داری کو میری توقعات سے زیادہ بہتر طور پر ادا کیا ہے۔ میں اُمید کرتی ہوں کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد قارئین میری اس رائے سے اتفاق کریں گے۔

دُرِ ثمن بلال

سرگودھا

جاتی سردیوں کی وہ آخری تیز برستی بارش اب ہلکی ہلکی پھوار میں بدل گئی تھی۔ موسم بہت خوشگوار ہو گیا تھا۔ درخت اپنا زرد چولا اتار کر ہرے رنگ کی اوڑھنی اوڑھ رہے تھے۔ بہار کے موسم کی آمد آمد تھی سو کمال پیلس کے وسیع رقبے میں قیمتی اور انواع اقسام کے درختوں اور پھولوں کی دلفریب مہک فضا میں رچی بسی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ذوناش ٹیرس پہ لگے کین کے جھولے میں بیٹھی دھیرے دھیرے جھول رہی تھی۔ اس کی گود میں Elyssa Patrick کا انگلش رومانٹک ناول "Stay With Me" رکھا تھا جو وہ تھوڑی دیر پہلے پڑھ رہی تھی مگر اب اس نے اپنے دونوں بازو اور ہتھیلیاں جھولے سے باہر پھیلا رکھی تھیں، بارش کی پھوار اس کے بازوؤں اور ہتھیلیوں کو بھگو رہی تھی۔

اس کی نظریں آسمان پہ چھائے سیاہ بادلوں پر مرکوز تھیں جو غالباً پھر سے برسنے کو بے تاب دکھائی دے رہے تھے۔ اس کے ہونٹ خود بخود کسی ان دیکھی محبت کا احساس لئے مسکرا رہے تھے۔

"ذونا ڈارلنگ تم یہاں بیٹھا ہے؟ تمہارا سیل فون بھی آف تھا اور ہم تمہیں سارے گھر میں تلاش کر رہا تھا۔"

عقب سے ٹیرس کا دروازہ کھول کر مریم خاتون اس کے قریب آتے ہوئے بولیں۔ وہ چونکہ کرسچن تھیں اور اسی طرح بات کیا کرتی تھیں۔

"می می! آپ اس سونے کے پنجرے کو گھر مت کہا کریں گھر ویران نہیں ہوتے وہاں چوبیس گھنٹے تنہائیاں نہیں ڈستیں۔ گھروں میں اپنی ہی آوازوں کی بازگشت سنائی نہیں دیتی۔ گھر میں آرزوؤں کا قتل عام بھی نہیں ہوتا۔ گھر تو سکون کا گہوارہ ہوتے ہیں می می! جہاں لوگ دن بھر کی تھکن اتارتے ہیں۔ جہاں انہیں سکون ملتا ہے۔ لیکن اس بیس کنال کے پیلس میں میری تھکن اور بڑھ جاتی ہے، دل میں بچا کھچا سکون بھی اس پنجرے کی ویرانیاں اور تنہائیاں غارت کر دیتی ہیں، سانس بند ہونے لگتا ہے یہاں میرا۔ یہ دولت، یہ آسائشات، یہ عالیشان پیلس، یہ قیمتی گاڑیاں سارا دن باڈی گارڈز کے ساتھ رہنا، ہر طرف ہر جگہ پروٹوکول ملنا، مجھے نہیں چاہیے یہ سب۔ می می میں ایک عام لڑکی کی طرح ایک عام اور نارمل زندگی گزارنا چاہتی ہوں، جہاں میری زندگی کے چوبیس گھنٹوں کا کوئی روٹین چارٹ نہ بنا ہو۔ جہاں ہر گھنٹے کے بعد مجھے یہ کوئی نہ بتائے کہ اب مجھے کیا کرنا ہے؟ جہاں میرے سونے اور جاگنے کا کوئی ٹائم ٹیبل نہ بنا ہو۔ جہاں مجھے یہ کوئی نہ بتائے کہ مجھے کب کیا کرنا ہے کب کیا کھانا اور پینا ہے۔ میں اپنی مرضی سے سونا اور جاگنا چاہتی ہوں۔ میں اپنی مرضی سے اپنی زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ میں اپنی مرضی سے نفرت اور اپنی مرضی سے محبت کرنا چاہتی ہوں۔ سونے کے اس پنجرے میں ہر چیز مجھ پہ مسلط کی جاتی ہے۔ میں گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ بندھی ہوئی زندگی نہیں گزار سکتی۔ نہیں چاہیے مجھے یہ بے پناہ دولت، یہ Luxury Life نفرت ہوتی جا رہی ہے مجھے اس مشینی زندگی سے۔ تنگ آ گئی ہوں میں اس Punctual Life سے۔ میں اپنی مرضی سے ایک بے ترتیب زندگی گزارنا چاہتی، ایک سادہ اور پرسکون زندگی۔" ذوناش کے لہجے میں اس کے اندر کی ویرانیاں، تنہائیاں اور دکھ بول رہے تھے۔ تھوڑی

دیر پہلے اس کے لبوں پہ جمی مسکراہٹ اب غائب ہوگئی تھی۔

مریم خاتون نے اس کی باتوں پہ ایک طویل سانس لیا تھا اور اس کے قریب آ گئیں تھی۔ ان کے لئے ذوناش کی یہ باتیں نئی نہیں تھی۔ وہ دو سال سے اس کی یہ باتیں سن رہی تھیں۔ اس پیلس میں ایک وہی تو تھیں جو اس کے دل کے تمام موسموں سے واقف تھیں۔

"تم بہت عجیب اور اسٹوپڈ لڑکی ہے۔ تم نہیں جانتا کہ لڑکیاں تو ایسی Luxury Life کے خواب دیکھتا ہے۔ حسرت کرتا ہے ایسی زندگی کا۔ مگر تم ہمیشہ بے زار رہتا ہے۔ کیا کمی ہے اس پیلس میں؟ صاحب نے دنیا کا ہر آسائش دے رکھا ہے تم کو۔ پھر تم کیوں خوش نہیں ہے ڈارلنگ؟" مریم خاتون نے جانتے بوجھتے ہوئے بھی خواہ مخواہ اسے بہلانے کی کوشش کی تھی۔

"ممی پلیز کم از کم آپ تو مجھے اس طرح بہلانے کی کوشش مت کیا کریں۔ مجھے دکھ ہوتا ہے جب آپ ڈیڈ کی طرح مجھ سے باتیں کرتی ہیں۔" اس کے لہجے میں شکوہ تھا۔

"آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں کہ میں نے کبھی اس گھٹن زدہ زندگی کو قبول نہیں کیا I never had and will accept life like this۔" وہ غصے اور جھنجلاہٹ میں جھولے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ہم کیا کرتے ذونا ڈارلنگ! تمہیں میڈ دیکھ کر ہم تمہیں جھوٹی تسلیاں اور بہلاوے دینے پہ مجبور ہو جاتا ہے۔ ہم سے تمہارا دکھ نہیں دیکھا جاتا۔ مگر ہم مجبور ہے۔ ہم چاہتے ہوئے بھی تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا I am sorry my Darling I can,t do any thing for you۔" میری خاتون کی آنکھوں میں بھی پانی جھلملانے لگا تھا۔

"تمہیں اس طرح تڑپتا ہوا دیکھ کر ہمارا دل پھٹنے لگتا ہے۔" انہوں نے ذوناش کو خود سے بھینچ لیا تھا۔

ذوناش آج پھر ڈپریشن میں مبتلا تھی۔ اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

☆......☆......☆

ذوناش کا برتھ ڈے گزشتہ دو سال سے Celebrate نہیں کیا جاتا تھا۔ بس مرسل ہی خاموشی سے اسے کہیں ڈنر پہ لے جایا کرتا تھا۔ آج بھی وہ ذوناش کو ڈنر کروانے کے بعد لانگ ڈرائیو پہ لے آیا تھا۔ اس کے ساتھ ڈنر کر کے ذوناش کو ایک رتی بھی خوشی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ ڈنر کے دوران بھی ذوناش کو بزنس میں اپنی فتوحات کے قصے ہی سنا تا رہا تھا اور اس کے یہ قصے وہ بار ہا سن چکی تھی۔ اس لئے بوریت محسوس کرنے لگی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ لانگ ڈرائیو کے دوران بھی وہ اس کے ساتھ خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔

"ہنی مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ ہمیں گارڈ کے بغیر نہیں آنا چاہیے تھا۔" مرسل نے یوٹرن لیتے ہوئے تفکر سے کہا۔

"مگر مجھے اچھا لگ رہا ہے گارڈ کے بغیر تمہارے ساتھ آنا۔" ذوناش نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"اگر چاچو کو علم ہو گیا کہ ہم رات کے اس پہر گارڈ کے بغیر گھر سے نکلے ہیں تو وہ بہت خفا ہوں گے۔" مرسل کی پریشانی کسی

صورت کم نہ ہورہ تھی۔

’’فار گاڑ سیک مرسل، مت کروایسی باتیں اور اس وقت کو ان لمحوں کو انجوائے کرو اور پلیز اب مجھے اپنے بزنس کے قصے مت سنانا۔ بس اچھی اچھی اور رومانٹک باتیں کرو تا کہ مجھے یہ سفر اور بھی اچھا لگے۔ تمہیں پتہ ہے کافی عرصے سے تم نے مجھ سے ایسا کچھ بھی نہیں کہا جسے سوچ کر میرے ہونٹ مسکرائے ہوں۔ جسے سن کر میری ہارٹ بیٹ تیز ہوئی ہو۔ کوئی ایسا جملہ، کوئی ایسا لفظ، جس نے میری تنہائیوں کو رعنائی بخشی ہو۔ کوئی ایسی بات جس نے میری رات کو مہکنے پر مجبور کیا ہو۔ کوئی ایسا احساس جس نے میرے دن کو منور کیا ہو۔ ایسا کبھی بھی تو کچھ نہیں کہا تم نے۔‘‘ ذوناش نے گردن موڑ کر اپنے ساتھ بیٹھے گاڑی چلاتے ہوئے مرسل کو سنجیدہ نظروں سے دیکھا، تو مرسل کے لبوں پہ مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

’’کم آن ہنی، زندگی صرف پیار، محبت اور رومانس کا نام نہیں ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں مت پڑھا کرو فضول اور رومانٹک ناولز، اچھے خاصے بندے کا دماغ خراب کر دیتے ہیں یہ ناولز۔‘‘ اس نے مسکراتے ہوئے ذوناش کو تنبیہہ کی تھی۔

’’زندگی بزنس، پراپرٹی اور ڈالرز اکٹھے کرنے کا بھی تو نام نہیں ہے۔‘‘ اس کے طنزیہ انداز پہ مرسل ہنس پڑا تھا۔

’’I can't beat you at this محبت پہ بولنے کے لئے میں تمہاری طرح ڈھیروں رومانٹک ناولز اور فضول قسم کی ہندی مویز نہیں دیکھ سکتا اس لئے اس معاملے میں میری معلومات بالکل زیرو ہے۔‘‘ مرسل نے اس کے خفا خفا سے چہرے کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

’’سوری میں ہمیشہ بھول جاتی ہوں تمہاری زندگی میں محبت نام کی کہیں بھی کوئی جگہ نہیں ہے۔ یو نو جب انسان کی سانس کسی کے نام سے چل رہی ہو اس کا دل کسی کے نام سے دھڑک رہا ہو، اس کی آنکھیں کسی کی یاد اور انتظار میں جاگ رہی ہوں تو اظہار محبت کے لئے رومانٹک ناولز پڑھنے اور مویز دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مگر تم جیسا ان رومانٹک انسان یہ باتیں نہیں سمجھے گا۔‘‘ اس کے لہجے میں افسوس تھا۔

’’تمہارے سیل فون میں دنیا کی حسین ترین عورتوں کی تصویریں ہیں مگر ان میں، میں کہیں نہیں ہوں۔ مجھے نہیں لگتا کہ عنقریب ہماری انگیج منٹ ہونے والی ہے۔‘‘ ذوناش کے لہجے میں اس کے انداز میں واضح خفگی تھی۔

’’کم آن ہنی، تم میرے دل میں رہتی ہو۔ سب سے چھپا کر رکھا ہوا ہے میں نے اپنے دل میں تمہیں۔ تمہیں کیا لگتا ہے کہ مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔ اگر تم سے محبت نہ ہوتی تو تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے بارے میں فیصلہ نہیں کرتا میں۔‘‘ مرسل نے اس کے موڈ کو بحال کرنے کے لئے اس کے گود میں رکھے ہاتھوں پہ اپنا ہاتھ رکھا اور اسے بہلانا چاہا۔

کیا فائدہ اس خاموش محبت کا جسے دل میں چھپا کر دیمک لگا دی جائے۔ محبت تو ساون کی طرح برستی ہوئی ہی اچھی لگتی ہے۔ جہاں یہ بارشیں نہ ہوں، وہاں دل کی بستیوں میں قحط پڑ جاتا ہے۔ اجڑ جاتی ہیں دل کی بستیاں۔ بنجر ہو جاتی ہیں وہاں جذبوں کی فصلیں۔

محبت کی بھوک اور افلاس دیمک کی طرح کھانے لگتی ہے انسان کو۔" وہ دھیرے سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالتے ہوئے بولی تو مرسل کے ہونٹ ایک بار پھر مسکرانے لگے۔

"ہنی تمہارے یہ Heart touching dialogue سن کر اکثر مجھے لگتا ہے کہ تم ایک اچھی ناولسٹ بن سکتی ہو۔ تمہارے اندر خالصتاً ایک Literary سی لڑکی کی روح ہے، جس کے خیالات سن کر یہ یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ تم نے اٹھارہ سال یورپ میں گزارے ہیں؟ ایسی سوچ تو پاکستان کی دیسی اور مڈل کلاس لڑکیوں کی ہوتی ہے۔ یہاں آ کر تم بہت بدل گئی ہو ہنی۔" مرسل نے گردن موڑ کر ایک بار پھر اس کے افسردہ چہرے کو دیکھا۔

"ہماری کلاس کی لڑکیاں ایسا نہیں سوچتیں۔ ہاں یہاں آ کر واقعی میں بدل گئی ہوں۔ میری زندگی بدل گئی ہے۔"

"میں وہ ذوناش اب کہاں رہی ہوں جو بات بات پہ ہنستی تھی۔ زندگی کی تلخیاں اکثر ہم سے ہماری ہنسی چھین لیتی ہیں۔ مگر تم یہ باتیں نہیں سمجھو گے۔ مرسل تمہیں بھی ڈیڈ کی طرح لاکھوں ڈالرز پاؤنڈز یورو اکٹھے کرنے کی بیماری ہے۔ جس شخص کے ساتھ دنیا کی حسین ترین لڑکی بیٹھی ہو۔ وہ شخص اس کے حسن کے قصیدے پڑھنے کی بجائے اپنے بزنس کے نفع و نقصان کو موضوع بنا کر ٹائم ضائع کر رہا ہو، اس کے ساتھ محبت کی بات کرنا، اس کے ساتھ کینڈل لائٹ ڈنر کرنا، لانگ ڈرائیو پہ جانا، ٹائم ویسٹ کرنے کے برابر ہے۔"

ذوناش نے بگڑے موڈ کے ساتھ اپنے اندر کے سچ کو بلا جھجک مرسل کے سامنے اگلا تو مرسل قہقہہ لگائے بغیر نہ رہ سکا۔

"کم آن ہنی! تم بیس سال کی ہو چکی ہو۔ تمہیں اب اپنی سوچ میں میچورٹی لانی چاہیے۔ میں چوبیس گھنٹے کسی فضول ہندی مووی کے ہیرو کی طرح تمہارے گرد نہیں منڈلا سکتا۔ میں کسی تھرڈ کلاس رومانٹک ناول کے ہیرو کی طرح ہر وقت تمہارے حسن کے قصیدے نہیں پڑھ سکتا۔ میں ہر روز تمہیں یہ نہیں کہہ سکتا کہ تمہیں دیکھ کر میرے دل میں گھنٹیاں سی بجنے لگتی ہیں۔ تمہیں دیکھ کر مجھے کچھ کچھ ہونے لگتا ہے۔ میں ایک حقیقت پسند اور پریکٹیکل سا انسان ہوں۔ میں چوبیس گھنٹے یہ سب نہیں کر سکتا۔ تم اب بھی ایک چودہ پندرہ سال کی ٹین ایجر لڑکی کی طرح اپنے Fairy land اور Fantasy World میں سانس لے رہی ہو۔ تم نے خود کو ایک تصوراتی دنیا میں قید کر رکھا ہے۔ زندگی میں پیار اور محبت کے علاوہ بھی بہت کچھ اہم ہو سکتا ہے۔ مگر تمہاری سوچ صرف انہی چیزوں کے گرد گھومتی ہے۔ میں تمہیں ان فضول چیزوں سے باہر لانا چاہتا ہوں تاکہ ہم ایک اچھی زندگی گزار سکیں۔"

"اب تم میری باتوں سے یہ نتیجہ بھی مت نکال لینا کہ مجھے تم سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے۔ میرے ساتھ ساتھ تم بھی یہ بات اچھی طرح جانتی ہو کہ تم بہت خوبصورت ہو۔ میں تمہیں پسند کرتا ہوں جلد ہی ہماری انگیج منٹ ہو جائے گی۔ اس کے بعد ایک نہ ایک دن ہم شادی کے بندھن میں بھی بندھ جائیں گے۔ ڈیٹس اٹ۔ پھر تم کیوں ہر وقت میرے اور اپنے رشتے کو اتنا Glorify یا Magnify بنانا چاہتی ہو؟" مرسل کے لمبے اور بورنگ لیکچر پہ دھیرے سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں تھیں۔ مرسل اسے خشک اور بنجر زمین پہ لا کر تڑپنے اور

مچلنے پہ مجبور کر رہا تھا۔ جواباً اس نے ایک لفظ بھی نہ بولا تھا اور بولنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ اس کے حساس دل نے آج ذوناش کو یہ باور کروا دیا تھا کہ مرسل قریشی جیسا ان رومانٹک شخص کم از کم اس کے لئے ہرگز ہرگز بھی نہیں بنا تھا۔ وہ ایک انتہائی بورنگ آدمی تھا۔

''اگر تمہیں میری باتیں بری لگی ہیں تو سوری مائے ڈارلنگ۔'' مرسل نے اس کی طویل خاموشی کے جواب میں دھیرے سے اس کے کندھے پہ بکھرے بال ہٹاتے ہوئے کہا تھا۔ مگر اس نے مرسل کی جانب نہیں دیکھا تھا۔

''درد انسان نہیں دیتا مرسل۔ بس کچھ انسانوں سے وابستہ ہماری امیدیں ہمیں درد دے دیتی ہیں۔ مجھے میری امیدوں نے ہرٹ کیا ہے تمہاری سوچ نے نہیں کیا۔'' س کے لہجے میں دکھ تھا۔

''کچھ جذبوں کے مرنے کا دکھ ان کے بکھرنے کا۔ بائی دی وے آئی سویئر میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ تم میرے لیے بڑی اہم ہو۔ آئی ڈونٹ تو تمہیں میری محبت کیوں نظر نہیں آئی؟'' مرسل نے ایک بار پھر دھیرے سے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ کر دبایا۔ اس کے انداز میں پھیکا پن تھا۔ وہ اس کا موڈ بدلنے کے لئے کہہ رہا تھا۔

''مرسل جب تم مجھے کہتے ہو ناں کہ میں تمہیں پسند ہوں۔ تم مجھے چاہتے ہو تو مجھے **Shakespeare** کے یہ ڈائیلاگ یاد آتے ہیں۔''

You say thaht you love the rain, but you opent your umbrella when if rains. You say that you love the sun, but you find a shadow spot when the sun shines. You say that you love the wind, but you close your windows when wind .... You say that you love me too.....blows. This is why i am Afraid

ترجمہ:۔(تم کہتے ہو تمہیں بارش پسند ہے لیکن تم بارش میں چھتری تان لیتے ہو۔ تم کہتے ہو کہ تمہیں سورج پسند ہے لیکن جب وہ چمکتا ہے تو تم سایہ ڈھونڈتے ہو۔ تم کہتے ہو کہ تمہیں ہوا پسند ہے لیکن جب وہ چلتی ہے تو تم کھڑکی بند کر لیتے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں ڈر جاتی ہوں، جب تم کہتے ہو کہ میں تمہیں پسند ہوں۔)

ذوناش کے لہجے میں ان باتوں کی سچائی بول رہی تھی۔ اب وہ گردن موڑے مرسل کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ رہی تھی۔

''کم آن فلش گرل، تم جس رائیٹر کی باتیں کر رہی ہو وہ بنیادی طور پر ایک برا اور ناکام شوہر اور باپ تھا۔'' مرسل نے ایک ویران اور سنسان پٹرول پمپ پہ گاڑی روکتے ہوئے کہا۔ وہ اب لاہور شہر کی حدود سے باہر نکل آئے تھے۔

''یہاں گاڑی کیوں روک رہے ہو؟'' ذوناش نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''گاڑی میں پٹرول کم ہے یہ نہ ہو واپسی پہ راستے میں ہمیں کہیں کوئی پرابلم ہو جائے۔ اسی لئے روکی ہے گاڑی۔'' مرسل نے وجہ بتائی۔

''او کے تم پٹرول ڈلواؤ، میں تھوڑی دیر کے لئے باہر نکل رہی ہوں۔'' ذوناش نے اپنی سائیڈ کا ڈور کھولتے ہوئے بتایا۔

اتنے میں چھوٹے سے کیبن میں بیٹھا پٹرول پمپ کا باوردی ورکر بھاگتا ہوا ان کی جانب آیا۔

''ہنی یہ...... یہ کیا کر رہی ہو تم؟'' مرسل نے ازحد حیرت سے اسے اپنی گاڑی کا ڈور کھول کر باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔

''تھوڑی دیر کے لئے میں تازہ ہوا میں سانس لینا چاہتی ہوں، دم گھٹ رہا ہے میرا۔'' وہ شاید تازہ ہوا میں سانس لے کر اپنے اندر کی Fustration کو دور کرنا چاہتی تھی اسی لئے بڑے اطمینان سے باہر نکل گئی۔

''ذونا تم پاگل ہوگئی ہو کیا؟ رات کے دو بج رہے ہیں اور ہم شہر سے باہر ہیں۔ یہ ایریا محفوظ نہیں ہے، اوپر سے تمہارا ڈریس بھی مہذب نہیں ہے۔'' مرسل نے اب کے قدرے غصے میں اس کو کہا، تو ذوناش نے اپنے سلیولیس میکسی ٹائپ گاؤن کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں کیا ہوا میرے لباس کو؟'' اس کے گاؤن کا آگے اور پیچھے سے گلا بھی اچھا خاصا بڑا تھا، وہ ریڈ کلر کا ایک نہایت قیمتی اور ڈیزائنر گاؤن تھا جو اس نے مرسل کے ساتھ ڈنر کے لئے منتخب کیا تھا۔

''ہنی میں کہہ رہا ہوں جلدی واپس آؤ اور گاڑی میں آ کر بیٹھو۔'' مرسل اسے مزے سے گاڑی کے بونٹ پہ بیٹھے ہوئے دیکھ کر غصے میں گاڑی سے باہر نکلا تھا، وہ بونٹ پہ مزے سے بیٹھی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

''مرسل دیکھو کتنا سکون ہے ناں یہاں، فضا میں کتنی تازگی ہے؟'' وہ آنکھیں بند کیے ٹھنڈی اور تازہ ہوا کو اپنے سینے میں اتارتے ہوئے دھیرے سے بولی، مرسل گاڑی سے نکل کر اس کے سر پہ کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

''تم ایک انتہائی پاگل لڑکی ہو اور انتہائی اسٹوپڈ بھی۔''

''اس اطلاع کے لئے تھینکس۔'' وہ مسکرائی۔

''چلو گاڑی میں بیٹھو۔'' مرسل نے زچ ہو کر اس کا بازو پکڑا، اسی اثناء میں ان کے دائیں جانب ایک بائیک آ کر رکی تھی، ذوناش نے لاشعوری طور پہ گردن موڑ کر دیکھا۔

چھبیس ستائیس سال کا چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد کاٹھ کا ایک ہینڈسم سا نوجوان جینز شرٹ میں ملبوس جوگرز پہنے بائیک میں پٹرول ڈلوانے کے لئے رکا تھا، اس نوجوان نے سرسری سے انداز میں ذوناش پہ نگاہ ڈالی تھی اور پھر اگلے ہی لمحے اس نوجوان نے گردن موڑ لی تھی، جیسے وہ کوئی معمولی سی چیز ہو ذوناش کو وہ لڑکا انتہائی مغرور لگا مرسل بھی گاڑی میں پٹرول ڈلوا رہا تھا۔ اسی اثناء میں پٹرول پمپ کے اردگرد فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ ذوناش ایک زوردار چیخ کے ساتھ بونٹ سے نیچے اتر آئی تھی۔ پٹرول پمپ پہ موجود گارڈ نے بھی جوابی فائرنگ شروع کر دی تھی۔ خاموش اور پرسکون فضا میں ہر طرف گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ وہ بائیک والا نوجوان اپنی بائیک چھوڑ کر نا جانے کہاں جا چھپا تھا۔ مرسل بھی انتہائی خوف کے عالم میں اس کا بازو پکڑ کر اسے گاڑی کے عقب میں لے آیا

تھا۔ یہ سب اتنا اچانک اور غیر متوقع ہوا تھا کہ وہ دونوں ہی بدحواسی کے عالم میں بجائے گاڑی میں بیٹھنے کے گاڑی کے عقب میں آ بیٹھے تھے۔
پٹرول پمپ پہ موجود ملازم نہ جانے کس سمت بھاگ گیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد مسلسل فائرنگ سے پٹرول پمپ کا گارڈ بھی خون میں لت پت ہو کر گر گیا تھا۔

ذوناش اسے دیکھ کر خوف سے چیخنے لگی تھی۔ مرسل نے بدحواسی میں اس کے منہ پہ اپنا ہاتھ رکھ لیا تھا۔ ذوناش کا پورا وجود خوف سے کانپ رہا تھا۔ مرسل کی حالت بھی اس سے مختلف نہ تھی۔

''کہا تھا میں نے کہ گارڈز کے بغیر رات کے اس پہر گھر سے نکلنا مناسب نہیں ہوگا مگر نہیں تم نے بھی ایک ہی رٹ لگا رکھی تھی کہ اگر باہر جاؤں گی تو گارڈ کے بغیر۔ اب بھگتو۔ ہم بری طرح پھنس گئے ہیں۔'' مرسل کے لہجے میں بے پناہ خوف تھا اور وہ اسے ڈانٹ رہا تھا۔

''پپ...... پلیز...... مم...... مرسل...... گگ...... گاڑی میں بیٹھ کر جلدی سے ڈیڈ کو کال کرو۔'' ذوناش بری طرح سے گھبرائی ہوئی تھی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ فائرنگ کی آوازیں اب بہت قریب سے آ رہی تھی۔

''پاگل ہو گیا؟ میں کیسے اٹھ کر گاڑی کے اندر جاؤں؟ کوئی بھی اندھی گولی مجھے نشانہ بنا سکتی ہے۔'' مرسل نے بدحواسی میں اسے ڈپٹا۔

''اب کیا ہوگا مرسل ہمارے سیل فون بھی گاڑی میں ہیں۔'' ذوناش اب رونے لگی تھی۔

''سب تمہارا قصور ہے کہا تھا میں نے کہ گاڑی سے مت نکلو مگر نہیں اپنے ساتھ ساتھ تم نے مجھے بھی مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ مجھے نہیں لگتا آج ہم یہاں سے زندہ واپس جائیں گے۔'' مرسل غصے میں مسلسل اسے ڈانٹ رہا تھا۔ اب فائرنگ کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ اسی دوران ایک جیپ تیزی سے پٹرول پمپ پہ آ کر رکی تھی۔ جیپ کے ٹائر چرچرانے سے ذوناش کے لبوں سے چیخ نکل گئی تھی۔ اس کا وجود خوف سے کانپ رہا تھا۔

اس کی چیخ کی آواز سن کر جیپ میں بیٹھے اسلحے سے لیس وہ تینوں نامعلوم افراد نیچے اتر آئے تھے۔

''کوئی بھی چالاکی یا ہوشیاری دکھائے بغیر ہمارے سامنے آ جاؤ ورنہ گولیوں سے بھون ڈالیں گے۔'' ان تینوں اسلحہ بردار مردوں میں سے ان کے سرغنہ نے دھاڑ کر کہا تو مرسل اور ذوناش ہاتھ بلند کیے گاڑی کے عقب سے نکل کر سامنے آ گئے۔ ان دونوں کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

ذوناش کی آنکھوں سے بے بسی کی وجہ سے آنسو بہہ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر ان تینوں اسلحہ بردار مردوں نے ایک دوسرے کو کن اکھیوں سے دیکھا تھا۔ ان تینوں نے منہ پہ کالے نقاب چڑھا رکھے تھے اور اسلحہ دونوں پہ تان رکھا تھا۔

''اے حسینہ چل آگے آ۔'' اسی سرغنے نے دھاڑ کر ذوناش کو حکم دیا۔

''مم...... مگر...... کک...... کیوں؟'' ذوناش نے گھگھیا کر پوچھا۔

"اے لڑکی تیرے سوال کا جواب دینے کے پابند نہیں ہیں ہم۔" اسی شخص نے آگے بڑھ کر ذوناش کا بازو پکڑتے ہوئے جیپ کی طرف اسے کھینچا۔

ذوناش نے چیختے ہوئے اپنا بازو چھڑا کر بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر اس شخص نے کمال پھرتی سے اگلے ہی لمحے اپنی گرفت میں لے لیا تھا ذوناش کو۔ اس سارے سین میں مرسل خاموش تماشائی بنا کھڑا تھا۔

"مرسل پلیز......ہیلپ می۔" ذوناش اب بلند آواز میں روتے ہوئے مرسل سے مدد مانگ رہی تھی۔

ان تینوں اسلحہ بردار مردوں میں سے اب ایک شخص جیپ میں بیٹھ کر جیپ اسٹارٹ کر چکا تھا۔ دوسرے شخص نے مرسل پہ گن تان رکھی تھی اور تیسرا ذوناش کو گھسیٹتا ہوا جیپ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دفعتاً کہیں بہت قریب سے جیپ میں بیٹھے شخص پہ فائر ہوا تھا اور وہ وہیں جیپ میں ہی ڈھیر ہو گیا تھا۔ پھر یکے بعد دیگرے جیپ کے ٹائروں پہ فائر کر کے جیپ کو پنکچر کر دیا گیا تھا۔ اس اچانک افتاد پہ دونوں مرد بدحواسی میں چاروں اطراف فائرنگ کرنے لگے تھے۔ ذوناش چیختے ہوئے ایک بار پھر مرسل کی جانب لپکی تھی۔ مرسل نے اسے لے کر ایک بار پھر اپنی گاڑی کی اوٹ میں دب کر بیٹھ گئے تھے۔ ایک بار پھر چاروں اطراف سے فائرنگ ہونے لگی تھی۔ معاً ذوناش کو اپنے قریب ہی کسی کے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی تھی۔ ذوناش نے اپنی خوف سے بند آنکھوں کو ایک لمحے کے لئے کھولا تھا۔ وہی ڈیشنگ اور ہینڈسم سا لمبا اور کسی باڈی بلڈر کی طرح چوڑے مسلز والا نوجوان چھپ چھپ کر پسٹل سے ان پہ فائر کر رہا تھا۔ گویا وہ ذوناش اور مرسل کی جان بچاتے ہوئے انہیں تحفظ دے رہا تھا۔ چند لمحوں میں ایک اور اسلحہ بردار ڈھیر ہو گیا تھا۔ اب صرف ایک ہی شخص بچا تھا جو غالباً ان کا سرغنہ تھا۔ ذوناش حیرت سے اس نوجوان کو کمال بہادری سے تنہا ان سے لڑتے ہوئے اور فائر کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا، اس وقت اللہ نے اسے فرشتہ بنا کر ان کی مدد کے لئے ہی بھیجا تھا۔ اس کی نظریں اس نوجوان پہ جمی ہوئی تھیں۔ وہ بالکل کسی فلمی ہیرو کی طرح ہی لگ رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد وہ نوجوان کسی گوریلے کی طرح چھلانگ مار کر اس کی نظروں کے سامنے سے اوجھل ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد فائر بند ہو گیا تھا۔ ذوناش نے سانس روکے ڈرتے ڈرتے گاڑی کی اوٹ سے جھانکا۔ وہ نوجوان اب بغیر پسٹل کے اس آخری بچ جانے والے شخص پہ مارشل آرٹس کے پے در پے وار کر رہا تھا۔ شاید ان دونوں کے اسلحے میں اب گولیاں ختم ہو گئیں تھیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس اجنبی نوجوان نے تیسرے کو بھی زمین پہ ڈھیر کر دیا تھا۔ اب وہ قریب ہی زمین پہ گرا اپنا پسٹل اٹھا رہا تھا جب گاڑی کے عقب سے جھانکتی ہوئی ذوناش پہ اس کی نگاہ پڑی تھی۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں آپ دونوں اب محفوظ ہیں۔" وہ اجنبی نوجوان پسٹل اپنی جینز میں اڑستے ہوئے مخاطب ہوا تو مرسل ذوناش کا ہاتھ تھام کر گاڑی کی اوٹ سے باہر نکل آیا۔

"تھینک یو سو مچ تم نے ہماری جان بچائی۔" مرسل نے اس نوجوان سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔

"آپ دونوں مشکل میں تھے آپ کی ہیلپ کرنا بطور انسانیت میرا فرض تھا۔" وہ اجنبی شخص ایک لمحے کے لئے مسکرایا۔اس کی مسکراہٹ بھی قاتلانہ تھی۔ ذوناش نے اپنی زندگی میں اتنا پرکشش مرد پہلی بار دیکھا تھا۔اس کے ہونٹوں کے ساتھ اس کی بڑی بڑی گہری اور سیاہ آنکھیں بھی مسکرائی تھیں۔

"آج کل انسان اور انسانیت کی ہیلپ کرنا کون جانتا ہے؟" ذوناش نے دھیرے سے زیرلب کہا۔

"واقعی آپ نے ہماری مدد کی اس کے لئے ہم آپ کے بہت شکرگزار ہیں۔" مرسل نے بھی ذوناش کی بات کو آگے بڑھایا۔

"شکریہ کی ضرورت نہیں۔اب آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ بہرحال جتنی جلدی ہو سکے آپ دونوں اس ایریا سے نکل جائیں۔ یہ ایریا تو ویسے بھی لوٹ مار اور ایسے کاموں کے لئے بدنام ہے۔" اس اجنبی نوجوان نے اپنی عقابی نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے انہیں مشورہ دیا تھا۔

"چلو بنی ہمیں واقعی یہاں سے فوری نکل جانا چاہیے۔" مرسل، ذوناش کو کلائی سے پکڑ کر گاڑی کی طرف بڑھا۔مرسل کے لہجے میں اب بھی خوف پنہاں تھا۔

"جسٹ آ منٹ مرسل۔" ذوناش نے مرسل کے ہاتھ سے اپنی کلائی چھڑائی تھی۔وہ اجنبی نوجوان اب اپنی بائیک پہ بیٹھ رہا تھا۔

"اے مسٹر رکو!" ذوناش نے تقریباً بھاگتے ہوئے اس لڑکے کو رک جانے کو کہا۔وہ نوجوان بائیک اسٹارٹ کرتے کرتے رک گیا تھا اور حیرانگی سے ذوناش کو دیکھنے لگا۔

"یہ رکھ لو، تم نے ہماری جان بچائی۔" ذوناش نے اپنی کلائی سے لاکھوں کا ڈائمنڈ بریسلٹ اتار کر اس کی طرف بڑھایا۔

"ایک انسان کی جان کی قیمت اس لاکھوں کے ڈائمنڈ بریسلٹ سے کہیں زیادہ قیمتی ہوتی ہے میم......آپ میری نیکی کی قیمت لگا کر میری توہین کر رہی ہیں۔" اس نوجوان نے ذوناش کے ہاتھ میں بریسلٹ کو دیکھ کر تاسف سے کہتے ہوئے بائیک اسٹارٹ کر لی تھی۔

"پلیز اسے رکھ لو، میں تمہاری نیکی کی قیمت ہرگز نہیں لگا رہی۔" ذوناش نے التجا کی۔

"میم پلیز......آپ یہ مجھے مت دیں اور جا کر گاڑی میں بیٹھیں اور آئندہ رات کے اس پہر اس شخص کے ساتھ باہر نکلیں جو آپ کی عزت جان اور مال کی حفاظت کرنا جانتا ہو۔" اس اجنبی نوجوان نے اچٹتی سی نگاہ گاڑی میں بیٹھے مرسل پہ ڈالتے ہوئے کہا تھا جو سیل فون پہ غالباً کمال قریشی سے بات کر رہا تھا۔

اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہ نوجوان وہاں رکا نہیں تھا، زن سے بائیک کو موڑ کر ذوناش کی نظروں کے سامنے سے اوجھل ہو گیا تھا۔وہ غائب دماغی سے بریسلٹ اپنی ہتھیلی میں چھپائے گاڑی کی طرف بڑھ آئی تھی۔اس کے کانوں میں اب بھی اس نوجوان کے جملے کی بازگشت سنائی دے رہی تھی۔

وہ جو کوئی بھی تھا اسے ہمیشہ یاد رہ جانے کے لئے چلا گیا تھا۔اب وہ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔مرسل نے سیل فون گاڑی کے ڈیش بورڈ پہ رکھ دیا تھا۔

''میں نے چاچو کو بتا دیا ہے۔وہ بہت پریشان ہو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ وہ اس علاقے کے ایس پی سے ابھی رابطہ کر کے اس معاملے کی تحقیقات کروائیں گے۔تھینک گاڈ ہم خیر خیریت سے ہیں۔مجھے تو یہ سب ایک بھیانک خواب کی طرح لگ رہا ہے۔''مرسل نے گاڑی اس پٹرول پمپ سے نکالتے ہوئے تبصرہ کیا مگر وہ خاموش بیٹھی اپنی ہتھیلی پہ رکھے بریسلٹ کو دیکھ رہی تھی وہ جو کوئی بھی تھا بلا کی کشش تھی اس لڑکے میں۔مرسل نے ڈیش بورڈ سے سگریٹ کی ڈبیا اٹھائی تھی اور سگریٹ سلگا کر ذوناش کی طرف بڑھایا تھا۔

''لو تمہیں اس کی ضرورت ہے۔''ذوناش نے دھیرے سے اس کے ہاتھ سے سگریٹ لے لیا تھا۔مرسل اب ایک اور سگریٹ نکال کر اپنے لئے سلگا رہا تھا۔آج کا واقعہ اور وہ اجنبی نوجوان اس کے دل پہ نقش ہو گیا تھا۔اس نے اپنی زندگی میں اتنا پرکشش اور ہینڈسم مرد نہیں دیکھا تھا اور ہالی ووڈ کے کسی ہیرو کی طرح پرکشش،خوبصورت اور بہادر۔

☆......☆......☆

لیونگ روم میں بیٹھے تمام افراد کے لبوں پہ گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔سب کے چہروں پہ تفکر و پریشانی رقم تھی۔کمال قریشی نہایت فکرمندی،غم وغصے،حیرت و پریشانی سے وسیع لیونگ روم میں بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی کہ یہ وکرم راٹھور کون ہے؟ کیوں میرے بزنس اور میری بیٹی کی جان کا دشمن بنا ہوا ہے؟''

''یہی تو مسئلہ ہے کمال کہ وہ الو کا پٹھا چھپ کر وار کرنے والا وکرم راٹھور سنگاپور کا ڈان ہے۔اگر وہ پاکستان میں ہوتا تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کروا دیتا میں،جو میری چاندی بیٹی کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔''کمال قریشی کے بڑے بھائی کبیر قریشی نے بے چینی سے اپنی نشست سے اٹھ کر فکرمندی سے کہا تھا۔

''کمال اگر دو سال پہلے تم وکرم کی بات مان لیتے تو نوبت یہاں تک ہرگز نہ آتی۔''کمال قریشی کی بڑی بھابھی عالیہ بیگم نے انہیں یاد دلایا۔

''عالیہ بھابی مجھے کیا معلوم تھا کہ جس بزنس کو بڑھانے کے لئے میں سرپٹ دوڑ رہا تھا،وہی دولت اور بزنس ایک دن میری بیٹی کی جان کے دشمن بن جائیں گے۔میں تو وکرم کی دھمکیوں کو محض دھمکیاں ہی سمجھ کر اس کی بات نہیں مانا تھا۔مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ کم بخت اپنی ہار کو اپنی انا کا مسئلہ بنا کر یوں میرے اور میری بیٹی کے پیچھے پڑ جائے گا۔''کمال قریشی کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔وہ ذوناش کے لئے از حد فکرمند تھے۔دو سال سے انہیں ذوناش کے اغواء اور اس کے قتل کے حوالے سے دھمکیاں مل رہی تھیں۔تب سے وہ ہر وقت گارڈ کے ساتھ آتی جاتی تھی۔کمال پیلس کی سیکیورٹی بھی نہایت سخت کر دی گئی تھی۔کمال پیلس کے چاروں اطراف بڑے بڑے آہنی گیٹ بنائے گئے تھے

جن پہ چوبیس گھنٹے گارڈ تعینات کیئے گئے تھے۔ کمال پیلس کے چاروں اطراف دیواروں پہ خاردار تاریں لگائی گئی تھیں۔ ذوناش کو گھر سے باہر زیادہ آنے جانے کی اجازت نہ تھی۔ اگر وہ کہیں جاتی بھی تھی تو گارڈ کے ساتھ ہی جاتی تھی۔

''ذوناش کے لئے میں جتنا فکر مند ہوں، جتنا پریشان ہوں میں بتا نہیں سکتا آپ سب کو۔'' کمال قریشی کے لہجے میں پریشانی ہی پریشانی تھی۔

''کمال ہم بھی اولاد والے ہیں سمجھ سکتے ہیں اولاد کا دکھ بہت تکلیف دہ اور نا قابل برداشت ہوتا ہے۔'' کبیر قریشی نے کمال کے قریب آ کر ان کے کندھے پہ تھپکی دیتے ہوئے کہا تھا۔

''ذوناش کی ہر لمحہ فکر اور پریشانی سے میں اپنے بزنس پہ بھی توجہ نہیں دے پا رہا۔ ہر لمحہ ایک دھڑکا سا لگا رہتا ہے۔ مہرین اور ذونین کو کھونے کے بعد اب مجھ میں مزید کوئی غم سہنے کی سکت نہیں ہے بھائی صاحب۔ ان بچوں کے سہارے میں مہرین جیسی وفا شعار اور محبت کرنے والی بیوی کی دائمی جدائی کا غم بھی سہہ گیا تھا۔ ان کے لئے مجھے وہ لازوال غم اپنے سینے میں دبانا پڑا۔ مگر ذونین کی ناگہانی موت نے مجھے اندر سے ختم کر دیا ہے۔ مجھے توڑ کر رکھ دیا ہے۔ اس کے بعد تو میرا کل اثاثہ ذوناش ہی ہے اگر خدانخواستہ اسے کچھ ہو گیا تو، میں پاگل ہو جاؤں گا۔'' کمال قریشی ضبط کرتے کرتے بالآخر کسی بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے تھے۔

کمال میرے بھائی، ایسے حوصلہ مت ہارو ہمارے ہوتے ہوئے تمہیں اس طرح پریشان اور مایوس ہونے کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے۔ دیکھ لیں گے اس سنگاپور کے ڈان وکرم کو۔ ناکوں چنے نہ چبوائے اسے تو میرا نام بھی کبیر قریشی نہیں۔'' کبیر قریشی اپنے بھائی کو تسلی دیتے ہوئے جذباتی ہو گئے تھے۔

''کمال تمہارے بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ذوناش ہمیں اپنے بیٹے مرسل سے بڑھ کر ہے۔ یہ ہماری اپنی بیٹی ہے۔ ہماری اکلوتی ہونے والی بہو ہے۔ ہمیں اپنی جان سے بھی پیاری ہے۔ تم اس کی فکر مت کرو۔'' عالیہ بیگم نے اپنے ساتھ گم صم سی بیٹھی ذوناش کو خود سے لپٹاتے ہوئے کہا تھا۔

''بھابی آپ کا اور بھائی صاحب کا سایہ ہم پہ سلامت رہے۔ آپ ہمارے لئے کسی نعمت سے کم نہیں۔ میں جانتا ہوں آپ میری بیٹی سے بہت محبت کرتی ہیں۔ اگر آپ سب ہم باپ بیٹی کو ان مشکلات میں سہارا نہ دیتے تو شاید ہم پاگل ہو چکے ہوتے۔'' کمال قریشی نے ان کی محبتوں کو سراہا۔ کبیر قریشی انہیں اپنے بازو کے حصار میں صوفے پہ لے آئے تھے۔

''ویسے اس سارے قصے میں قصور ہمارے اپنے بچوں کا بھی ہے۔ کیا ضرورت تھی انہیں رات کے اس پہر گارڈ کے بغیر گھر سے نکلنے کی؟'' کبیر قریشی نے خشمگیں نگاہوں سے سر جھکائے مرسل اور ذوناش کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو خود سمجھ نہیں آ رہا ایسی لاپرواہی برتنے کی کیا ضرورت تھی تم دونوں۔ تم دونوں کی ایک چھوٹی سی حماقت ہمارے لئے ساری

زندگی کا روگ بننے والی تھی۔ اگر وہ نوجوان فرشتہ بن کر وہاں نہ آتا تو آج ہم سب یوں نہ بیٹھے ہوتے۔" کمال قریشی کے لہجے میں دکھ اور افسوس کے ساتھ ذوناش اور مرسل کے لئے بے پناہ غصہ بھی عود آیا تھا۔

"چاچورات کو ڈنر اور پھر لانگ ڈرائیو پہ بغیر گارڈ کے جانے کی ضد بھی ذوناش نے ہی کی تھی۔ میں نے اسے بہت سمجھایا تھا مگر اس نے میری ایک نہ مانی اور اپنی ضد پہ ڈٹی رہی۔ مجبوراً مجھے اس کو اکیلے ہی لے کر جانا پڑا۔" مرسل نے دھیرے سے سچ بتایا۔ اس سارے سین میں وہ بالکل خاموش اور سپاٹ چہرے کے ساتھ عالیہ بیگم کے ساتھ بیٹھی تھی۔

"ذونا مجھے بتاؤ کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟ تم خود کو کیوں کسی مشکل میں ڈالنا چاہتی ہو؟ کیوں عجیب وغریب قسم کی ضدیں کرتی ہو جو پوری نہیں کی جاسکتی ہیں؟ کیا ضرورت تھی تمہیں مرسل سے اس طرح کی فضول قسم کی ضد کرنے کی؟ نتیجہ دیکھ لیا ہے تم نے اپنی ضد کا؟" کمال قریشی نے بے بسی سے اسے ڈپٹا۔

"سوری ڈیڈ! آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔" اس نے دھیرے سے انہیں تسلی دی تھی۔

"تم ہر مہینے دو مہینے کے بعد ایسے ہی ایکسکیوز کرتی ہو مجھ سے مگر ہر دوسرے مہینے تم اپنے ڈرائیور یا گارڈ کو کھری کھری سنا کر نکال باہر کرتی ہو۔ پرسوں جس گارڈ پہ تم نے چوری کا الزام لگایا تھا وہ نوکری چھوڑ کر آج جا چکا ہے۔" کمال قریشی کا غصہ تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"کمال تم ایسا کیوں نہیں کرتے، ذونا کے لئے کوئی ایسا باڈی گارڈ رکھو جو اس کی بلٹ پروف گاڑی بھی چلائے۔ جو اس کی سکیورٹی بھی چیک کرے۔" کبیر قریشی نے انہیں مشورہ دیا تھا۔

"جی بھائی صاحب میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ آج صبح میری بات ہوئی تھی جواد چوہدری سے۔" کمال قریشی نے پریشانی سے اپنی پیشانی مسلی۔

"کون جواد چوہدری؟"

"بھائی صاحب میرے بچپن کا دوست، ریٹائرڈ بریگیڈیئر جواد چوہدری۔" کمال نے انہیں یاد دلایا۔

"ارے ہاں یاد آیا، مگر اسے کیوں فون کیا تم نے۔" کبیر قریشی اب بھی مکمل طور پہ سمجھ نہیں پائے تھے۔

"جواد نے فوج سے ریٹائرمنٹ کے بعد Security Companiy بنا رکھی ہے۔ وہ اپنی کمپنی کے سب سے جینئس بہادر مارشل آرٹس میں بلیک بیلٹ اور بہترین گن شوٹر نوجوان کو ذونا کے لئے بطور ڈرائیور اور باڈی گارڈ کے دو چار دن تک بھجوا دے گا وہ نوجوان آج کل ایک ہفتے کی چھٹی پہ ہے۔ وہ نوجوان اس گھر کی دیگر سکیورٹی کے معاملات بھی چیک کرے گا اور جواد بتا رہا تھا کہ اس نوجوان نے فوج کی تمام ٹریننگ بھی لے رکھی ہے۔" کمال قریشی نے انہیں ذوناش کے نئے گارڈ کے حوالے سے تفصیل بتائی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ میں خود یہی سوچ رہا تھا کہ ہمیں اپنی ذونا کی سکیورٹی مزید سخت کر دینی چاہیے۔ یہ بتاؤ کہ جواد نے

تمہیں اس لڑکے کو یہاں بھجوانے کے حوالے سے مکمل تسلی یا یقین دہانی تو کروائی ہے ناں؟'' کبیر قریشی کسی بھی صورت مطمئن نہ ہو رہے تھے۔ ذونا ان کی بھتیجی تھی ان کی ہونے والی بہو۔

''جی بھائی صاحب! جواد نے مجھے مکمل یقین دہانی کروائی ہے۔ وہ ذاتی طور پہ اس نوجوان کے والد کو جانتا ہے اور پانچ سال سے وہ خود بھی جواد کی کمپنی سے منسلک ہے۔''

''کمال فوج کی ٹریننگ والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی'' کبیر قریشی نے وضاحت مانگی۔

''بھائی صاحب فوج والا قصہ کچھ یوں ہے کہ یہ نوجوان بطور کیڈٹ فوج میں تھا۔ اس نے ایک کیڈٹ کی تمام ٹریننگ مکمل بھی کر لی تھی۔ اپنی بٹالین کا ذہین ترین کیڈٹ تھا Passing Out Prade والے دن اس نوجوان کے مخالف گروپ کے کیڈٹس نے مل کر اس پہ کوئی ایسا الزام لگایا کہ اس بے چارے کا پورا کیریئر ہی تباہ ہو گیا۔ جرنیل کے بچوں کا الزام ایک معمولی صوبیدار کا بیٹا ثابت نہ کر سکا اور یوں اس کا کورٹ مارشل کر کے فوج سے نکال دیا گیا۔'' کمال قریشی نے مزید تفصیل بتائی۔

''مجھے اس لڑکے سے ضرور ملوانا۔'' کبیر قریشی کو اس ہونہار اور جینئس لڑکے سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔

''جی ضرور بھائی صاحب دو چار دن تک وہ نوجوان اپنی ڈیوٹی جوائن کر لے گا۔'' کمال قریشی نے سگار سلگاتے ہوئے جواب دیا۔

''تب تک ذونا بیٹا تم ذرا مزید کیئرفل رہنا اور گھر سے اکیلے باہر مت نکلنا۔'' کبیر قرشی نے سامنے بیٹھی ذوناش کو تنبیہہ کی تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

''ہاں ذونا بیٹا تمہارے تایا بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تمہیں مزید کیئرفل رہنا ہوگا۔ اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے۔'' عالیہ بیگم پیار سے اس کے بال سہلانے لگی تھیں۔

نہ جانے کیوں ذوناش کو عالیہ بیگم اور کبیر قریشی کے پیار میں بناوٹ محسوس ہوا کرتی تھی۔

''مام! اب ہمیں چلنا چاہیے کافی ٹائم ہو گیا ہے ہمیں یہاں آئے ہوئے۔'' مرسل نے قدرے بے زاریت سے عالیہ بیگم کو کہا۔

''ارے ایسے کیسے جا سکتے ہیں آپ؟ لنچ ٹائم ہے، کھانا کھائے بغیر آپ سب نہیں جا سکتے۔'' کمال قریشی نے کھانا کھانے پہ اصرار کیا۔

''نہیں کمال۔ یقین کرو اس واقعہ نے تو جیسے بھوک ہی ختم کر ڈالی ہے۔'' کبیر قریشی نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں کمال، کھانا پھر کبھی سہی۔ ابھی بالکل بھی بھوک نہیں ہے۔'' عالیہ بیگم بھی اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے وضاحت کرنے لگیں۔

''آپ لوگ تو اچانک ہی جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ لنچ ریڈی ہے مل کر کرتے ہیں۔'' کمال قریشی نے سگار ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔

''نہیں کمال پھر کبھی سہی۔ ویسے بھی یہ ہمارا اپنا گھر ہے۔ کھانے کا کیا ہے وہ تو کھاتے ہی رہتے ہیں۔ بس ذونا کی اتنی فکر ہو رہی تھی کہ دوڑے چلے آئے ہم۔'' عالیہ بیگم نے محبت پاش نظروں سے ذوناش کو دیکھا اور پھر وہ سب اجازت لے کر لیونگ روم سے نکل گئے تھے۔ اب لیونگ روم میں صرف کمال قریشی اور ذوناش ہی تھے۔

''ذونا اب کیسی طبیعت ہے تمہاری'' کمال قریشی نے اپنی بیٹی کے تھکے ہوئے چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔ ان کے لہجے میں ذوناش کے لئے دنیا جہان کا پیار عود آیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں ڈیڈ!'' مختصر جواب۔

''ذونا بیٹا میری بات مان لو اور یورپ چلی جاؤ۔''

''ڈیڈ میں آپ کو اکیلا چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔ میں کئی بات آپ کو یہ بتا چکی ہوں'' اس کے انداز میں جھنجلاہٹ تھی۔

''تم بہت ضدی اور خودسر ہوتی جارہی ہو'' ان کے لہجے میں خفگی تھی۔

''کم آن ڈیڈ لیو دس ٹاپک۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔ ممی کو بتا دیجئے گا میں لنچ نہیں کروں گی۔ I am going to sleep now. وہ نہایت تھکے ہوئے انداز میں طلاع دے کر لیونگ روم سے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

کومیل بہت گہری نیند سو رہا تھا۔ جب دھاڑ سے اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر ابرش اندر آئی۔ یقیناً وہ کالج سے ابھی ابھی لوٹی تھی اور یونیفارم چینج کیے بغیر اس کے کمرے میں آ گئی تھی۔ کومیل نے کھڑکی کے پاس جا کر جھٹ سے پردے سمیٹنے شروع کر دیئے تھے۔ اب سورج کی روشنی ڈائریکٹ کومیل کے چہرے پہ پڑنے لگی تھی۔ اس نے جھنجلا کر قریب رکھا تکیہ اٹھا کر منہ پہ رکھا۔

''چھوٹی یہ کیا فضول حرکت ہے؟ پردہ آگے کرو'' وہ نیند میں بڑبڑایا۔

''یہ فضول حرکت آپ کو جگانے کے لئے کی جارہی ہے۔'' ابرش نے اطمینان سے اپنا کام کرتے ہوئے اطلاع دی۔

''چھوٹی خدا کے لئے مجھے سونے دو'' وہ چلایا۔

''جی نہیں، چار مہینے کے بعد صرف ایک ہفتے کے لئے آپ آئے ہیں ہمارے پاس۔ کیا یہ ہفتہ آپ یہاں سو کر گزاریں گے؟'' ابرش نے نروٹھے انداز میں بولتے ہوئے اب پنکھا بند کرتے ہوئے کہا۔

''چھوٹی کہہ رہا ہوں جلدی سے پنکھا چلاؤ ورنہ بہت برا ہوگا'' وہ تکیہ منہ سے ہٹا کر چلایا۔

''پنکھا تو اب کسی صورت بھی آن نہیں ہوگا بھیا جی۔'' اس کا انداز چڑانے والا تھا۔

''چھوٹی پنکھا چلاؤ ابھی اور اسی وقت۔'' وہ جھنجلایا۔

''اس کے لئے آپ کو خود اٹھنا پڑے گا۔'' وہ مسکرائی۔

''اگر یہ سب تم مجھے اٹھانے کے لئے کر رہی ہو تو پھر میں بھی اٹھنے والا نہیں ہوں۔'' کومیل نے پھر سے تکیہ اٹھا کر منہ پہ رکھا۔

''ویسے بھیا آپ کو ایک رتی بھر شرم نہیں ہے۔ دن کے دو بج رہے ہیں۔ میں کالج سے واپس آ چکی ہوں۔ مگر آپ ہیں کہ اپنی طویل نیند کا سلسلہ ابھی تک برقرار رکھے ہوئے ہیں؟'' ابرش نے اسے پھر سے سونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے دیکھ کر اپنے ہاتھ کمر پہ رکھے۔

''اچھا اور صبح چار بجے تک مجھے زبردستی جگا کر لڈو کون کھیلتا رہا میرے ساتھ؟'' اس نے خشمگیں نگاہوں سے ابرش کو دیکھا۔

''ہاں تو پھر کیا ہوا۔ دیکھیں میں صبح چار بجے سوئی تھی اور آٹھ بجے پھر سے کالج کے لئے اٹھ گئی تھی۔''

''تمہاری مجبوری تھی۔ فی الحال مجھے کوئی مجبوری نہیں ہے اپنی نیند خراب کرنے کی۔'' وہ ایک بار پھر تکیہ منہ پہ رکھنے لگا۔

''بھیا اٹھیں ناں۔ ہمارے ساتھ کھانا کھائیں۔ جب سے آئے ہیں اپنی نیندیں پوری کر رہے ہیں۔ مجھے آپ بالکل بھی ٹائم نہیں دے رہے۔'' وہ اب بھی کسی بچے کی طرح ضد کر رہی تھی۔

''ابھی میں تمہیں ٹائم نہیں دے رہا۔ شاباش ہے چھوٹی تم پہ کل تمہیں آئس کریم کھلانے کون لے کر گیا تھا؟ اس سے پہلے تمہیں تمہاری سہیلی کی شادی پہ کون لے کر گیا تھا اور اس سے بھی پہلے تمہیں ماں کے ساتھ بازار میں شاپنگ کس نے کرائی تھی اور اس سے بھی پہلے تمہیں ابا اور ماں کے ساتھ ہوٹل میں کھانا کھلانے کون لے کر گیا تھا؟ یاد کرو ذرا۔'' کومیل نے لڑاکا عورتوں کی طرح حساب برابر کرتے ہوئے اسے باور کروایا۔

''ہاں وہ تو آپ ہی لے کر گئے تھے۔'' ابرش نے دھیرے سے سر کھجایا۔

''مگر دن کے دو بجے تک سونا بھلا انسانیت ہے؟''

''فی الحال میں نہیں جانتا کہ انسانیت کے زمرے میں کیا کچھ آتا ہے۔ پلیز جاؤ یہاں سے اور سونے دو مجھے۔''

''بس اب اٹھ جائیں آپ۔ اب مزید سونے کی اجازت آپ کو ہرگز نہیں دی جا سکتی۔'' اس نے حتمی فیصلہ سناتے ہوئے پانی کا جگ اٹھایا۔

''تو پھر میں بھی تمہارا ہی بھیا ہوں اٹھا کر دکھاؤ مجھے۔'' وہ ہنوز منہ پہ تکیہ رکھ کر بلند آواز میں بولا۔

''تو پھر یہ لیجئے اور اٹھ جائیے۔'' ابرش نے مسکراتے ہوئے پانی سے بھرا جگ کومیل کے اوپر انڈیلتے ہوئے کہا تو اگلے ہی لمحے وہ ہڑبڑا کر بستر سے اٹھ بیٹھا۔

''میں بھی آپ کی چھوٹی بہن ہوں اٹھا دیا ناں آپ کو۔'' وہ اس کے سرہانے کھڑی مسکراتی ہوئی بولی۔

''چھوٹی تمہاری تو اب خیر نہیں، زندہ بچ کے دکھاؤ مجھ سے۔'' وہ غصے اور جھنجلاہٹ میں بستر سے چھلانگ مار کر اٹھا تب تک ابرش

کمرے سے بھاگ چکی تھی۔

ریٹائرڈ صوبیدار اکرام آفریدی برآمدے میں رکھے بڑے سے پنجرے میں موجود آسٹریلین طوطوں کو دانہ ڈال رہے تھے۔ ان کے قریب ہی موڑھے پہ عائشہ بیگم بیٹھی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں کومیل کی شرٹ تھی، جس کے وہ ٹوٹے ہوئے بٹن لگا رہی تھیں۔ برآمدے میں دو چقیں لگا کر اسے دھوپ اور گرمی سے محفوظ بنا دیا گیا تھا۔

''ابا ہیلپ می۔'' کومیل کے کمرے سے نکل کر سرپٹ ماں باپ کی جانب بھاگتے ہوئے اس نے اکرام آفریدی کو آواز دی تھی۔ آسٹریلین طوطوں کو دانہ ڈالتے اکرام صاحب اور شرٹ کے بٹن لگاتی عائشہ بیگم نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔ اس کے پیچھے کومیل بھی اسی کی طرح بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔

کومیل اور ابرش کو دیکھ کر دونوں ہی مسکرا دیے تھے۔

''ان دونوں کو دیکھو، دونوں بہن بھائیوں میں نمایاں ایج ڈیفرنس ہے مگر ان کے جھگڑے جڑواں بہن بھائیوں والے ہیں۔'' اکرام صاحب نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا تو عائشہ بیگم مسکرا دیں۔

''ابا...... ابا مجھے بچائیں۔'' ابرش نے دوڑ کر اکرام صاحب کی پشت کے پیچھے پناہ لی۔

''یہ کیا تم سے چھ سال چھوٹی ہے۔ اس میں تو چلو ابھی بچپنا ہے تم تو سمجھدار ہو۔ کیوں اس کے پیچھے سرپٹ بھاگ رہے ہو؟'' اکرام صاحب نے دونوں کو گھورتے ہوئے کومیل سے وضاحت مانگی۔

''ابا یہ دیکھیں اپنی لاڈلی کے کارنامے؟'' کومیل نے خشمگیں نگاہوں سے اکرام صاحب کے پیچھے چھپی ابرش کو گھورتے ہوئے اپنے بھیگے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا۔

''چھوٹی یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' اب کے عائشہ بیگم نے کومیل کے بھیگے کپڑے دیکھ کر ابرش کو ڈپٹتے ہوئے پوچھا۔

''ماں یہ بدتمیزی نہیں بھیا کے بھیگے ہوئے کپڑے ہیں۔'' ابرش نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا۔

''وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں مگر تم نے کیا...... کیا ہے؟'' اکرام صاحب نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے ابرش سے پوچھا۔

''ابا یہ کیا بتائے گی میں آپ کو بتاتا ہوں۔ میں گہری نیند سو رہا تھا اس نے پانی کا بھرا ہوا جگ مجھ پہ گرایا اور یہاں بھاگ آئی۔'' کومیل نے اسے گھورا۔

''ہاں تو آپ بھی تو اٹھنے کا نام تک نہیں لے رہے تھے۔'' ابرش نے وضاحت دی۔

''چھوٹی بہت بری بات ہے کومیل تمہارا بڑا بھائی ہے تمہیں اس کے ساتھ اس طرح کی شرارتیں کرنا زیب نہیں دیتا۔'' عائشہ بیگم نے ابرش کو ڈپٹا۔ ابرش نے سر جھکا لیا۔

''ارے چھوڑو عائشہ بیگم۔ اب ایسا بھی کیا ظلم کر دیا ابرش نے؟ کومیل اکلوتا بڑا بھائی ہے اس کا۔ سارا دن تو یہ بے چاری اکیلی بور ہوتی رہتی ہے۔ ایسے میں جب کومیل دو چار دن کے لئے گھر آتا ہے تو یہ اپنی بوریت دور کرنے کے لئے اگر ایسی چھوٹی موٹی شرارتیں کر لیتی ہے تو اس میں برائی ہی کیا ہے؟'' اکرام آفریدی نے افسردہ کھڑی ابرش کے سر پہ شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''ابا بے چاری یہ نہیں، بے چارہ تو میں ہوں۔ جب سے یہ اس گھر میں آئی ہے میری تو کوئی ویلیو ہی نہیں رہی۔'' کومیل نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا جواب مزے سے اسے زبان دکھا رہی تھی۔

''ارے کومیل میرے بچے۔ ایسے مت کہو میری جان۔ تم دونوں ہی ہمارا کل اثاثہ ہو نعمت ہو اور ابرش رحمت ہے ہمارے لئے۔'' عائشہ بیگم نے کومیل کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کومیل یار تمہاری ماں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تم دونوں ہی ہماری کل کائنات ہو۔ بس بیٹیوں کے ناز نخرے بھی اسی لئے زیادہ اٹھائے جاتے ہیں کہ انہیں پرائے گھر جانا ہوتا ہے۔ بیٹیاں مہمان جو ہوتی ہیں ماں باپ کے گھر میں۔ اس لئے میں ابرش کا ذرا زیادہ خیال رکھتا ہوں۔'' اکرام صاحب کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔

''سن لیں بھیا! مہمان ہوں میں اس گھر میں۔ خیال رکھا کریں میرا، جیسا مہمانوں کا رکھا جاتا ہے۔'' ابرش نے اتراتے ہوئے نصیحت کی۔

''چھوٹی کچھ شرم کرو، باپ اور بھائی کے سامنے ایسی باتیں نہیں کرتے۔'' عائشہ بیگم نے ابرش کو گھورتے ہوئے سرزنش کی، تو ایک بار پھر اس کا خفگی سے چہرہ پھول گیا تھا۔ کومیل نے اب اسے وکٹری کا نشان دکھایا۔

''عائشہ ان دونوں کی لڑائیاں تو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں۔ جلدی سے روٹی بناؤ، بہت بھوک لگ رہی ہے مجھے۔'' اکرام صاحب قریب رکھے موڑھے پہ بیٹھتے ہوئے بولے۔

''جی اچھا ابھی بناتی ہوں۔ چھوٹی تم کچن میں جاؤ فریج سے گندھا ہوا آٹا نکال کر باہر رکھو اور سلاد بنا لو۔ میں آ کر روٹی بناتی ہوں۔'' عائشہ بیگم نے اس کی شرٹ کے بٹن لگا کر قریب ہی آئرن اسٹینڈ پہ شرٹ رکھی اور سوئی دھاگا، نلکیوں کے ڈبے میں رکھنے لگیں۔

''کومیل یار تم بھی جاؤ اور جلدی سے فریش ہو کر آ جاؤ۔ کھانا ہم مل کر ہی کھائیں گے۔'' اکرام صاحب نے کومیل سے کہا۔

''جی ابا میں یوں گیا اور یوں آیا۔'' کومیل مسکراتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

کمال پیلس میں دنیا کی ہر نعمت اور آسائش موجود تھی۔ ذوناش کی خوشی کا ہر سامان موجود تھا۔ کمال قریشی نے اس عالیشان پیلس میں ذوناش کے لئے سوئمنگ پول، ٹینس کورٹ، جم، لائبریری، جوگنگ کے لئے ٹریکس، میوزک روم حتیٰ کہ گھوڑوں کا اصطبل تک بنوا رکھا

تھا، جہاں وہ اکثر ہارس رائیڈنگ بھی کیا کرتی تھی۔ ذوناش کو ستار بجانے کا شوق تھا۔ اسے ستار بجانے اور موسیقی سکھانے کے لئے باقاعدہ استاد رکھ کر دیا گیا تھا۔ اس کی فٹنس برقرار رکھنے کے لئے اسے ایک فٹنس ٹرینر رکھ کر دی گئی تھی جو صبح اس کو ایکسرسائز اور یوگا کرواتی تھی۔

نیز وہ دنیا کی کونسی ایسی آسائش تھی جو اسے کمال پیلس میں میسر نہ تھی۔ اس کے باوجود وہ خوش نہیں رہتی تھی۔ کمال پیلس میں تنہائیوں کا راج تھا۔ وہ دو سال کی تھی تو ممتا کا پیار اس سے چھن گیا تھا۔ کمال قریشی نے مریم خاتون کو گورنس کے طور پہ اپنے بچوں اور گھر کی دیکھ بھال کے لئے رکھ لیا تھا، جنہیں وہ می می کہتی تھی۔ می می نے انہیں بے لوث پیار دیا تھا مگر حقیقی ماں کے پیار کی کمی ہمیشہ ایک دکھ بن کر کانٹے کی طرح اس کے دل میں چبھتی رہتی تھی۔

مگر یہ دکھ وہ اپنے جڑواں بھائی ذونین کی سنگت میں بھول بھی جایا کرتی تھی۔ وہ دونوں بہن بھائی اسکولنگ کے سلسلے میں ہمیشہ باپ سے دور انگلینڈ میں مریم خاتون کی نگرانی میں پلتے بڑھتے رہے۔ ان کی ملاقات ہمیشہ چھٹیوں میں اپنے بزنس مین باپ سے ہوا کرتی تھی، جو اپنی مصروف ترین بزنس لائف میں سے کچھ دن کی چھٹیوں پہ انگلینڈ آتے اور انہیں کسی اور ملک میں لے جا کر ان وکیشنز کو انجوائے کرتے اور انہیں انجوائے کرواتے اور پھر واپس لوٹ جاتے۔

کمال قریشی مشہور و معروف Diamond Dealer تھے۔ پھر جب وہ دونوں بہن بھائی اٹھارہ سال کے ہوئے تو ذونین کی اچانک حادثاتی موت نے ذوناش کو توڑ پھوڑ دیا۔ اس کا واحد دوست اس کا اکلوتا بھائی بھی اسے تنہا چھوڑ گیا تھا۔ تب سے وہ ہنسنا بھول گئی تھی۔ اس کے اندر تنہائیوں نے بسیرے کر لئے تھے۔ اس کی کوئی دوست نہ تھی۔ اس کا واحد دوست اور سہیلی ذونین قریشی ہی تھا اس کا جڑواں بھائی ان دونوں بہن بھائیوں میں مثالی محبت اور پیار تھا۔ ذوناش کی کوئی فی میل کزن بھی نہ تھی لے دے کر ایک مرسل ہی تھا جو اس کے تایا کبیر قریشی کا اکلوتا بیٹا تھا۔ مرسل ویسے بھی ٹو دی پوائنٹ بات کرنے والا، ہر چیز میں اپنا نفع نقصان دیکھنے والا، ضرورت سے کچھ زیادہ ہی پریکٹیکل سا نوجوان تھا۔ اس کی زندگی صرف اور صرف روپے پیسے، پراپرٹی اور بزنس کے گرد گھومتی تھی۔ محبت سے اس کا دور دور تک کوئی تعلق واسطہ نہ تھا۔ سو ذوناش بھی اس کی کمپنی کو انجوائے نہیں کر پاتی تھی۔ اس کے ساتھ ٹائم گزار کر ریلیکس ہونے کی بجائے ہمیشہ اس کے دل و دماغ پہ ایک بوجھ سا آ پڑتا تھا۔ وہ اس کا ہونے والا منگیتر تھا اس کے باوجود مرسل نے اسے کبھی یہ احساس نہیں دلایا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے کتنے خوبصورت رشتے میں بندھنے والے ہیں۔ ذوناش بنیادی طور پہ بہت حساس اور رحم دل لڑکی تھی۔ احساسات سے بھرپور لڑکی چھوٹی چھوٹی چیزوں کو محسوس کرنے والی۔ وہ دماغ کی بجائے دل سے سوچنے والی لڑکی تھی۔ یورپ میں رہ کر بھی وہ اندر سے ایک سادہ اور شاعرانہ مزاج رکھنے والی ایک محبت کرنے والی محبت کی چاہ کرنے والی لڑکی تھی، جس کی زندگی میں رشتوں اور محبتوں کی کمی تھی اور اس کمی نے اس کی ہنسی چھین لی تھی۔ اسے اور بھی حساس بنا دیا تھا۔ مرسل قطعی اس کا آئیڈیل نہ تھا۔ اس کے خوابوں میں آنے والا اور دل میں بسنے والا شخص تو محبت کی مٹی سے بنا ہوا کوئی شخص تھا، اس کی بڑی بڑی خواہشات کی بجائے چھوٹی چھوٹی خواہشات کو پورا کرنے والا

شخص، اس کو محبت کا بھرپور احساس دلانے والا شخص جس کے ساتھ اور جس کی سنگت میں اس کے اندر کا ڈپریشن خود بخود دم توڑنے لگے۔ جس کے ساتھ رہ کر ذہنی اور قلبی طور پر وہ مکمل ریلیکس رہ سکے۔ اس کا آئیڈیل بھی کوئی ایسا ہی شخص تھا جس کے لئے زندگی میں سب سے اہم ذوناش قریشی کا ساتھ ہو۔ جس کے دل و دماغ میں صرف اور صرف ذوناش کی محبت کی بازگشت سنائی دیتی ہوا سے اپنی سونی اور ویران زندگی میں کسی ایسے ہی محبتوں سے لبریز شخص کی شدت سے کمی محسوس ہوتی تھی۔ اس کی پر آسائش زندگی میں ایسا کوئی وجود نہ تھا جسے ڈائری سمجھ کر وہ اپنے دل کا حال سناتی اور رقم کرتی اور پھر گزشتہ دنوں ہونے والے خوفناک واقعہ نے اس کی رہی سہی مسکراہٹ بھی غائب کر دی تھی۔ اس کی سنجیدگی اور حالت کے پیش نظر کمال قریشی دو چار دن سے آفس بھی نہیں جا رہے تھے اور اسے بھرپور ٹائم دے رہے تھے۔

اب بھی وہ ذوناش کو لئے لان میں شطرنج کی بازی لگائے بیٹھے تھے۔ دن کا اجالا شام کے سائے میں کہیں چھپ گیا تھا۔ موسم خوشگوار تھا سو اس کا اثر مزاج پہ بھی پڑا تھا اور آج وہ پوری دلچسپی سے کمال قریشی کے ساتھ شطرنج کی ایک بازی ہارنے کے بعد دوسری لگائے بیٹھی تھی۔ قریب ہی ممی چائے کی ٹرالی رکھے ان دونوں باپ بیٹی کے لئے چائے بنا رہی تھیں۔ اسی دوران کمال پیلس کا خاص ملازم خالد اپنے مخصوص یونیفارم میں ملبوس مؤدبانہ انداز میں ان کے پاس آکر بولا تھا۔

''صاحب! کومیل نامی وہ نوجوان آیا ہے جسے ذونا بی بی کے لئے بطور باڈی گارڈ رکھا گیا ہے۔''

''گڈ! تم ایسا کرو اسے یہیں لے آؤ۔'' کمال قریشی نے مریم خاتون کے ہاتھ سے چائے کی پیالی پکڑتے ہوئے خالد سے کہا، جوان کا حکم سن کر اسی طرح مؤدبانہ انداز میں واپس چلا گیا تھا۔

''ذونا فار گاڈ سیک بیٹا' کومیل کے ساتھ ایسی کوئی بدتمیزی مت کرنا کہ ہمیں اس جیسے بہادر اور جینئس باڈی گارڈ سے ہاتھ دھونا پڑیں۔ میری عزت کا سوال ہے۔ اسے یہاں میرے بچپن کے دوست نے تمہاری حفاظت کے لئے بھیجا ہے۔ اس لئے مجھے شکایت کا موقع ہرگز نہ ملے۔'' کمال نے اسے پیار سے سمجھایا۔

''اوکے ڈیڈ۔'' اس نے کسی فرمانبردار بچے کی طرح سر ہلایا اور ممی کے ہاتھ سے چائے کی پیالی پکڑ کر پینے لگی۔

فی الحال شطرنج کی گیم اس ٹی ٹائم کے لئے روک دی گئی تھی۔ ذوناش چائے پینے کے ساتھ ساتھ اپنے سیل فون پہ فیس بک کھولے بیٹھی تھی۔ کمال قریشی بھی چائے پینے میں مصروف تھے معاً خالد کے ساتھ ایک خوبصورت نوجوان ان کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

''السلام علیکم سر! آئی ایم کومیل آفریدی۔'' مقابل شخص نے نہایت اعتماد سے مؤدبانہ انداز میں اپنا تعارف کروایا۔ ذوناش نے ایک جھٹکے سے اپنا سیل فون پہ جھکا ہوا سر اٹھایا تھا اور پھر حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ اسے آج یقین ہو گیا تھا کہ دنیا گول ہے۔ کومیل رات کے اس پہر فرشتہ بن کر پٹرول پمپ پہ آنے اور ان کی جان بچانے والا خوبرو نوجوان تھا، جسے ذوناش کا ذاتی ڈرائیور اور باڈی گارڈ کے طور پر رکھا گیا تھا۔ کومیل مؤدبانہ انداز میں ان کے سامنے کھڑے کمال قریشی کو اپنے بارے میں بتا رہا تھا اور وہ صرف اسے بولتے

ہوئے دیکھ رہی تھی۔ کمال قریشی، کومیل سے مل کر ازحد مطمئن ہوئے تھے اور خوش بھی۔

''ذوناش یہ تمہارے نئے باڈی گارڈ ہیں، تمہارے ذاتی ڈرائیور اور تمہاری سیکیورٹی کے انچارج کومیل آفریدی اور کومیل یہ میری بیٹی ہے ذوناش۔ تم اس کے سارے دن کی روٹین لسٹ مریم خاتون سے لے لینا۔''

''او کے سر!'' ہنوز احترام سے جواب دیا گیا۔

''ذونا یو آر او کے۔ تم اسے دیکھ کر اتنی شاکڈ کیوں ہو رہی ہو۔'' بالآخر کمال قریشی نے اپنے ساتھ بیٹھی ذوناش کو مسلسل حیرت سے کومیل کو دیکھتے ہوئے پا کر پوچھا۔

''ڈیڈ یہ...... یہ وہی شخص ہے جس نے اس رات ہماری جان بچائی تھی۔'' ذوناش نے حیرت و خوشی کے تاثرات کے ساتھ انکشاف کیا تو اپنے سامنے کھڑے کومیل آفریدی کو کمال قریشی نے ازحد حیرت سے دیکھا کر ذوناش سے پوچھا۔

''کیا واقعی تمہیں یقین ہے کہ یہ وہی شخص ہے؟''

''یس ڈیڈ...... بالکل یہ وہی شخص ہے۔'' ذوناش کے لہجے میں بے پناہ خوشی تھی۔

''بچانے والی ذات تو اللہ کی ہے سر۔ میں تو بس اتفاقاً اس رات بائیک میں پٹرول ختم ہو جانے کی وجہ سے وہاں رکا تھا۔'' کمال قریشی اس کی بات سن کر اپنی نشست سے اٹھ کر کومیل کے قریب آ گئے تھے۔

''میں تمہارا یہ احساس زندگی بھر نہیں چکا سکتا۔ تم نے میری اکلوتی بیٹی کی جان بچائی۔'' کمال قریشی نے کومیل کے کندھے پہ تھپکی ادی اور اپنی جیب سے چیک بک نکالی۔

''احسان کیسا سر؟ اس رات اگر میم کے علاوہ کوئی بھی ہوتا اس کی حفاظت کرنا میرا فرض تھا۔'' کومیل نے عجز و انکساری سے کہا۔

کمال قریشی نے چیک پہ اماؤنٹ لکھنے کے بعد اپنے سائن کیے اور چیک کومیل کی جانب بڑھا دیا۔

''اسے میری طرف سے انعام سمجھ کر رکھ لو۔ اس رات اگر تم نہ ہوتے، تو نہ جانے کیا ہو جاتا؟''

''سر نیکیاں انعام کے لالچ میں نہیں کی جاتیں۔'' کومیل نے چیک نہیں پکڑا تھا۔

''دس لاکھ کم لگ رہے ہیں تو میں اماؤنٹ بڑھا دیتا ہوں۔'' کمال قریشی نے اچنبھے سے کومیل کو دیکھ کر پوچھا۔

''نو سر آپ اس انعام کی زحمت مت کریں۔ میں یہ کسی صورت نہیں لوں گا۔ مجھے انعام اللہ سے چاہیے اور بے شک اس سے بہترین انعام دینے والا اور کوئی نہیں۔'' اس کے دوٹوک انداز پہ کمال قریشی حیرت سے چند لمحے اسے دیکھتے رہے اور پھر انہوں نے چیک اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''تمہارے اندر کسی ایماندار اور خوددار باپ کا خون دوڑ رہا ہے یہ جان کر خوشی ہوئی۔'' کمال قریشی دوبارہ اپنی نشست پہ آ بیٹھے

تھے اور مریم خاتون سے مخاطب ہوئے تھے۔

''مریم خاتون آپ کومیل کو اس کا کواٹر دکھا دیں اور ذونا کے سارے دن کی روٹین لسٹ اس کو دے دیں اور ہاں باقی تمام ملازمین کو بھی ہدایت کر دیجئے کہ کومیل کی عزت واحترام کریں اور آپ ان کے کھانے پینے کا خاص خیال رکھیں۔اس سلسلے میں آپ وحید (گھر کا بنگالی کک) کو بھی ہدایت کر دیجئے۔'' کمال قریشی کے خاص حکم پر مریم خاتون نے دھیرے سے سر ہلایا۔

''ڈونٹ وری صاحب! ہم سب کو بتا دے گا۔چلیں کومیل بابا۔ہم آپ کو آپ کا کمرہ دکھاتا ہے۔'' مریم خاتون، کمال قریشی کو تسلی دیے کر کومیل سے مخاطب ہوئیں تو وہ مریم خاتون کے ساتھ بڑھ گیا۔ذوناش نے دیر تک اسے جاتا ہوا دیکھا۔اس کے لبوں پہ دھیمی سی مسکراہٹ کھل اٹھی تھی۔

''ہاں بھئی گیم شروع کریں۔'' کمال قریشی نے پیار سے اس کے سر پہ ہلکی سی چپت رسید کرتے ہوئے پوچھا تو وہ ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلا گئی۔

☆......☆......☆

کومیل نے پانچ سال مختلف ہائی سوسائٹی کے لوگوں کے پاس بطور باڈی گارڈ جاب کی تھی مگر ایسا آرام دہ اور خوبصورت کواٹر اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔اس کا کمرہ فل کارپٹڈ تھا۔بڑی سی کھڑکی پہ شاندار قسم کے پردے لگے ہوئے تھے۔آرام دہ بیڈ، صوفہ سیٹ، روم فریج، دیوار میں لگی ایل سی ڈی۔اس دیوار کے ایک طرف بنی لکڑی کی وسیع ڈریس الماری اور الماری میں نصب بڑا سا شیشہ پھر روم میں لگا اے سی اور روم کے ساتھ بنا شاندار اٹیچ باتھ روم دیکھ کر اسے بہت خوشی محسوس ہوئی تھی۔

مریم خاتون اسے ذوناش کے سارے دن کی روٹین لسٹ دے گئیں تھیں۔ساتھ میں اس کا فون نمبر لے کر گئیں تھیں۔وہ شاور لے کر فریش ہوا اور اپنے بیگ سے اپنے کپڑے نکال کر الماری میں رکھنے لگا۔تھوڑی دیر پہلے خالد آکر اسے چائے دے گیا تھا۔ساتھ میں وہ چائے بھی پی رہا تھا۔کپڑے الماری میں سیٹ کرنے کے بعد وہ چائے کا مگ لیے صوفے پہ آگیا اور اس نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر لیا۔چائے پینے کے بعد اس نے ٹیبل سے ذوناش کے سارے دن کی روٹین لسٹ اٹھائی اور پڑھنے لگا۔

''ہوں تو محترمہ کی صبح کا آغاز صبح چھ بجے ہوتا ہے۔'' وہ زیر لب بولا۔

''اس کلاس کی یہ پہلی لڑکی ہے جو صبح چھ بجے اٹھتی ہے، ورنہ امیر لوگوں کے بچے بارہ بجے سے پہلے کب اٹھتے ہیں؟'' اس نے جیسے خود سے پوچھا۔

''چھ بجے اٹھ کر محترمہ کافی پیتی ہیں۔پھر لان میں تھوڑی دیر چہل قدمی کرتی ہیں۔سات بجے محترمہ لان میں بنے جوگنگ ٹریک پہ واک کرتی ہیں۔آدھا گھنٹہ واک کرنے کے بعد فٹنس ٹرینر آکر محترمہ کو Aerobic Exercise اور یوگا کرواتی ہیں۔ایک گھنٹے

کے بعد فارغ ہو کر محترمہ ایک گھنٹہ ریسٹ اور ریلیکس کرتی ہیں۔ پھر دس بجے اٹھ کر محترمہ ناشتہ کرتی ہیں۔اس کے بعد ایک گھنٹہ لائبریری کرتی تھی۔" میوزک روم سے ستار اور ہارمونیم بجانے کی آواز آرہی تھی۔ ذوناش کے موسیقی کے استاد اسے ریاض کروا رہے تھے۔ بلاشبہ ذوناش کی آواز خاصی سریلی اور دل کو چھو جانے والی تھی۔

کومیل لان کے اس حصے میں چہل قدمی کرتے کرتے بنچ پہ آ کر بیٹھ گیا تھا۔ میوزک روم میں جدید ساؤنڈ سسٹم لگایا گیا تھا۔

ریاض کرنے کے بعد ذوناش نے اسی راگ میں غزل سنانی شروع کی، جس راگ کا وہ چند لمحے پہلے ریاض کر رہی تھی۔

کوئی فریاد تیرے دل میں دبی ہو جیسے
تو نے آنکھوں سے کوئی بات کہی ہو جیسے
جاگتے جاگتے اک عمر کٹی ہو جیسے
جان باقی ہے مگر سانس رکی ہو جیسے
ہر ملاقات پہ محسوس یہی ہوتا ہے
مجھ سے کچھ تیری نظر پوچھ رہی ہو جیسے
راہ چلتے ہوئے اکثر یوں گماں ہوتا ہے
وہ نظر چھپ کے مجھے دیکھ رہی ہو جیسے
ایک لمحے میں سمٹ آیا ہے صدیوں کا سفر
زندگی تیز بہت تیز چلتی ہو جیسے
اس طرح پہروں تجھے سوچتی رہتی ہوں میں
میری ہر سانس تیرے نام لکھی ہو جیسے

ذوناش کی آواز میں ایک عجیب سحر تھا۔ ایک درد تھا، کچھ ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیاں اور کچھ مرجھائے ہوئے جذبوں کا دکھ تھا۔ وہ دکھ جو کسی کو بتایا نہیں جاتا۔ وہ مرجھائے ہوئے جذبے جو کسی پھول کی طرح کسی ڈائری میں رکھ دیے جاتے ہیں۔

کومیل لاشعوری اور غیر ارادی طور پہ وہیں بینچ پہ بیٹھ کر اس کو سنتا رہا تھا۔ کلام ختم ہوتے ہی اس کے استاد نے اسے داد دی تھی۔

"واہ بیٹا واہ آج تو کمال کر دیا آپ نے۔ کیا گایا ہے آج آپ نے۔ بہت خوب۔" اس کے استاد کے تعریفی کلمات کومیل کے کانوں سے ٹکرائے تھے۔

"شکریہ استاد محترم! آج کے لئے اتنا ہی کافی ہیں۔ میں آپ کے لئے چائے بھجواتی ہوں۔" ذوناش کی مؤدبانہ آواز اس کے

کانوں سے ٹکرائی تھی اور پھر وہ میوزک روم سے اپنے کمرے کی جانب بڑھی تھی، جب اچانک اس کی نظر کھڑکی سے دوسری پار سامنے بینچ پہ بیٹھے کومیل آفریدی پہ پڑی تھی۔

اتفاقاً کومیل بھی اسی جانب دیکھ رہا تھا۔معاوہ جاتے جاتے غیر ارادی طور پہ کھڑکی میں رک گئی تھی۔اسی اثناء میں ملازم ''استاد محترم'' کے لئے چائے لے کر میوزک روم میں داخل ہوا تھا۔ذوناش کی توجہ بھی کھڑکی کے پار موجود اس شخص سے ہٹ گئی تھی اور وہ دھیرے سے وہاں سے ہٹ گئی تھی تھوڑی دیر لان میں مزید چہل قدمی کرنے کے بعد کومیل بھی اپنے روم میں آ گیا تھا۔

☆......☆......☆

صبح چھ بجے سے پہلے ہی اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔اس نے انٹرکام پہ اپنے روم میں کافی بھجوانے کو کہا اور بیڈ سے اٹھ کر واش روم میں گھس گئی۔

جب وہ فریش ہو کر واش روم سے نکلی تو ملازمہ ٹرالی لئے کمرے میں موجود تھی۔

''بی بی جی یہ کافی۔'' ثمینہ نے مودبانہ انداز میں بتایا۔

''اوکے تھینکس، تم جاؤ، کافی میں خود بنا لوں گی۔'' ذوناش بے بی پنک سلیولیس گھٹنوں تک نائٹی میں ملبوس ٹاول سے منہ صاف کرتی ہوئی بولی تو ثمینہ سر ہلا کر باہر نکل گئی۔

ذوناش نے ٹاول بیڈ پہ پھینکا اور خود ٹرالی گھسیٹ کر صوفے پہ بیٹھ گئی اور اپنے لئے کافی بنانے لگی۔کافی بناتے بناتے اسے اچانک کومیل کا خیال آیا تھا اور وہ مگ ہاتھ میں لئے پرسوچ انداز میں صوفے سے اٹھ کر اپنے کمرے کی گلاس وال کے قریب آ کر کھڑی ہوئی، ایک ہاتھ سے اس نے پردے کی ڈور کھینچ کر پردہ سمیٹ دیا اور باہر لان میں دیکھنے لگی۔سورج ابھی مکمل طور پہ طلوع نہیں ہوا تھا۔پورے آسمان پہ نارنجی سی شعاعیں پھیلی ہوئی تھیں۔پرندے اپنے گھونسلوں سے نکل کر اپنے رزق کی تلاش میں ٹولیوں کی صورت آسمان پہ اڑتے دکھائی دیے۔کئی مالی وسیع لان میں گھاس کاٹنے، انواع واقسام کے قیمتی پودوں اور پھولوں کی دیکھ بھال، کانٹ چھانٹ اور گوڈی میں مصروف تھے۔

می می وائٹ شرٹ اور پیروں تک لانگ اسکرٹ میں ملبوس ان کے سر پہ کھڑی انہیں کچھ ضروری ہدایات دینے میں مصروف تھیں۔اچانک اس کی نظر لان کے ایک سائیڈ پہ مارشل آرٹس کے یونیفارم میں ملبوس کومیل پہ پڑی تھی۔وہ مارشل آرٹس کی مشق کر رہا تھا۔

ذوناش گلاس وال کے پاس کھڑی کافی پیتے ہوئے اسے دیکھتی رہی۔اس کے کمرے سے فرنٹ لان کا سب ایریا دکھائی دیتا تھا۔اس نے پہلی بار کسی مرد کو یوں فرصت سے دیکھا اور پھر کافی پینے کے بعد اس نے اپنا نائٹ ڈریس چینج کیا اور ٹریک سوٹ کے ساتھ جوگرز پہن کر لان میں آ گئی۔

''گڈ مارننگ ممی۔'' ذوناش نے عقب سے آکر مسکراتے ہوئے کہا۔

''ویری گڈ مارننگ مائے ڈارلنگ، یہ آج تم اتنی جلدی کیسے اٹھ گیا؟ چھ بجنے میں ابھی بیس منٹ باقی ہے۔'' ممی نے اپنی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھ کر حیرت سے اسے دیکھا۔

''بس آج میری جلدی آنکھ کھل گئی۔'' وہ فریش انداز میں مسکرائی۔

''ویری گڈ مائے ڈارلنگ۔ تم یہاں فریش ایئر لو ہم ذرا کچن میں دیکھتا ہے۔ وحید (بٹلر) اور ثمینہ (ملازمہ) بریک فاسٹ کی تیاری کر رہا ہے کہ نہیں۔ تم تو جانتا ہے صاحب اٹھتے ہی بریک فاسٹ کرتا ہے۔'' مریم خاتون نے مسکراتے ہوئے پیار سے اس کے گال چھوئے اور اندر بڑھ گئیں۔

ذوناش چلتے چلتے لان کے اس حصے میں آ گئی جہاں کومیل مارشل آرٹس کی مشق کر رہا تھا مگر اپنے سامنے اسے کھڑا دیکھ کر رک گیا تھا۔

''السلام علیکم میم!''

''وعلیکم السلام کیسے ہو تم؟'' ذوناش نے اس کے قریب آتے ہوئے خوش دلی سے پوچھا۔

''الحمدللہ میم! میں ٹھیک ہوں۔'' مختصر جواب دیا گیا۔

''ویسے اس رات جب تم نے میری اور مرسل کی جان بچائی تھی، اس رات وہاں اس سنسان جگہ پہ تمہاری انٹری کسی فلمی ہیرو سے کم دکھائی نہیں دے رہی تھی۔'' ذوناش کا انداز دوستانہ تھا اور اس کے لبوں پہ مسکراہٹ رقصاں تھی۔ جواباً کومیل بھی دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔ اس کی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی بڑی بڑی گہری اور خوبصورت آنکھیں بھی مسکرائی تھیں۔ تاہم وہ ذوناش کی بات پہ جواباً خاموش ہی رہا تھا۔ اس نے کوئی رائے نہیں دی تھی۔

''کومیل ویسے تم اس ہینڈسم پاکستانی ایکٹر ''حمزہ علی عباسی'' سے کافی ملتے جلتے ہو۔ کیا کبھی تمہیں کسی نے نہیں بتایا؟'' ذوناش نے گویا ان ڈائریکٹ اس کی تعریف کی تھی۔

''جی نہیں میم! میں ایسی باتوں پہ توجہ نہیں دیتا۔'' اس نے دھیرے سے کہہ کر سر جھکا لیا۔

''حیرت ہے۔ ویسے لڑکیاں تو کہتی ہوں گی تمہیں؟'' ذوناش نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''جی نہیں میم! میں لڑکیوں اور ان کی ایسی باتوں پہ غور نہیں کرتا۔'' اس کے جواب پہ ذوناش نے اسے مزید حیرت سے دیکھا۔

''امیزنگ، تو پھر کن باتوں پہ توجہ دیتے ہو تم؟'' بے تکلفی سے مزید سوال کیا گیا۔ کومیل گڑبڑا گیا۔

''Its very personal question mam.'' اس کا جواب ذوناش کے لئے غیر متوقع تھا۔

''Oh i,m sorry. بائے دا وے یہ مشق روزانہ کتنی دیر کرتے ہو تم؟'' ذوناش نے شاید اپنی خفت مٹانے کے لئے مزید

سوال کردیا تھا یا اس سے بات کر کے اسے اچھا لگ رہا تھا۔

''فجر کی نماز پڑھ کر روزانہ ایک گھنٹہ۔'' ہنوز مختصر جواب۔

''او کے رات تم لان میں بیٹھے تھے، اپنی فیملی کو مس کر رہے تھے کیا؟'' وہ نہ جانے کیوں سوال پہ سوال کر رہی تھی اس سے۔ شاید وہ اس کے پاس اس کے سامنے کھڑے رہنا چاہتی تھی۔ نہ جانے کیوں۔

''جو فیملی سے دور ہو وہ فیملی کو مس تو ضرور کرتا ہے، مگر اب عادت ہو گئی ہے مجھے۔ میں بس ویسے ہی رات کو کھانے کے بعد لان میں واک کے لئے آ گیا تھا۔'' اس نے عام سے لہجے میں بتایا۔ اس کی نظریں نیچی تھیں۔

''تمہاری جاب بہت ٹف ہے اپنی جان ہتھیلی پہ رکھ کر دوسروں کی جان کی حفاظت کرتے ہو تم۔ تمہاری بیوی نے کیسے اجازت دے دی تم کو ایسی جاب کی؟'' وہ ایک بار پھر پرسنل ہو رہی تھی۔ کومیل اس کے سوالوں اور بے تکلفی پہ اندر ہی اندر جھنجلا رہا تھا۔

''میم! بچانے والی اور حفاظت کرنے والی ذات تو اللہ کی ہے۔ بس وہ ہم جیسے لوگوں کو آپ جیسے لوگوں کے لئے وسیلے بنا کر بھیج دیتا ہے اور رہی بات بیوی کی تو میں فی الحال اس جھنجھٹ سے بالکل آزاد ہوں۔'' کومیل نے بے زار ہو کر کچھ اس انداز میں کہا تھا کہ وہ بے ساختہ مسکرا پڑی۔

''بیوی ایک جھنجھٹ ہے، ہاؤ فنی۔'' ذوناش نے زیر لب دہرایا۔

''میم آپ کی جوگنگ کا ٹائم ہو گیا ہے۔'' کومیل نے ٹاپک بدلتے ہوئے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھ کر اسے یاد دلایا۔

''لگتا ہے تم نے میرا روٹین چارٹ یاد کر لیا ہے؟''

''اٹس مائے ڈیوٹی میم۔ وہ تو مجھے یاد کرنا ہی تھا۔'' وہ جیسے زبردستی مسکرایا۔

''او کے تم اپنی مشق جاری رکھو۔ میں چلتی ہوں۔'' ذوناش مسکراتی ہوئی جوگنگ ٹریک کی جانب بڑھ گئی تھی۔ جوگنگ کے بعد اس کی فٹنس ٹرینر ماریہ آ گئی تھی۔ ماریہ نے آتے ہی اس سے پوچھا تھا۔

''ذوناش ابھی ابھی میں نے لان میں ہینڈسم سا لڑکا دیکھا ہے یار اس کو دیکھ کر کچھ کچھ ہونے لگا۔ بائے دا وے کیا تعارف ہے اس نیو انٹری کا؟'' ماریہ نے ہنستے ہوئے بے تکلفی سے پوچھا۔ ماریہ ایک اٹھائیس تیس سالہ خوش شکل اور خوش مزاج فٹنس ٹرینر تھی۔ وہ گزشتہ دو سال سے اسے Aeroble Exercise اور یوگا کروا رہی تھی۔ ذوناش اس کی بات پہ مسکرا دی۔

"He ia my new personal driver and my bodyguard."

''او مگر لگتا کم بخت کسی فلم کا ہیرو ہے۔'' ماریہ نے تبصرہ کیا تو اس کے لبوں پہ مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

''اٹس ٹرو۔''

"ویسے اگر یہ سنگل ہے تو تم اسے میرا نمبر دے سکتی ہو۔" ماریہ نے مسکراتے ہوئے اسے اجازت دی اور میوزک لگا دیا۔ وہ دونوں اس وقت جم میں تھیں۔

"مجھے آپ کے ارادے نیک نہیں لگتے۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لئے مجھے تو وہ ان چکروں میں پڑنے والا نہیں لگتا۔" ذوناش نے قیاس کیا' ساتھ ہی وہ مسکرا بھی رہی تھی۔

"ہاں ویسے لگتا تو شکل سے شریف ہی ہے مگر اس کو دیکھ کر کسی بھی لڑکی کا ارادہ خراب ہو سکتا ہے۔" ماریہ نے مسکراتے ہوئے اسے آنکھ مار کر Exercise اسٹارٹ کی۔ ذوناش بھی اس کے ساتھ بالکل اسی طرح میوزک کی بیٹ پہ ایکسر سائز کرنے لگی۔ اس کے ہونٹوں پہ اب بھی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"گڈ ویری گڈ۔" ماریہ نے اسے Appericiate کرتے ہوئے شاباش دی۔ پہلی بار وہ مجبوراً ایکسر سائز نہیں کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

کمال قریشی کافی دیر سے اپنے روم سے منسلک اسٹڈی روم میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے اپنے وکیل فاروق کو بلایا ہوا تھا۔ کافی دیر سے ان کی میٹنگ چل رہی تھی۔ بالآخر فاروقی صاحب کے جاتے ہی ذوناش ان کے کمرے میں آ گئی تھی۔

"بھئی آج تو بڑے بڑے لوگ اپنا قیمتی وقت نکال کر ہمارے روم میں آئے ہیں؟" کمال قریشی اسے دیکھ کر شرارت سے مسکرائے۔

"کم آن ڈیڈ مذاق مت کریں۔" ذوناش مسکراتی ہوئی ان کے ساتھ صوفے پہ آ بیٹھی۔

"لگتا ہے میری بیٹی مجھ سے کوئی فرمائش کرنا چاہتی ہے؟"

"آپ کو کیسے پتہ چلا؟" وہ حیران ہوئی۔

"کیونکہ میں تمہارا ڈیڈ ہوں۔" انہوں نے پیار سے اس کا ناک دبایا۔

"گو کہ میں نے اپنے بچوں کو بزنس کی مصروفیت کی بنا پر اس طرح اتنا ٹائم نہیں دیا جتنا ایک باپ کو اپنے بچوں کو دینا چاہیے مگر میں تمہاری بچپن کی اس عادت سے اچھی طرح واقف ہوں کہ جب بھی تمہیں کچھ چاہیے ہوتا تھا تم اسی طرح اچھے موڈ کے ساتھ آ کر میرے پاس بیٹھ جاتی تھیں۔" کمال قریشی نے مسکراتے ہوئے اسے یاد دلایا تو ذوناش نے مسکراتے ہوئے اپنا بازو ان کے کندھے پہ پھیلا لیا۔

"اب بتاؤ کیا چاہیے میری بیٹی کو؟"

"ڈیڈ اتنے دن ہو گئے ہیں مجھے شاپنگ کئے ہوئے۔ میں کسی مال میں جانا چاہتی ہوں۔ اس گھر سے باہر نکلنا چاہتی ہوں۔ ایک ہفتے سے میں اس گھر میں قید ہوں۔ مجھے کہیں باہر جانا ہے۔" ذوناش نے کسی بچے کی طرح التجا کی۔

"ذونا میری جان! تم اچھی طرح سے جانتی ہو کہ ابھی ایک ہفتے پہلے کتنا بڑا اور خوفناک واقعہ رونما ہوا ہے تمہارے ساتھ؟ ابھی تمہارا گھر سے نکلنا کسی صورت بھی مناسب نہیں ہے۔ اگر تمہیں شاپنگ ہی کرنی ہے تو دو دن اور رک جاؤ میں تمہارا ویزہ لگوا دیتا ہوں۔ تم شاپنگ کے لئے دوبئی چلی جاؤ؟" کمال قریشی نے اس کے گال تھپتھپائے۔

"اوکے آپ جلدی سے میرا ویزہ لگوائیں۔ میں کچھ دن کے لئے یہاں کی روٹین سے نکلنا چاہتی ہوں۔"

"اوکے مائے بے بی۔ ڈونٹ وری۔" کمال قریشی نے اس کے کندھے پہ تھپکی دی۔

"ڈیڈ یہ کیا ہے؟" ذوناش نے سامنے ٹیبل پہ رکھے کچھ پیپرز دیکھ کر پوچھا۔

"میں نے فاروقی صاحب کو بلوا کر اپنی وصیت تیار کروائی ہے۔ یہ اس کی کچھ فوٹو کاپیز ہیں۔"

"کیسی وصیت ڈیڈ؟"

"میں نے اپنا بزنس اپنی پراپرٹی اور یہ پیلس تمہارے نام کر دیا ہے۔" انہوں نے دھیرے سے اطلاع دی۔

"مگر کیوں ڈیڈ؟"

"ذونا میری جان زندگی کا کیا بھروسہ؟ اس لئے کچھ کام زندگی میں ہی نمٹا لینے چاہئیں۔"

"پلیز ڈیڈ ایسی باتیں مت کریں۔" اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا تھا۔

"تم دبئی سے واپس آجاؤ تو تمہاری منگنی کا کوئی حتمی فیصلہ بھی کرنا ہے مجھے۔ بھائی صاحب اور عالیہ بھابی کی طرف سے جلد ہی تمہاری اور مرسل کی منگنی کا اصرار بڑھتا جا رہا ہے۔" انہوں نے تفصیل بتائی۔ ذوناش کا دل مزید بجھ گیا۔

"ڈیڈ! مرسل میرا آئیڈیل نہیں ہے۔ مجھے نہیں لگتا میں مرسل کے ساتھ ایک اچھی لائف گزار سکوں گی۔ اس کے ساتھ میری انڈرسٹینڈنگ زیرو ہے۔ اس کی اور میری سوچ بالکل الگ ہے۔ ڈیڈی وہ میرے لئے ایک اچھا لائف پارٹنر ثابت نہیں ہو سکے گا۔" ذوناش نے اپنے اندر کے خدشوں کو اظہار بنایا۔

"میری جان کیا کمی ہے مرسل میں؟"

"ڈیڈ وہ بہت...... پریکٹیکل سا انسان ہے اور بہت زیادہ ان رومانٹک بھی۔ ہمیشہ وہ چوبیس گھنٹے اپنے بزنس کے بورنگ قصے سنا سنا کر مجھے بور کرتا رہے گا۔ بس مجھے اس کے ساتھ شادی نہیں کرنی ہے۔" ذوناش نے روٹھے انداز میں فیصلہ سنایا۔ کمال قریشی اس کی بات پہ مسکرائے۔

"یہ تو اچھی بات ہے کہ وہ ایک پریکٹیکل انسان ہے اور تم کیا چاہتی ہو کہ وہ کسی فلمی ہیرو کی طرح چوبیس گھنٹے تمہارے گرد منڈلاتا رہے؟ بی میچور ذونا ایسا سب کچھ فلموں میں ہی سوٹ کرتا ہے۔ حقیقی زندگی میں ایسا پاسیبل نہیں ہو سکتا۔" کمال قریشی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اور ویسے بھی یہ کوئی وجوہات نہیں ہیں انکار کی۔"

"ڈیڈ مرسل آپ کا بھتیجا ہے اسی لئے آپ کی طرح سوچتا ہے۔ مجھے تو رہ رہ کر ممی کا خیال آ رہا ہے۔ انہوں نے میرڈ لائف کے چار سال آپ جیسے بورنگ ہزبینڈ کے ساتھ کیسے گزارے ہوں گے؟" ذوناش کی بات اور شکوے پہ کمال قریشی ہنسنے لگے تھے۔

"وہ چار سال تمہاری ماں نے میرے ساتھ اتنے اچھے اور آئیڈیل گزارے کہ آج تک مجھے کبھی دوسری شادی کا خیال تک نہیں آیا۔ وہ ایک بہترین عورت تھی اور آئیڈیل بیوی۔" کمال قریشی نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔ ان کی آنکھوں کے آگے مہرین کا ہنستا مسکراتا چہرہ آن بسا تھا۔

☆......☆......☆

کمال قریشی ایک مشہور Diamond Dealer تھے۔ ان کی تجارت کا سلسلہ ملائیشیا، سنگاپور، سڈنی، ناروے، دوبئی سے لے کر پورے یورپ کے دیگر ممالک تک پھیلا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے ساتھ اپنے اکلوتے بھتیجے اور ہونے والے داماد مرسل کو بھی بزنس میں شامل کر لیا تھا۔ اس کی وجہ ان کی گرتی ہوئی صحت بھی تھی۔ ان کے بڑے بھائی کبیر قریشی کے قیمتی گاڑیوں کے شوروم تھے۔ مرسل اپنے باپ کے ساتھ ساتھ کمال قریشی کے بزنس میں بھی ان کی ہیلپ کیا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دیگر ملکوں میں اکثر ہیروں کی ڈیلز مرسل جا کے طے کرتا تھا۔ کمال قریشی کو مرسل کا بہت سہارا تھا۔ وہ سوائے مرسل کے اور کسی ورکر پہ ٹرسٹ نہیں کرتے تھے۔

وہ مرسل کا فیوچر بہت برائٹ دیکھ رہے تھے۔ اسے بھی کمال قریشی کی طرح بزنس میں نام بنانے کا جنون تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے باپ کے بزنس کے ساتھ کمال قریشی کے بزنس کو بھی سنبھالے ہوئے تھا اور اکثر غیر ملکی دوروں پہ رہتا تھا۔ مہرین کمال قریشی کی پہلی اور آخری محبت تھی۔ ان کی محبوبہ بیوی تھیں۔ دونوں کو ایک دوسرے سے مثالی اور انتہا کی محبت تھی۔ شادی کے بعد جڑواں بچوں کی پیدائش کے بعد دو سال تک وہ تندرست و توانا رہیں اس کے بعد ان کو اکثر بخار رہنے لگا پھر اچانک انہیں Breast Cancer Diagnose ہوا۔ کمال قریشی نے ان کے بہترین علاج کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ مہرین بیگم کی دائمی جدائی، اندھیرا بن کر ان کی زندگی پہ چھا گئی تھی۔ وہ اندر سے بہت تنہا اور اکیلے ہو گئے تھے۔۔ مہرین کی وفات کے بعد کبیر قریشی اور عالیہ بیگم نے کئی بار انہیں دوسری شادی کر لینے کا مشورہ دیا مگر وہ ہمیشہ یہ کہہ کر انکار کرتے رہے کہ میں مہرین کی جگہ کسی بھی دوسری عورت کو نہیں دے سکتا اور ویسے بھی وہ اپنے دونوں بچوں، ذونین اور ذوناش پہ سوتیلی ماں کو مسلط نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مہرین بیگم نے بیماری کے دوران ہی مریم خاتون کو دونوں جڑواں بہن بھائی کی دیکھ بھال اور گھر کے تمام معاملات کی جانچ پڑتال کے لئے بطور کیئر ٹیکر رکھ لیا تھا۔ مریم خاتون نے ذوناش اور ذونین کا ایک بہترین گورنس کی طرح خیال رکھا اور گھر کی دیگر ذمہ داریوں کو بھی نہایت ایمانداری کے ساتھ نبھایا۔ وہ خاتون ایک بانجھ عورت تھیں اسی وجہ سے ان کو طلاق دی گئی تھی۔ ان کے اندر اولاد کی جو کمی جو حسرت تھی وہ انہوں نے ان دونوں بچوں کو پیار دے کر گویا پوری کر لی

تھی۔ وہ دونوں بہن بھائی بھی مریم خاتون سے بہت مانوس تھے اور ان کا بہت ادب واحترام کیا کرتے تھے۔ مہرین کی ڈیتھ کے بعد کمال قریشی نے ذوناش اور ذونین کو مریم خاتون کے ساتھ انگلینڈ بھجوا دیا تھا جہاں ان دونوں بہن بھائی کی اسکولنگ وغیرہ ہو رہی تھی۔ مریم خاتون ان دونوں کو بہت پیار کیا کرتی تھیں۔ سو وقت اچھے انداز سے گزرتا چلا گیا۔ ذوناش اور ذونین نے لندن کے مشہور ومعروف اسکول وکالج سے پڑھا۔ ان دونوں بہن بھائیوں میں بھی خوب پیار اور محبت تھا۔ انہی دنوں وہ دونوں بہن بھائی کالج میں چھٹیوں کی وجہ سے مریم خاتون کے ساتھ پاکستان آئے تھے۔ اپنی چھٹیوں کو بھرپور انداز میں انجوائے کر رہے تھے۔ اس وقت ذوناش اور ذونین اٹھارہ برس کے ہو چکے تھے۔ انہی دنوں دونوں بہن بھائی کی برتھ ڈے تھی جسے کمال قریشی نے بڑے شاندار انداز میں وسیع پیمانے پہ سیلی بریٹ کرنے کا پروگرام بنایا تھا، جس میں ملک کی اعلیٰ شخصیات سے لے کر ہائی کلاس کی کریم کو مدعو کیا گیا تھا۔ ایک ہفتے سے کمال پیلس میں ان دونوں کی برتھ ڈے پارٹی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ان دونوں کی برتھ ڈے کا دن تو جیسے ایک مدت کے بعد کمال قریشی کے لئے خوشیوں کا پیام بن کر آیا تھا۔ مہرین کی ڈیتھ کے بعد اس گھر میں ہونے والی یہ پہلی پارٹی تھی جسے اتنے شاندار انداز میں منایا گیا تھا کہ وہاں مدعو لوگوں نے بھی اس یادگار پارٹی پہ ڈھیروں تبصرے کئے تھے۔

وہ شام کمال پیلس میں ایک حسین یاد بن کر اتری تھی۔ ہر طرف قہقہے تھے۔ خوشیاں تھیں۔ مسکراہٹیں تھیں۔ مگر کمال پیلس میں بسنے والوں کو کہاں خبر تھی کہ اس حسین اور خوشیوں سے بھرپور یادگار شام کی رات اتنی تاریک، خوفناک، طویل اور بھیانک روپ دھار کر آنے والی تھی۔

اس رات پارٹی ختم ہوتے ہی ذونین نے اپنے تایا کبیر قریشی کی طرف سے بطور تحفہ ملنے والی قیمتی اسپورٹس کار میں باہر جانے کی ضد کی تھی۔ کمال قریشی کے اجازت نہ دینے کے باوجود اس نے ایک ہی رٹ لگا رکھی تھی۔ وہ باہر جانا چاہتا تھا اور بے جا اصرار پہ کمال قریشی نے اسے باہر جانے کی اجازت دے دی تھی۔ ساڑھے گیارہ بجے وہ گھر سے نکلا تھا اور ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد اس کے ایکسیڈنٹ کی خبر کمال پیلس کے تمام افراد کو ہلا کر رکھ گئی تھی۔ ذونین کو شدید چوٹیں آئی تھیں۔ اس کا برین ان چوٹوں سے بری طرح متاثر ہوا تھا۔ کمال قریشی پاگلوں کی طرح شہر کے وی آئی پی ہاسپٹل کے سرجنز کی منت سماجت کرتے ہوئے اپنے اکلوتے نوجوان بیٹے کو بچانے کی التجائیں کرتے رہے تھے۔ ذوناش ایک ٹرانس کی کیفیت میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس تمام منظر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے لبوں پہ چپ لگ گئی۔ اس کے اندر باہر ایک خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس کے ڈیڈی کی بے انتہا دولت بھی اس کے بھائی کو نہ بچا سکی تھی۔

یکدم اسے اپنے باپ کی بے پناہ دولت بے معنی سی لگنے لگی تھی۔ ہر چیز سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ ذونین کے برین پر ایسی شدید چوٹیں آئیں تھیں کہ وہ ڈھیروں دعاؤں کے باوجود جانبر نہ ہو سکا۔ کمال قریشی کی حالت نیم پاگلوں جیسی ہو گئی تھی۔ مہرین کی وفات پہ وہ ٹوٹ گئے تھے۔ ذونین کی ناگہانی موت نے انہیں بکھیر دیا تھا۔ ان کے وجود کی دھجیاں اڑا دی تھیں۔ کمال پیلس میں وہ قیامت کا منظر تھا جہاں تھوڑی دیر پہلے قہقہے گونج رہے تھے وہاں اب چند گھنٹوں میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ کمال قریشی جوان بیٹے کی اچانک موت پہ زندہ

لاش بن گئے تھے۔ دوسری طرف ذوناش کی حالت بھی قابل رحم تھی۔ نہ وہ کھاتی تھی نہ پیتی تھی۔ نہ بولتی تھی۔ کئی مہینوں تک کمال قریشی اس صدمے کے زیر اثر رہے اور ذوناش تو اپنے جڑواں بھائی کی دائمی جدائی سے اتنی اپ سیٹ ہو گئی تھی کہ چھ ماہ تک اس کا ایک Psychiatrist سے ٹریٹمنٹ ہوتا رہا تھا۔ وہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی حساس ہو گئی تھی۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں اور باتوں کے بارے میں ڈیپلی سوچنے لگی تھی۔ تنہائی اور اکیلے پن کی وجہ سے وہ اکثر قنوطی ہو جاتی تھی اور ڈپریشن میں مبتلا ہو جاتی تھی۔

☆......☆......☆

ذوناش ایک ہفتے کے لئے دبئی جا رہی تھی۔ اس کے ساتھ مریم خاتون اور کومیل آفریدی بھی جا رہے تھے۔

ایئر پورٹ جانے سے قبل کمال قریشی نے کومیل سے کہا تھا۔

"خدا کے بعد میں نے اپنی بیٹی کی حفاظت کی ذمہ داری تمہیں سونپی ہے میری بیٹی کا خاص خیال رکھنا اور اس بات کا خاص خیال رکھنا یہ اکیلی کہیں نہ جائے۔"

"انشاءاللہ سر میں اپنی ڈیوٹی نہایت ایمانداری سے نبھاؤں گا۔ آپ میم کی بالکل بھی فکر مت کیجئے گا۔" کومیل نے انہیں مطمئن کرتے ہوئے یقین دلایا تھا۔

اور پھر سب سے بہترین Emirates ایئر لائن کی فرسٹ کلاس میں پہلی بار سفر کرتے ہوئے کومیل اپنے ٹھاٹ باٹھ پہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔ وی آئی پی آرام دہ سیٹس اور وی آئی پی پروٹوکول، کومیل نے سیل فون آف کر کے جہاز کی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لی تھیں۔

اس سے تھوڑے ہی فاصلے پہ ذوناش اور ممی ایک ساتھ بیٹھی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ممی بھی اونگھنے لگی تھیں۔ ذوناش نے ہیڈ فون کانوں سے لگا لیا تھا مگر جلد ہی وہ بوریت محسوس کرنے لگی تھی۔ ہیڈ فون دوبارہ رکھ دینے کے بعد اس نے بے زاریت سے کوئی انگلش فیشن میگزین اٹھا لیا تھا۔ میگزین کی ورق گردانی کرتے کرتے اچانک اور بے ساختہ اس کی نظریں کومیل کی جانب اٹھیں تھیں اور وہ کتنے ہی پل اسے بے ساختہ فرصت سے دیکھتی رہی۔ وہ بلیو جینز پہ سیاہ شرٹ پہنے اتنا گڈ لوکنگ لگ رہا تھا کہ بے ساختہ اس کا دل چاہا، وہ اس کے پاس جا کر بیٹھے۔ اس سے باتیں کرے۔ اس کی گمبھیر اور خوبصورت مردانہ آواز سنے۔ اس میں ایک عجیب ہی طلسماتی سی کشش تھی جو ذوناش کو اس کی جانب کھینچتی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں ایسا پرکشش مرد نہیں دیکھا تھا، جسے دیکھ کر بے اختیار اس کی قربت حاصل کرنے کو جی چاہا ہو۔

جانے یہ اس کی گہری اور پرشوق سی نظروں کی تپش تھی کہ کومیل نے ایک لمحے کے لئے آنکھیں کھول کر اپنے دائیں جانب دیکھا تھا اور پھر گڑبڑا گیا تھا۔ وہ محویت سے اسی کو دیکھ رہی تھی اور اس کے اچانک یوں دیکھنے پہ دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

"میم آپ کو کچھ چاہیے کیا؟" اس نے ناسمجھی میں جھٹ سے ذوناش سے پوچھ ڈالا تھا اور اس کے لبوں پہ مسکراہٹ اور بھی گہری

ہو گئی تھی۔

"ہاں مجھے تمہاری کمپنی چاہیے تھی۔ کیونکہ میں بہت بور ہو رہی تھی۔" ذوناش نے اپنی سیٹ بیلٹ کھولتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"اگر تمہیں نیند نہیں آ رہی تو کیا میں تمہارے پاس آ سکتی ہوں؟" ذوناش نے اس کی بات کاٹ کر اس کے ساتھ والی خالی سیٹ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا، تو وہ گڑبڑا سا گیا۔

"ج...... جی...... شیور۔" ذوناش اس کی حیرانگی کو نظر انداز کرتی، اٹھ کر اس کے ساتھ والی نشست پہ آ گئی تھی۔ کومیل کو اس کا یوں اپنی جگہ سے اٹھ کر بے تکلفی سے اس کے ساتھ آ بیٹھنا بہت عجیب اور حیران کن لگا تھا۔ اوپر سے وہ سلیولیس ٹاپ پہ پنڈلیوں تک کیپری میں ملبوس تھی۔ کومیل کی نظریں جھک گئیں تھیں۔ اس کے کافی کلر کے لمبے اور سیدھے بال اس کے دونوں کندھوں سے نکل کر آگے پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے وجود سے آتی قیمتی اور برینڈڈ کلون کی دلفریب خوشبو، اس کے حواسوں پہ چھانے لگی۔ ذوناش نے گردن موڑ کر اپنے ساتھ بیٹھے کومیل کو دیکھا وہ غالباً سانس روک کر اپنی نشست پہ بیٹھا ہوا تھا۔ ذوناش کے لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ کومیل بنیادی طور پہ انتہائی شریف آدمی تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر ذوناش کے دل میں خواہ مخواہ اسے تنگ کرنے کا خیال آیا اور پھر اگلے ہی لمحے ذوناش نے اس کے بازو پہ ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"لگتا ہے میرا یہاں تمہارے پاس بیٹھنا تمہیں اچھا نہیں لگ رہا؟"

"ن...... نو میم...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" کومیل نے گھبرا کر جواب دیا۔

"تو پھر کیسی بات ہے؟ تم پچھلے چار منٹ سے کسی روبوٹ کی طرح بیٹھے ہوئے ہو اور مسلسل اپنے سامنے اس سیٹ کی پشت کو گھور رہے ہو۔" ذوناش نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے تبصرہ کیا، تو اس نے اپنی گھبراہٹ پہ قابو پاتے ہوئے گردن موڑ کر ذوناش کو دیکھا۔

"ن...... نہیں میم...... ایسی کوئی بات نہیں مم...... میں ٹھیک ہوں۔" ذوناش بھی گردن موڑے مسکراتی نظروں سے اسی کو دیکھ رہی تھی۔ کومیل نے بے ساختہ دل میں اعتراف کیا، بلاشبہ وہ دنیا کی حسین ترین لڑکیوں میں سے ایک تھی، جو محض چند فٹ کے فاصلے پر اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ اچانک اس کی نظر ذوناش کی سفید اور لمبی گردن پہ بنے سیاہ تل پہ پڑی تھی اور وہ بے ساختہ اس کی خوبصورت گردن پہ بنے سیاہ تل میں الجھ گیا تھا۔ چند لمحوں کے لئے کھو گیا تھا۔

"ویسے مجھے تو تم کہیں سے بھی ٹھیک نہیں لگ رہے ہو۔" ذوناش کی بات نے چند لمحوں میں اس کا تسلسل توڑا تھا۔

"ج...... جی...... میم میں ٹھیک ہوں بالکل نہ جانے آپ کو ایسا کیوں فیل ہو رہا ہے۔" ہنوز گھبراہٹ۔

کومیل نے کچھ لمحوں کے بعد نیوز پیپر اٹھا کر اپنے سامنے پھیلایا وہ اپنی توجہ اس ساحرہ سے ہٹانا چاہتا تھا جو بڑی بے تکلفی سے اس کے برابر میں آ بیٹھی تھی۔

"ایسی کون سی نیوز ہے جسے تم اتنی توجہ سے پڑھ رہے ہو؟" ذوناش جان بوجھ کراس کے مزید قریب آ کر اخبار پہ جھک کر دیکھنے لگی، حالانکہ وہ جانتی تھی کہ کومیل اخبار پڑھ نہیں رہا تھا۔ صرف دیکھ رہا تھا۔

"نن...... نہیں میم ایسی کوئی خاص نیوز نہیں ہے۔" وہ اس کے اتنے قریب تھی کہ وہ مزید گڑ بڑا گیا تھا، اس کی ہارٹ بیٹ تیزی سے مس ہونے لگی۔

"تو پھر چھوڑوناں اس نیوز پیپر کو اور مجھ سے باتیں کرو۔" ذوناش نے بے تکلفی سے اس کے ہاتھ سے اخبار لے کر واپس رکھتے ہوئے کہا تو اس نے نروس انداز میں بے ساختہ پوچھا۔

"کک...... کیسی باتیں میم؟"

"اف تم تو ایسے گھبرا رہے ہو جیسے میں نے تمہیں رومانس کرنے کو کہہ دیا ہو؟" ذوناش کی پرورش آزاد ماحول میں ہوئی تھی سو بلا جھجک اس سے کہہ گئی تھی مگر جواباً کومیل لفظ رومانس پہ از حد حیرت سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"میں کیا باتیں کروں آپ سے میم؟"

"کچھ اپنے بارے میں بتاؤ، تمہاری کتنی گرل فرینڈز ہیں؟" وہ بے تکلفی سے اس سے پوچھنے لگی۔

"میری زندگی میں فی الحال کوئی لڑکی نہیں ہے۔" اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

"امپاسیبل تم اتنے ہینڈسم ہو، ڈیشنگ ہو، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تمہاری کوئی گرل فرینڈ نہ ہو؟" ذوناش نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"میم میں سچ کہہ رہا ہوں، میری زندگی میں کوئی لڑکی نہیں ہے۔ میری کوئی گرل فرینڈ نہیں ہے۔" اس نے نروس انداز میں یقین دلانے کی کوشش کی۔

"اوکے تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں۔ ویسے تم جیسے یوسف ثانی شخص پہ لڑکیاں لائن تو مارتی ہوں گی...... نہیں؟" اس نے بے تکلفی سے مسکراتے ہوئے پوچھا تو وہ چند لمحے اسے دیکھے گیا۔ نہ جانے وہ اس سے اتنی جلدی اتنی بے تکلف کیوں ہو رہی تھی۔

(جی مارتی ہیں لائن جیسے اس وقت آپ مجھے پہ لائن مار رہی ہیں) کومیل نے دل میں سوچا مگر کہا نہیں اور کہہ سکتا بھی نہیں تھا۔

"میں نے کبھی ان چیزوں پہ توجہ نہیں دی، ویسے بھی میں ڈائریکٹ شادی اور پھر شادی کے بعد کی محبت پہ یقین رکھتا ہوں۔ میں محبت کے نام پہ کسی کو چیٹ کر کے ٹائم گزارنے والوں کے سخت خلاف ہوں۔" اب کے کومیل کا انداز دوٹوک تھا۔ اس کے لہجے میں اس کے اندر کی سچائی بول رہی تھی۔

"یعنی تم ایک مولوی ٹائپ انسان ہو۔ سیدھے سادھے اور سیدھے راستے پہ چلنے والے۔" ذوناش نے تبصرہ کیا اور مسکرائی۔ وہ خاموش رہا۔ وہ پھر بولی۔

''مرد چاہے معمولی شکل وصورت کا بھی ہو وہ بہت فخر محسوس کرتا ہے، عورت کو اپنی محبت میں مبتلا کر کے اسے خوار کر کے اور تم تو پھر پرنس چارمنگ نظر آتے ہو، حیرت ہے تمہیں عام مردوں کی طرح اپنے عشق میں عورتوں کو ذلیل وخوار کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے؟ جانتے ہو میری فنانس ٹریژر ماریہ اکثر تمہیں دیکھ کر آہیں بھرتی ہے۔'' ذوناش ہنسی۔

''مگر میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں۔'' اس کا انداز دوٹوک تھا جیسے فیصلہ سنا رہا ہو۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا اور وہ اب سامنے دیکھ رہا تھا اور ذوناش وہ صرف اسے دیکھ رہی تھی۔ کومیل کی آنکھوں میں سچائی تھی۔ اس کی آنکھیں ریاکاری سے پاک تھیں اور اس کے لہجے میں سچائی یقین بن کر بول رہی تھی۔

''تم ایک ونڈرفل آدمی ہو اور تمہاری بیوی کتنی لکی ہوگی۔You are a different and inspiring man. admire the luck of your bride to be'' ذوناش نے بولتے بولتے اس کے کندھے پہ سر رکھتے ہوئے کھلے دل سے اپنے جذبات کا اظہار کیا تو کومیل ایک بار پھر اس کی اس حد درجہ بے تکلفی پہ گڑبڑایا۔

''مم...... میم...... آ...... آپ پلیز...... سیٹ کی پشت پہ سر رکھ لیں۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔ اس کے دل کی دھڑکن ایک بار پھر گڑبڑ کرنے لگی۔

''میں یہاں بالکل ٹھیک ہوں اور مجھے بہت سکون مل رہا ہے۔'' ذوناش نے ہنوز اس کے کندھے پہ سر رکھے شرارت سے کہا۔

''مم...... میم...... پلیز یہ مناسب نہیں ہے۔'' وہ زچ ہوا۔

''کیا مناسب نہیں ہے؟'' بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ اس کے سینے پہ رکھا اور اس کی شرٹ کے بٹنوں سے کھیلنے لگی۔

''کیا مناسب نہیں ہے؟ ٹیل می؟''

''یہ...... یہ جو آپ کک...... کر رہی ہیں۔'' وہ تھوڑا پیچھے ہٹا۔

''میں کیا کر رہی ہوں؟'' وہ انجان بنی اور دل ہی دل میں اس کی کیفیت کو انجوائے کرنے لگی۔ اک مدت کے بعد اس کا دل یوں مچلا تھا اور وہ یوں تنگ کر رہی تھی، شرارت کر رہی تھی اور جس سے وہ اس طرح کی شرارت کر رہی تھی وہ اس کی زندگی کا پہلا مرد تھا اور شاید آخری بھی۔

''میم آ...... آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں کہ آپ کیا کر رہی ہیں۔'' کومیل نے گھبرا کر اپنے اردگرد دیکھا۔ سب Passengers زیادہ تر سو رہے تھے۔ کچھ اخبار یا میگزین پڑھ رہے تھے اور کچھ آنکھیں بند کئے ریلیکس کر رہے تھے۔

''لگتا ہے تم مجھے کمپنی نہیں دو گے؟'' ذوناش نے اس کے چہرے پہ چھائی گھبراہٹ اور اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں اترتی

پریشانی دیکھ کر دھیرے سے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔

"دیکھیں میم ......مم ......میں آپ کو اس طرح کی کمپنی نہیں دے سکتا۔" کومیل نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ ہٹایا۔ اسے خود سے دور کیا اور حتمی انداز میں فیصلہ سنایا۔ ذوناش اسے چند لمحے دیکھتی رہی مگر بولی کچھ نہیں اور دل میں اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکی وہ ایک نہایت شریف النفس انسان تھا۔

"دیکھیں میم، میرا اور آپ کا ایسا کوئی ریلیشن نہیں ہے جس کی بنیاد پہ آپ مجھ سے اس طرح کی بے تکلفی برتیں۔" کومیل نے بہت نپے تلے الفاظ میں اسے گویا وارننگ دی۔

"ریلیشن بنانے سے بنتے ہیں۔ آئی مین تم ہر وقت میرے ساتھ رہو گے، تم میرے پرسنل ڈرائیور اور باڈی گارڈ ہو، تمہارے بغیر مجھے کہیں آنے جانے کی اجازت نہیں ہے تو ایسے میں آئی تھنک ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ تھوڑی بہت فرینڈ شپ ضرور کر لینی چاہیے تاکہ میں تمہارے ساتھ بوریت محسوس نہ کروں۔" ذوناش نے مسکراتے ہوئے جواز پیش کیا۔

"آئی ایم سوری میم، میں دوستی کے نام پہ آپ کو اس طرح کی کمپنی دے کر آپ کی بوریت دور نہیں کر سکوں گا۔ میں آپ کا پرسنل ڈرائیور اور باڈی گارڈ ہوں۔ اس سے زیادہ میں نہ آپ سے پرسنل ہو سکتا ہوں، نہ ہونا چاہوں گا۔" کومیل کا انداز دوٹوک تھا۔ اس کے لہجے میں درشتگی تھی۔ ذوناش کو اس کا یوں اسے دھتکارنا اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ شرارت اور مذاق میں شاید لاشعوری طور پہ اس کے منہ سے کچھ اچھا سننا چاہتی تھی۔ اپنی دی ہوئی آفر کو اس کے منہ سے خوشدلی سے قبول کرتے ہوئے دیکھنا چاہتی تھی اور ایسا بالکل بھی نہیں ہوا تھا شاید اسی لئے اس کے چہرے پہ اداسی اتر آئی تھی۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا وہ کسی انجان مرد کے خود قریب گئی تھی اور اس مرد نے کتنی آسانی سے اسے پرے دھکیل دیا تھا۔ اسے یکدم اس کے عمل سے اس کے رویئے اس کی باتوں سے اپنی ہتک سی محسوس ہونے لگی۔ اس کے مسکراتے ہونٹ اب خاموش ہو گئے تھے۔

"Ok you keep enjoing your lone lines." ذوناش کے انداز میں روکھا پن تھا، طنز تھا اور کہیں کوئی شکوہ بھی چھپا ہوا تھا۔ کومیل اس سے نظریں ہٹاتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

"سوری میم میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ میں تو بس آپ کو یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ......" وہ جھجک کر رک گیا۔

"سوری فور واٹ؟ ہرٹ ہونا میرے لئے ایک نارمل بات ہے۔"

"اٹس اوکے۔" اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی تھی اور اس کے برابر والی چیئر سے اٹھ کر دوبارہ اپنی جگہ پہ آ گئی تھی۔ اب اس نے سیٹ کی پشت سے سر لگا کر آنکھیں موند لی تھیں۔ شاید اسے نیند آ رہی تھی لیکن کومیل کی نیند اب اڑ چکی تھی۔ اس کے آس پاس ذوناش کی باتیں گونج رہی تھیں۔ وہ اتنی حسین و جمیل تھی کہ اس کی جگہ کوئی دوسرا مرد ہوتا تو کبھی اسے خود سے دور نہ کرتا، کبھی اس کی قربت

سے دور نہ ہونا چاہتا مگر کومیل کا ضمیر زندہ تھا، وہ اپنے نفس پہ قابو پانا جانتا تھا اسی لئے اس حسن کی مورت کو آسانی سے خود سے دور کر گیا تھا۔ مگر اس کی نظروں نے بار بار اس کے برابر والی سیٹ کو دیکھنے کی گستاخی کی تھی جس پہ وہ آنکھیں موندے سونے کی کوشش میں بے سکون ہو رہی تھی۔ خدا نے اسے فرصت سے بنایا تھا۔

اس کے بعد فلائٹ کے دوران ان میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ دوبئی ایئرپورٹ پہ کمال قریشی کے دیرینہ دوست نصیر احمد انہیں ریسیو کرنے کے لئے پہلے سے ہی موجود تھے۔ انہوں نے ذوناش کو اپنے گھر لے جانے پہ از حد اصرار کیا تھا مگر کمال قریشی نے دوبئی کے سیون اسٹار ہوٹل Burj al arab میں ان کے لئے Royal suite بک کروا رکھا تھا۔ لہٰذا ذوناش نے نصیر انکل سے نہایت خوشدلی سے معذرت کر لی تھی۔ سو نصیر احمد انہیں اپنی مرسڈیز میں برج العرب چھوڑ آئے تھے۔ ہوٹل میں داخل ہوتے ہی کومیل کی آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں۔ کومیل اپنے کیریئر میں کئی Rich لوگوں کے ہاں بطور باڈی گارڈ کے فرائض سرانجام دے چکا تھا اور ان کے ساتھ اکثر فائیو اسٹار ہوٹلز میں بھی جایا کرتا تھا مگر کمال قریشی اور ذوناش کے ساتھ جو ٹھاٹھ باٹھ وہ دیکھ رہا تھا وہ اس نے زندگی میں نہ دیکھے تھے۔ وہ پہلی بار دنیا کے مشہور و معروف سیون اسٹار ہوٹل میں آیا تھا۔ ریڈ کارپٹ پہ گاڑی رکتے ہی باوردی پورٹر نے آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے ان کی گاڑی کا دروازہ کھولا تھا۔ ہوٹل کی انٹری پہ کھڑی باوردی انتظامیہ جن میں دو مرد تھے اور ایک بہت حسین لڑکی موجود تھی، انہوں نے قدرے جھک کر مسکراتے ہوئے انہیں ویلکم کیا تھا۔

ذوناش نے جواباً اسی طرح خوشدلی سے ان کو تھینکس کہا تھا۔ اب وہ اندر آ گئے تھے۔ لفٹ کے ذریعے وہ تھرڈ فلور پہ پہنچے تو ایک درمیانی عمر کے روسی شخص نے انہیں ویلکم کہا اور انگلش میں انہیں ریزرو کروائے Suite کے بارے میں بتاتے ہوئے آگے بڑھا۔ اس کی معیت میں وہ تینوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ خوبصورت راہداریوں سے گزرنے کے بعد اس شخص نے مسکراتے ہوئے ایک شاہی قسم کے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دروازے کو پش کیا تھا اور پھر دروازہ کھلتے ہی کومیل کی آنکھیں چند لمحوں کے لئے کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ وہ سب اس شخص کی معیت میں سویٹ کے اندر داخل ہو چکے تھے۔ ایک خوبصورت ہال کے ایک سائیڈ پہ خوبصورت صوفے رکھے گئے تھے۔ اسی ہال کے ایک کونے میں ایک اسٹائلش سا رائیٹنگ ٹیبل موجود تھا، جس پہ لیپ ٹاپ رکھا تھا اور ریوالونگ چیئر رکھی تھی، چیئر کے پیچھے ایک بک ریک بھی رکھا تھا۔ ٹیبل پہ پیپر ویٹ سے لے کر کئی اقسام کے پین اور رائٹنگ پیڈز رکھے تھے اسی ہال کے درمیان میں نہایت عمدہ قسم کی گول سیڑھیاں دکھائی دے رہی تھیں جن پہ قیمتی ریڈ کارپٹ بچھا ہوا تھا۔ سیڑھیوں کی تعداد زیادہ نہ تھی صرف پانچ چھ ہی سیڑھیاں تھیں۔ اس شخص نے ہاتھ کے اشارے سے ان سب کو سیڑھیوں پہ چڑھنے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ تینوں پھر سے اس کے پیچھے پیچھے اوپر آئے۔ اوپر آتے ہی کومیل نے پھر سے اس لگژری رائل سوٹ کے چاروں اطراف نگاہ دوڑائی، چاروں اطراف شیشے کی دیواریں بنائی گئی تھیں۔ قیمتی اور نفیس پردوں سے ان دیواروں کو سجایا گیا تھا۔ چاروں اطراف سے وسیع سمندر کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ اس وسیع ہال کے ایک

کونے میں چند صوفے رکھ کران کے سامنے پلازمہ ٹی وی رکھ کراس کارنر کوٹی وی لاؤنج کی شکل دی گئی تھی۔دوسرے کونے میں ایک منی بار بھی بنایا گیا تھا جس کے کاؤنٹر پہ کچھ گلاس اور دنیا کے مشہور برانڈ کے مشروب رکھے تھے۔اسی ہال کے درمیان میں شیشے کا نہایت خوبصورت ڈائننگ ٹیبل رکھا گیا تھا جس کے اوپر آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا فانوس لگا ہوا تھا۔اس رائل سُوٹ کا ایک ایک کونہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔کومیل کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی شاہی محل میں آ گیا ہو۔

وہ شخص انگلش میں ذوناش کو ان کے بیڈ رومز کے بارے میں بتا رہا تھا۔اس کے بعد وہ شخص چلا گیا تھا۔ذوناش نے کئی گھنٹوں کے بعد اسے مخاطب کیا تھا۔

''کومیل دائیں طرف جو Collie door تمہیں نظر آ رہا ہے وہاں تمہارا روم ہے،می می اس طرف آپ کا روم اور یہ سامنے میرا روم ہے۔'' ذوناش نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں ان کے رومز کے بارے میں بتایا۔

''او کے میم!'' کومیل اپنے روم کی طرف بڑھا۔

''روم میں انٹرکام موجود ہے تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو انٹرکام پہ انتظامیہ کو اطلاع کر دینا۔'' ذوناش نے سرسری سے انداز میں اسے بتایا،تو کومیل اثبات میں سر ہلا گیا اور اپنے روم کی طرف بڑھ گیا۔

''می می آئی تھنک آپ کو بھی ریسٹ کی ضرورت ہے گو کہ پلین میں آپ نے خوب نیند پوری کی ہے۔'' ذوناش نے مسکراتے ہوئے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''ذوناش ڈارلنگ،اب ہم بوڑھا ہو گیا ہے،اس لئے جلدی تھک بھی جاتا ہے۔'' وہ جھینپ گئیں تھیں۔

''کہاں بوڑھی ہوئی ہیں آپ؟ اب بھی آپ کو دیکھ کر کئی مردوں کی ہارٹ بیٹ مس ہوتی ہو گی۔'' ذوناش مسکرائی اور انہیں چھیڑنے لگی۔

''ذونا مذاق مت کیا کرو ہم سے،ہم اچھی طرح سے جانتا ہے پچاس برس کا ہو چکا ہے ہم،اب ہمیں دیکھ کر کون اسٹوپڈ ایسا سوچتا ہو گا؟'' مریم خاتون نے مسکراتے ہوئے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورا تھا اور ذوناش دھیرے سے مسکرانے لگی تھی۔

''ذونا مائے ڈارلنگ تم ایسے ہی ہنستا ہوا اچھا لگتا ہے اور ہم تمہیں ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتا ہے۔'' مریم خاتون نے پیار سے اس کا ماتھا چومتے ہوئے کہا تو وہ خاموش ہو گئی تھی۔

''او کے می می،میں تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ ان کے کندھے پہ تھپکی دے کر اپنے روم کی طرف بڑھ آئی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ مرسل کے ساتھ وہ کبھی خوش نہیں رہ سکتی تھی۔اس لئے خوش رہنے کی...... دعائیں اب اسے خوشی نہیں دیتی تھیں بلکہ اسے اداس کر جاتی تھیں۔

اور پھر شام کو جب وہ شاور لے کر اپنے روم سے باہر نکلی تو کومیل گلاس وال کے ساتھ کھڑا وسیع سمندر کا نظارہ کر رہا تھا۔ وہ بھی کارپٹ پہ ننگے پاؤں چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی تھی۔

''السلام علیکم میم!'' کومیل نے اسے اپنے قریب آتا ہوا دیکھ کر ادب سے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام!'' وہ سلام کا جواب دے کر اس کے پاس آ کر کھڑی ہوئی۔ اس وقت وہ Arabic سٹائل کے لوز سے ڈھیلے ڈھالے سیاہ گاؤن میں ملبوس تھی جس کے سلیولیس بازو اور گلے پہ نفیس سی ریڈ کڑھائی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کے دودھیا وجود پہ بلیک کلر بہت جچ رہا تھا۔ وہ ننگے پاؤں تھی۔ اس کی ایک کلائی میں ریڈ اور بلیک کلر کے دو کنگن بھی موجود تھے جو اس کی کلائی پہ بہت جچ رہے تھے۔ اس کے کمر تک آتے کافی کلر کے لمبے اور سیدھے بالوں میں اب بھی کہیں کہیں پانی کی بوندیں اٹکی ہوئی تھیں۔ کومیل اس ساحرہ اس حسن کے پیکر سے نظریں چرا کر گلاس وال سے باہر دیکھنے لگا۔

''کومیل تم کافی پیو گے؟'' ذوناش نے اسے سرسری سے انداز میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی......کافی؟'' وہ حیران ہوا۔

''میرے سوال اتنے مشکل تو نہیں ہوتے جن کے جواب دینا تمہارے لئے اس قدر مشکل ہو جاتا ہے۔'' کومیل نے نا سمجھی میں ذوناش کو دیکھا۔

''کیا تم میرے ساتھ کافی پیو گے؟'' اب کے مسکراتے ہوئے پوچھا گیا۔

''جی شیور۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''اوکے گڈ۔'' ذوناش نے قریب ہی رکھا انٹر کام اٹھایا اور کافی بھجوانے کو کہا۔

''شام کو مجھے دوبئی مال سے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔'' انٹر کام رکھتے ہوئے ذوناش نے اسے اطلاع دی۔

''اوکے میم!'' اس نے پروفیشنل انداز میں جواب دیا۔ ذوناش ایک بار پھر اس کے قریب آ کھڑی ہوئی اور گلاس وال سے سمندر کو دیکھنے لگی۔

''مجھے سمندر بہت پسند ہے۔'' وہ دھیرے سے خود کلامی کے انداز میں بولی۔ مگر کومیل خاموش رہا۔ اس ساحرہ کے پاس اس کے قریب کھڑے ہونا اور کھڑے رہنا بھی انتہائی مشکل تھا۔ اسے اپنے نفس سے بار بار جنگ لڑنی پڑتی تھی۔

''پوچھو گے نہیں کہ مجھے سمندر کیوں پسند نہیں؟'' اس نے گردن موڑ کر اپنے قریب کھڑے کومیل سے پوچھا۔

''کچھ چیزوں کے بارے میں وجوہات نہیں پوچھی جاتیں میم! وہ پسند ہوتی ہیں اور نہ جانے کیوں پسند ہوتی ہیں۔'' کومیل کے جواب پر کچھ لمحے وہ اسے دیکھتی رہی تھی۔

''مگر کچھ لوگوں کو کچھ پسندیدہ چیزوں کی وجوہات بتانے کو دل چاہتا ہے۔'' اپنے چہرے سے اپنے بالوں کو ہٹاتے ہوئے اس نے سمندر کو دیکھتے ہوئے کھوئے سے لہجے میں کہا تو کومیل بے ساختہ اسے دیکھے گیا۔

بلاشبہ وہ کسی رومانٹک ناول کی کسی ہوشربا ہیروئن جیسی تھی۔ بے انتہا پرکشش اور خوبصورت۔ اب بھی وہ میک اپ سے عاری چہرے پہ صرف ڈیپ ریڈ لپ اسٹک لگائے بلیک گاؤن میں غضب ڈھا رہی تھی۔ آنکھیں اسے بار بار دیکھنے کی گستاخی کر رہی تھیں۔ دل بار بار اس کی جانب کھنچتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''کومیل! یہ سمندر کتنی آسانی سے ہزاروں کہانیوں، رازوں اور طوفانوں کو اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے؟ مگر انسان چند دکھوں کو اپنے سمندر جیسے وسیع اور گہرے دل میں چھپانے کے لئے کس قدر ہلکان ہو جاتا ہے نا؟'' وہ ہنوز سمندر کی لہروں کو دیکھتے ہوئے اداسی سے بولی۔ جواباً وہ کچھ بول نہیں پایا تھا۔ بس اس کی گہری باتوں پہ صرف یہ سوچ کر رہ گیا تھا کہ اس لڑکی کی زندگی میں ایسی کون سی کمی تھی جو اسے یوں ہلکان کئے ہوئے تھی، جو اس کے لہجے میں اداسی بن کر اتر آئی تھی، جو اس کی روشن اور خوبصورت آنکھوں میں نمی بن کر جھلملا گئی تھی۔ دنیا کی ہر نعمت ہر آسائش تو موجود تھی اس کے پاس، یہ شاہانہ اور لگژری اسٹائل، یہ بے پناہ اور بے حساب دولت، سب کچھ تو تھا اس کے پاس، پھر ایسا کیا نہیں تھا اس کے پاس جس کی کمی اس کی بھرپور زندگی کو بھی ادھورا کئے ہوئے تھی؟ وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔

اسی دوران سوٹ کے مین انٹرس پہ دھیمی سی دستک کے ساتھ ایک خوش شکل چائنیز خدوخال والی لڑکی، وائٹ شرٹ اور بلیک منی اسکرٹ پہنے ہاتھوں پہ وائٹ دستانے چڑھائے ایک خوبصورت ٹرالی لے کر سوٹ میں داخل ہوئی کافی کارنر کے قریب آ کر اس نے ٹرالی روک لی اور انگلش میں مسکراتے ہوئے انہیں وہاں آنے کو کہا۔

ذوناش کافی کارنر کی جانب چلی آئی۔ اس کے پیچھے کومیل بھی جب وہ دونوں کافی کارنر کی چیئرز پہ بیٹھ گئے تو وہ لڑکی ان کے لئے کافی بنانے لگی۔

اس کے کافی سرو کرنے کے بعد ذوناش نے اس کا شکریہ ادا کیا اور جواباً وہ لڑکی اپنے پروفیشنل انداز کے ساتھ مسکراتی ہوئی واپس چلی گئی تھی۔

''ذوناش اور کومیل ایک دوسرے کے روبرو بیٹھے تھے ان کے بیچ چھوٹا سا ٹیبل تھا، جس پہ ان کے کافی کے مگ رکھے تھے ساتھ میں چند کوکیز اور چاکلیٹ ڈونٹس رکھے تھے۔ ذوناش نے مگ اٹھا کر لبوں سے لگایا اور پھر چاکلیٹ ڈونٹس توڑ کر آدھا ٹکڑا کومیل کی جانب بڑھایا۔

چاکلیٹ ڈونٹس میرے فیورٹ ہیں، لو ٹرائی کرو۔ ذونین اور میں بہت شوق سے کھایا کرتے تھے۔'' کومیل نے اس کے اپنی جانب بڑھے ہاتھ کو دیکھا اور پھر اس کے چہرے کو، جس پہ عجیب سی اداسی اتری ہوئی تھی۔ کومیل نے اس کے ہاتھ سے ڈونٹس کا ٹکڑا پکڑ لیا اور کھانے لگا اور پھر جیسے ذوناش کو اچانک کچھ یاد آیا تھا اور اس نے کومیل سے پوچھا۔

"کومیل تم اس رات اتنی رات گئے پٹرول پمپ پہ کیوں رکے تھے؟ میرا مطلب ہے تم اس ایریا میں اتنی رات کیا کر رہے تھے؟"

"میرا گھر اسی ایریا کے قریب ہی ہے میم۔ میں ان دنوں گھر آیا ہوا تھا اور ایک دوست سے ملنے کے بعد واپس گھر جا رہا تھا۔ اتفاقاً میری بائیک میں پٹرول ختم ہو گیا تھا۔ وہی ڈلوانے کے لئے رکا تھا۔" کومیل نے کافی پیتے ہوئے سرسری سے انداز میں اسے تفصیل بتائی۔

اس رات اگر تم وہاں نہ آتے تو آج میں یہاں تمہارے سامنے نہ بیٹھی ہوتی۔" ذوناش نے کافی کے ساتھ ڈونٹس کھاتے ہوئے قیاس ظاہر کیا۔

"میم آپ بار بار میرا شکریہ ادا مت کریں۔" کومیل نے انکساری سے جواب دیا۔

"تم بہت Down to Earth ہو۔ لالچی بھی نہیں ہو۔ شریف آدمی ہو اور اپنی ڈیوٹی کو عبادت سمجھ کر نبھاتے ہو اور سب سے بڑھ کر تمہاری کوئی گرل فرینڈ بھی نہیں ہے۔" آخری جملہ ذوناش نے مسکراتے ہوئے شرارت سے ادا کیا تھا۔

"تو ڈاؤٹ کومیل تم ایک بہترین انسان ہو۔" ذوناش نے اس کے چہرے اور جھکی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے اعتراف کیا۔ جواباً کومیل جھینپ کر مسکرا دیا تھا۔

"ایک بات پوچھوں تم سے؟" ذوناش کی نظریں اب بھی اس یوسف ثانی پہ مرکوز تھیں۔ اگلے ہی لمحے وہ پھر سے سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اب وہ نہ جانے اس سے کیا پوچھنے والی تھی؟

"یس میم پوچھیے۔" اس نے مروت میں کہا۔

"بائے دا وے تم اتنے سنجیدہ کیوں رہتے ہو؟ کیا تمہیں کبھی کسی نے نہیں بتایا کہ مسکراتے ہوئے تم کتنے ڈیشنگ لگتے ہو؟" ذوناش نے مسکراتے ہوئے اس سے سوال کیا تھا مگر اس سوال نے کومیل کی مسکراہٹ غائب کر دی تھی۔ وہ مسلسل اس سے بے تکلفی کی دیوار گراتی ہوئی اس کی ذاتیات میں دخل اندازی کر رہی تھی۔ اس کے لبوں سے غائب ہوتی مسکراہٹ دیکھ کر وہ پھر سے بولی۔

"آئی ڈونٹ نو، تم میری باتوں سے پریشان کیوں دکھائی دینے لگتے ہو؟ میرا مقصد تمہیں نروس کرنا ہرگز نہیں۔ یہ ایکچوئیلی میں تمہارے ساتھ ایک اچھا اور دوستانہ ریلیشن چاہتی ہوں۔ تم سے پہلے کئی گارڈز کی میں صرف اس وجہ سے چھٹی کروا چکی ہوں کہ یا تو وہ شریف آدمی نہ تھے اور یا ایک جیتے جاگتے روبوٹ بن کر مجھ پہ مسلط رہتے تھے اس طرح سے میرا دم گھٹتا ہے اور میں بہت جلد بور ہو جاتی ہوں۔ مجبوراً مجھے ان پہ کوئی الزام لگا کر انہیں جاب سے نکلوانا پڑتا ہے۔" ذوناش مگ کے کنارے پہ انگلی پھیرتے ہوئے تفصیل بتائی۔

مگر کومیل ہنوز خاموشی سے کافی پیتا رہا۔ توقف کے بعد وہ دھیرے سے بولی۔

"تمہارے ساتھ میں بور نہیں ہونا چاہتی۔ میں نہیں چاہتی کہ دوسرے تیسرے مہینے اس جاب سے تمہاری چھٹی کروا دوں۔ تمہارے ساتھ مجھے ایک عجیب سا تحفظ محسوس ہوتا ہے اور میں تمہیں کبھی خود سے دور کرنا نہیں چاہوں گی۔" ذوناش نے دھیرے سے کہتے

ہوئے ٹیبل پہ رکھے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ لیا تھا۔
جسے اگلے ہی لمحے کومیل نے کھینچ لیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ اس کی ایسی باتوں کے کیا جواب دے۔ کیا معنی نکالے اور خود کو کیا سمجھائے اور اسے کیا بتائے؟ وہ اس جاب سے بہت خوش تھا مگر ذوناش کی بے تکلفی سے بہت پریشان تھا۔
''شریف ہونا اچھی بات ہے مگر اس حد تک شریف ہونا اچھی بات نہیں۔'' اب وہ مسکراتے ہوئے کافی پینے لگی تھی۔
اور وہ نظریں چرا گیا تھا۔ وہ بہت کھلی باتیں کرتی تھی بلا جھجک شاید اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اس نے اپنی عمر کے اٹھارہ سال انگلینڈ کے آزادانہ ماحول میں گزارے تھے۔

☆......☆......☆

شام کو وہ کومیل کے ساتھ دوبئی مال میں شاپنگ کے لئے روانہ ہو گئی تھی۔ مریم خاتون کا بی پی ہائی تھا، سو وہ دوا کھا کر ریسٹ کر رہی تھیں۔ اس لئے ذوناش کے ساتھ نہیں جا سکی تھیں۔ کمال قریشی کے دوست نصیر احمد ان کے سیر و تفریح کے لئے اپنی گاڑی چھوڑ گئے تھے۔ لہٰذا ان کی مرسڈیز کومیل ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔
بلیک ڈریس پینٹ پہ وائٹ شرٹ اور شرٹ پہ بلیک ویسٹ کورٹ پہنے وہ بالی وڈ کا کوئی اسٹار لگ رہا تھا۔ ذوناش پہلے اس کی ظاہری شخصیت سے متاثر ہوئی تھی۔ مگر اس کے ساتھ رہ کر اس کے ساتھ وقت گزارتے ہوئے وہ اس کے باطن سے بھی متاثر ہو رہی تھی۔ وہ ایک بہت پر کشش اور متاثر کن مرد تھا اور ایسا پہلا مرد تھا جس کے آس پاس رہنے یا اسے اپنے آس پاس رکھنے کو اس کا دل مچلتا تھا۔ وہ خود بخود اس کی جانب راغب ہو رہی تھی۔ اس سے متاثر ہو رہی تھی۔ اس کی جانب کسی مقناطیسی کشش کی طرح کھنچی چلی جا رہی تھی۔
اور ایسا ذوناش کو اس کی زندگی میں پہلی بار محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بار بار اسے مخاطب کرتی تھی۔ اس کا بولنا اس کو سننا ذوناش کو اچھا لگتا تھا۔ اس کی بڑی بڑی گہری آنکھوں میں ایک عجیب کشش تھی، ایک چمک تھی۔
ذوناش گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھی اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی حالانکہ اسے مرسل کے بارے میں سوچنا چاہیے تھا۔ عنقریب ان دونوں کی منگنی ہونے والی تھی۔ انہیں ایک ساتھ زندگی گزارنی تھی۔ وہ اس کی زندگی کا سب سے اہم ساتھی تھا۔ وہ ساتھی جس نے کبھی بھی ذوناش کو اہمیت نہیں دی تھی۔ وہ صرف خود سے محبت کرنے والا انسان تھا۔ مرسل نے کبھی اس سے اظہار محبت نہیں کیا تھا۔ اسے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ اس کا ہونا اس کے لئے کتنا اہم ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ رشتوں میں محبت کا اظہار کس قدر ضروری ہوتا ہے۔ دل کے بند کمرے میں سانس لیتی محبت کا کیا فائدہ جو اظہار بن کر کسی کے لبوں پہ ایک مسکراہٹ تک نہ کھلا سکے؟ جن محبتوں کو اظہار کا راستہ نہ دکھایا جائے، وہ محبتیں دل کے بند کمرے کی دیواروں میں گھٹ گھٹ کر دم توڑ دیتی ہیں۔ مرسل کے لئے اس کے جذبات بھی ایسے ہی دم گھٹ کر مر گئے تھے۔ اب اس کے دل کا کمرہ خالی تھا جہاں ویرانیوں کا راج تھا۔ جہاں صرف اب خاموشیاں ہی خاموشیاں تھیں۔

مگر کومیل کو دیکھ کر نہ جانے کیوں اس کے دل کے بند کواڑ بجنے لگتے تھے۔ اندر کہیں کوئی ہلچل سی مچلنے لگتی تھی۔ اس خالی کمرے میں کھٹکا ہونے لگتا تھا۔

وہ جب سے گاڑی میں بیٹھی تھی یہی باتیں سوچ رہی تھی۔ کومیل نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے بارہا بیک مرر سے اسے دیکھا تھا جو سپاٹ چہرے کے ساتھ شیشے کے پار سڑک پہ رواں ٹریفک کو دیکھ رہی تھی۔ وہ عجیب مسٹری سی لڑکی تھی۔ کبھی بہت خوش دکھائی دیتی اور کبھی بالکل خاموشی سادھ لیتی۔

بالآخر دوبئی مال کے پارکنگ ایریا میں گاڑی لگا کر کومیل نے گاڑی سے نکل کر اس کی جانب دروازہ کھولا تھا۔

ذوناش نے یلو ڈھیلی ڈھالی شرٹ کے ساتھ بلیک منی اسکرٹ اور اسکرٹ کے نیچے بلیک نائٹ پہن رکھا تھا۔ بلیک بیگ اور بلیک شوز پہنے، وہ کسی اپسرا سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ اس نے اپنی لوز سی شرٹ کی کمر پہ بلیک لیدر کی بیلٹ باندھ رکھی تھی جس پہ وقفے وقفے سے ڈائمنڈ جڑے ہوئے تھے۔

ویک اینڈ ہونے کی وجہ سے وہاں رش بھی بہت دکھائی دے رہا تھا۔ کومیل ذوناش کے دائیں بائیں نگاہ دوڑاتے ہوئے اس کے بالکل ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ دبئی مال کے اندر کئی شاپس پہ رک کر ذوناش نے دھڑا دھڑ شاپنگ کی تھی۔

ایک شاپ میں وہ اپنے لئے مختلف برانڈ کے کپڑے خرید رہی تھی جب اس کی نظر قریب ہی ایک جیولری کاؤنٹر کے پاس کھڑے کومیل پہ پڑی تھی اور اس نے بے اختیار کومیل کو آواز دی تھی۔

''یس میم؟'' وہ اس کے قریب آیا۔

''یہ دیکھو۔ ان دونوں میں سے کون سا ڈریس مجھ پہ سوٹ کرے گا؟'' وہ نہایت بے تکلفانہ انداز میں یوں ہی اسٹائل کے ہینگرز میں لٹکے دونوں ڈریسز اس کے سامنے لہراتے ہوئے پوچھنے لگی۔ جواباً اس کا دل چاہا کہ وہ اسے بتائے، اس پہ ہر رنگ ہر ڈریس ہی سوٹ کرتا ہے جیسے وہ اس کے لئے بنا ہو۔ مگر وہ یہ بات کہہ نہیں سکتا تھا اور نہ کہنا چاہتا تھا۔

''سوری میم! مجھے لیڈیز شاپنگ کے بارے میں بالکل بھی علم نہیں ہے۔'' کومیل نے روکھا سا جواب دیا۔

''میں تمہاری مشکل آسان کرتی ہوں۔ اب بتاؤ کون سا زیادہ اچھا لگ رہا ہے مجھ پہ۔'' اس نے ہنوز بے تکلفی سے باری باری ہینگر اپنے ساتھ لگائے۔

''میم آئی سویئر، مجھے عورتوں کی شاپنگ وغیرہ کے معاملات سے بالکل بھی دلچسپی نہیں ہے۔ آئیم سوری، میں اس معاملے میں آپ کی ہیلپ نہیں کر سکتا۔'' کومیل نے شرمندہ ہوتے ہوئے جواب دیا اور جھوٹ بولا۔

''تو ابھی تم اس عورتوں والے جیولری کارنر کے قریب کھڑے کیا کر رہے تھے؟ اگر تمہیں ان معاملات میں دلچسپی نہیں تو؟''

ذوناش نے وہ دونوں ڈریسز واپس رکھتے ہوئے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا تو وہ گڑبڑا گیا۔

''تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ آئندہ مجھ سے جھوٹ مت بولنا کیونکہ تم بہت بھونڈے انداز سے جھوٹ بولتے ہو۔''

ذوناش اس کے قریب رک کر اسے سرزنش کرتی ہوئے شاپ سے باہر نکل گئی تھی اور وہ شرمندہ سا اس کے پیچھے آیا تھا۔

''Aquarium کی طرف جانا ہے مجھے۔'' اس نے کومیل کی جانب دیکھے بغیر اسے اطلاع دی۔ وہ خفا بھی بہت جلد ہو جاتی تھی۔

''اوکے میم۔'' کومیل نے مؤدبانہ انداز میں کہا اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ پھر Aquarium میں کافی دیر گھومنے کے بعد وہاں سے نکلتے نکلتے سات بج گئے تھے۔ پارکنگ میں کھڑی گاڑی میں شاپنگ بیگز رکھتے ہوئے اچانک اس نے کومیل سے کہا۔

''گاڑی کو لاک لگا کر یہیں رہنے دو۔ مجھے میٹرو بس میں بیٹھنا ہے۔''

''مگر کیوں میم؟'' وہ حیران ہوا۔

''میں عام لوگوں کی طرح عام ٹرانسپورٹ میں سفر کرنا چاہتی ہوں۔'' اس کے لہجے میں ایک حسرت چھپی ہوئی تھی۔

''اوکے۔'' وہ مسکرایا۔ اس نے گاڑی کو لاک کیا اور وہ دونوں چلتے چلتے پارکنگ سے باہر نکل آئے اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد وہ اس کے ساتھ میٹرو بس میں بیٹھی ہوئی تھی۔

کھڑکی کے پاس بیٹھی ذوناش کسی معصوم بچے کی طرح خوش ہو رہی تھی۔ اس کے لمبے اور کھلے بال ہوا سے بار بار اڑ کر اس کے ساتھ والی نشست پہ بیٹھے کومیل کے چہرے کو چھو رہے تھے۔ وہ بار بار اپنے بالوں کو سمیٹتی تھی اور اس کے بال ہوا کی شرارتوں پہ بار بار بے قابو ہو کر اسکے چہرے پہ بکھر جاتے۔

اس کے قیمتی برانڈڈ کلون اور اس کے بالوں سے آنے والی مہک کومیل کے دل کو مسحور کر رہی تھی۔ انہیں میٹرو بس میں بیٹھے ہوئے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا۔

''کومیل مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' ذوناش نے گردن موڑ کر اپنے ساتھ بیٹھے کومیل آفریدی سے کہا۔

''اوکے ہم اس بس سے اترتے ہیں۔'' کومیل نے اٹھ کر ڈرائیور کو بس روکنے کو کہا۔

میٹرو بس سے نیچے اترنے کے بعد وہ سڑک کے کنارے بنے ٹریک پہ پیدل چلنے لگے۔ یہ دوبئی کا ایک سستا سا علاقہ تھا۔

''کومیل تم دیکھو یہاں کہیں کوئی ڈھابہ ٹائپ ہوٹل ہے تو وہاں چل کر کھانا کھاتے ہیں۔'' ذوناش کی بات پہ کومیل نے ازحد حیرت سے اپنے ساتھ چلتی ہوئی اس لڑکی کو دیکھا جو اس وقت دنیا کے مہنگے ترین سیون اسٹار ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھی اور اس سے کسی سستے ہوٹل پہ کھانا کھانے کی فرمائش کر رہی تھی۔

''اگر تمہیں میری دماغی حالت پہ شبہ ہو رہا ہے تو پلیز ایسا مت سوچو میں تقریباً دنیا کے ہر فائیو اور سیون اسٹار ہوٹلز میں کھانا کھا

چکی ہوں۔سوائے کسی دیہی ڈھابے پہ دیسی کھانا کھائے ہوئے خاص چیزیں اب مجھے خاص نہیں لگتی ہیں، عام اور معمولی چیزیں زیادہ فیسی نیٹ کرتی ہیں مجھے۔" وہ کومیل کی حیرت بھانپ کر مسکراتی ہوئی اسے بتانے لگی۔

"میم آپ کی کلاس کی لڑکیاں ایسے نہیں سوچتی ہیں۔آپ کی سوسائٹی کی لڑکیوں کی خواہشیں اتنی چھوٹی نہیں ہوتیں۔پھر آپ ایسا کیوں سوچتی ہیں؟"

"تم نے ٹھیک کہا کومیل۔ہماری کلاس کی لڑکیاں اور ان کی خواہشات چھوٹی نہیں ہوتیں۔میری ہمیشہ بڑی بڑی خواہشوں کو پورا کیا گیا اور چھوٹی چھوٹی خواہشوں کو نظر انداز کیا گیا ہے۔پھر نہ جانے کب میری وہ چھوٹی چھوٹی خواہشیں بڑی بڑی خواہشات میں بدل کر میرے دل میں مسرتوں کے ڈھیر لگانے لگیں۔اب وہ بڑی بڑی خواہشات میرے لئے بے معنی ہو کر رہ گئی ہیں اور تمہیں ایک بات بتاؤں؟ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں، کاش میں ایک عام سے گھر میں پیدا ہونے والی ایک عام سی لڑکی ہوتی اور ایک عام سی زندگی گزارتی۔"

"مگر میم لڑکیاں تو ایسی شاہانہ زندگی کے خواب دیکھتی ہیں اور آپ ہیں کہ......" کومیل نے جملہ ادھورا چھوڑا۔

"ہاں لڑکیاں ایسی زندگی کے خواب دیکھتی ہیں مگر وہ غلط کرتی ہیں۔میرے پاس دنیا کی ہر آسائش ہے۔ماں نہیں ہے۔میرا باپ ایک مشہور ڈائمنڈ ڈیلر ہے۔مگر ان کے پاس میرے ساتھ وقت گزارنے کا ٹائم نہیں ہے۔میں ایک بہت بڑے بنگلے میں رہتی ہوں مگر وہاں میرا کوئی بھائی بہن نہیں ہے جس کے ساتھ میں ہنس سکوں۔بول سکوں یا دل کا بوجھ ہلکا کر سکوں۔مجھے اکثر اس وسیع وعریض گھر میں ڈپریشن کے دورے پڑتے ہیں۔میں اکثر سلیپنگ پلز لے کر سوتی ہوں۔اس گھر میں دن کی تنہائیاں مجھے ڈستی ہیں اور راتیں اکثر خوف بن کر مجھے ڈراتی ہیں۔میں کھڑے کھڑے لاکھوں کی شاپنگ کر سکتی ہوں۔مگر اپنے لئے کسی کا محبت کرنے والا دل حاصل نہیں کر سکتی۔میں اپنے لئے سکون نہیں خرید سکتی۔میں ایک ہنستی مسکراتی زندگی نہیں خرید سکتی۔" وہ اس کے ساتھ چلتے چلتے نم لہجے میں کہتی گئی۔

کومیل کو اس کی بے بسی پہ افسوس سا ہونے لگا۔مگر جواباً اسے کچھ بھی نہ کہہ سکا۔کیونکہ اس کے پاس اسے تسلی دینے کے لئے لفظ نہیں تھے۔اس کا ذوناش کے ساتھ ایسا کوئی رشتہ نہیں تھا جس کی بنیاد پہ وہ اسے تسلیاں دیتا۔

"تم کچھ کہو گے نہیں، میری باتوں سے بور ہو رہے ہو کیا؟" اس نے گردن موڑ کر کومیل آفریدی کو دیکھا جس کے چہرے پہ اب سنجیدگی سی چھا گئی تھی۔

"نہیں میم میں آپ کی باتوں سے بور نہیں ہو رہا بس افسوس ہو رہا ہے مجھے۔" اب کہ کومیل نے اپنے اندر کے سچ کو دبایا نہیں تھا۔ اس کی بات پہ ذوناش اس کے ساتھ چلتی چلتی دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

"آج کل لوگ دوسروں کے دکھوں پہ صرف افسوس ہی کرتے ہیں کیونکہ آج کل کی زندگی بھی بالکل فیس بک کی طرح ہو گئی ہے۔لوگ آپ کے مسائل اور پریشانیاں لائک کریں گے۔انہیں حل کرنے کی فرصت شاید کسی کے پاس بھی نہیں۔کیونکہ آج کل سب

اپنے اپنے مسائل اپ ڈیٹ کرنے میں مصروف ہیں۔" وہ اب اپنی ہی بات پہ مسکرانے لگی تھی۔کومیل اب خاموش ہو گیا تھا وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔ذوناش کے سچ نے اسے چپ کروا دیا تھا۔

توقف کے بعد اس نے سر اٹھایا تھا اور اس کی نظر سامنے سڑک کے پار کومیل کو ایک ڈھابہ ٹائپ انڈین ہوٹل دکھائی دیا تھا۔

"میم وہ دیکھیں سامنے ایک انڈین ہوٹل کا بورڈ دکھائی دے رہا ہے مگر وہاں تک پہنچنے کے لئے ہمیں یہ روڈ کراس کر کے جانا ہو گا۔" کومیل نے رک کر ہاتھ کے اشارے سے اسے بتایا۔

"یہ تو بہت خطرناک ہو گا۔" سڑک پہ رواں دواں ٹریفک کے اژدھام کو دیکھ کر گھبرائی اور پھر کومیل کو دیکھ کر دھیرے سے بولی۔

"بٹ ڈونٹ وری تم میرے ساتھ...... چلتے ہیں۔مگر تم میرا ہاتھ پکڑ لو۔میں نے کبھی ایسے روڈ کراس نہیں کیا۔" ذوناش نے اپنا ہاتھ کومیل کی طرف بڑھایا۔

جسے چند لمحوں کے شش و پنج کے بعد اس نے تھام لیا تھا۔اس کا ہاتھ اتنا نرم و ملائم تھا کہ کومیل کو کئی بار ایسا محسوس ہوا جیسے اس نے روئی کے کسی گالے کو تھام لیا ہو۔وہ اس کا ہاتھ تھامے دائیں بائیں دیکھتا ہوا احتیاط سے روڈ کراس کرا لایا تھا۔روڈ کراس کرتے ہی اس نے ذوناش کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔اب وہ چلتے چلتے اس انڈین ہوٹل کے اندر آ گئے تھے۔وہ ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا،جس کے اندر بیٹھنے کے لئے یہ چھوٹا سا ہال بنا دیا گیا تھا۔اس ہال میں بمشکل چھ سات چھوٹے چھوٹے ٹیبل رکھے گئے تھے۔

"میم آپ یہاں بیٹھئے۔" کومیل نے اسے ایک ٹیبل کی جانب آنے کا اشارہ کیا اور اس کے لئے چیئر ہٹائی۔ذوناش چیئر پہ بیٹھ کر مینیو کارڈ دیکھنے لگی۔

"مجھے یہ ڈشز کھانی ہیں۔مگر ضروری نہیں ہے کہ تم بھی مجبوراً میرے ساتھ یہی کھاؤ،تم اپنے لئے کچھ اور آرڈر کر سکتے ہو۔" ذوناش نے اسے اپنے مقابل چیئر گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے دیکھ کر کہا۔کومیل نے اس کے مینیو کارڈ پہ ڈشز کے اوپر رکھی انگلی کے ساتھ دیکھا۔

"آپ پالک پنیر کھائیں گی اور یہ...... دال ماش؟" کومیل کے لہجے میں حیرانگی تھی۔

"آف کورس،دیسی ڈھابے میں دیسی کھانا ہی کھاؤں گی ناں۔اب یہاں میں چائنیز یا اٹالین منگوانے سے تو رہی۔" ذوناش نے بے تکلفی سے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا۔

"اوکے میں آرڈر کرتا ہوں۔" کومیل نے مسکراتے ہوئے ویٹر کو قریب آنے کا اشارہ کیا اور کھانا آرڈر کیا اور ویٹر کے جانے کے بعد اس نے ریسٹ واچ دیکھتے ہوئے ذوناش سے کہا۔

"میم آپ مریم خاتون کو بتا دیں،ہمیں واپس جاتے جاتے دیر ہو جائے گی۔"

"ڈونٹ وری میں نے ہوٹل سے نکلتے ہوئے ممی کو بتا دیا تھا واپسی پہ ہمیں دیر ہو جائے گی۔" ذوناش نے اپنے بیگ سے اپنا

سیل فون نکال کر چیک کرتے ہوئے بتایا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد مایوس ہو کر دوبارہ سیل فون بیگ میں رکھ دیا۔

''مرسل جانتا ہے میں اس وقت دوبئی میں ہوں۔ مگر ہمیشہ کی طرح اس کی کوئی مسڈ کال یا مس یو کا میسج نہیں آیا۔'' اس نے تاسف سے کہا اور کومیل دل میں سوچنے لگا، مرسل کیسا بدذوق آدمی تھا؟ وہ جس قدر خوبصورت تھی اسے تو ایک لمحے کے لئے بھی خود سے دور نہیں کیا جا سکتا تھا مگر وہ کیسے اس حسن کی مورت سے اتنا بے گانہ رہتا تھا؟

اس کے لب خاموش تھے۔ معا ویٹر کھانے لگانے لگا۔ ٹیبل پہ صرف دو ہی ڈشز تھیں۔ پالک پنیر اور دال ماش۔ ساتھ چٹنی رائتہ سلاد اور کچھ ٹن پیک کوک تھیں۔ ذوناش نے فریش روٹی توڑ کر آدھی کومیل کی جانب بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''تم نے اپنے لئے کچھ آرڈر کیوں نہیں کیا؟''

''میں نے ضروری نہیں سمجھا میم۔'' کومیل نے اس کے ہاتھ سے روٹی لیتے ہوئے کہا۔

ذوناش نے اپنی پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے اس کی پلیٹ میں بھی ڈالا۔

''کیوں ضروری نہیں سمجھا تم نے؟'' اس نے لقمہ بنا کر منہ میں ڈالا۔

''میں کھانے میں نخرے نہیں کرتا۔ سب کچھ کھا لیتا ہوں۔'' وہ مسکرایا اور اپنے لئے لقمہ بنانے لگا۔

''گڈ پھر تو تمہاری بیوی کو خاصی آسانی رہے گی۔ تمہارے نخرے نہیں جھیلنے پڑیں گے اسے۔'' ذوناش نے ایک نظر اس پہ ڈالی۔ مگر وہ کچھ نہیں بولا۔ توقف کے بعد وہ بولا تھا۔

''میم یہاں اے سی کی کولنگ اتنی زیادہ نہیں ہے۔ آپ کو گرمی تو نہیں لگ رہی؟'' کومیل نے ٹن پیک کھول کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا۔

''سب پرفیکٹ ہے مجھے بالکل بھی گرمی نہیں لگ رہی ہے۔'' وہ کھانا کھاتے ہوئے مسکرائی۔

اس کی بات پہ کومیل کی بے ساختہ نظریں اس کے ماتھے پہ گئی تھیں جس پہ پسینے کے ننھے ننھے قطرے نمودار ہو رہے تھے۔

''پالک پنیر بہت مزے کا ہے، ہمارا کک بنگالی ہے مگر اس نے کبھی یہ نہیں بنایا۔'' ذوناش نے رغبت سے کھانا کھاتے ہوئے اسے اطلاع دی۔ اب وہ اپنی پلیٹ میں دال ماش ڈال رہی تھی۔ اس نے اپنی آدھی روٹی ختم کر لی تھی مگر کومیل کے ہاتھ میں روٹی جوں کی توں تھی۔ وہ کھانا کم کھا رہا تھا اور ذوناش کو زیادہ دیکھ رہا تھا۔

''تم کھانا کیوں نہیں کھا رہے؟ پسند نہیں آیا کیا؟'' اس نے دوبارہ روٹی توڑتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''جج...... جی...... میم...... میں کھا رہا ہوں کھانا۔'' کومیل نے دوسرا لقمہ بنایا۔ وہ امیرزادی جسے سرو کرنے کے لئے کمال پیلس میں نوکروں کی ایک فوج موجود تھی وہ امیرزادی اس کے ساتھ ایک سستے ترین ہوٹل میں بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوئے کومیل کو سرو کر رہی تھی۔

''کاش میں تمہیں کہہ سکتی کہ تم مجھے میم مت کہا کرو۔'' ذوناش نے ٹن پیک اٹھا کر لبوں سے لگاتے ہوئے اسے دیکھ کر کہا۔ جواباً کومیل اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اس کے لئے آج کا دن بہت حیران کن تھا۔

''Fantastic تھوڑی مرچیں ہیں مگر مزے کا ہے۔'' ذوناش نے قریب رکھے ٹشو کے ڈبے سے ٹشو نکال کر مرچوں کی بدولت آنکھوں میں آیا پانی صاف کرتے ہوئے تبصرہ کیا۔ ساتھ میں وہ شوں شوں بھی کر رہی تھی۔ کومیل اس کے انداز پہ مسکرا دیا۔

''آج میری ڈائٹ پلان کا ستیاناس ہو گیا ہے۔ میں نے زندگی میں کبھی ایک ٹائم میں پوری روٹی نہیں کھائی۔'' وہ خوشی سے کومیل کو بتانے لگی۔

''آپ کی صحت دیکھ کر لگتا ہے کہ آپ بہت کم کھاتی ہیں۔'' کومیل کھانا ختم کر چکا تھا، نہ جانے کیسے وہ بے تکلفی سے یہ جملہ کہہ گیا تھا۔

''میں ویک نہیں سمارٹ ہوں اور صرف زندہ رہنے کے لئے کھاتی ہوں۔'' ذوناش نے ایک بار پھر ٹشو نکالتے ہوئے اپنا ناک رگڑتے ہوئے باور کروایا تو وہ دھیرے سے سر ہلا گیا۔ اس کے لب مسکرا رہے تھے۔ جانے وہ اسے یہ اطلاع کیوں دے رہی تھی۔

اب وہ بوڑھا ویٹر برتن اٹھانے لگا تھا۔ اس کے بال اور داڑھی میں سفیدی اتر رہی تھی اور وہ شلوار قمیض پہنے ہوئے تھا۔ یقیناً وہ مسلم اور پاکستانی ہی تھا۔ ذوناش نے اپنے بیگ سے ایک بھاری رقم نکال کر اسے ٹپ کے طور پہ دی تو وہ اتنے زیادہ پیسے دیکھ کر اس آدمی کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں اور وہ ذوناش کو ڈھیروں دعائیں دینے لگا۔ اس کے ساتھ بیٹھے شخص کے ساتھ اس کی جوڑی سلامت رکھنے کی دعائیں، اس کی صحت و تندرستی کی دعائیں۔ اس کے ہاں چاند سے بیٹے کی ولادت کی دعائیں۔ وہ اس بوڑھے ویٹر کی دعاؤں سے گڑبڑا گئے تھے۔ وہ شاید انہیں میاں بیوی سمجھ رہا تھا۔ اس ہوٹل سے باہر نکلتے ہوئے کاؤنٹر پہ رک کر ذوناش نے ایک بار پھر اپنے بیگ سے اپنا والٹ نکالا تھا۔

''میم پلیز آپ باہر جائیں۔ میں پے کر کے آتا ہوں۔'' کومیل کی بات پہ اس نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''نہیں میں کرتی ہوں پے بل کہاں ہے، مجھے بتاؤ؟''

''میم آپ رہنے دیں، میں دیتا ہوں۔ بل اتنا کم ہے کہ مجھے آپ کو بتاتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے۔'' کومیل نے اپنے والٹ سے درہم نکالے، جو اس نے آنے سے قبل ہوٹل سے کرنسی چینج کروائی تھی۔

''اوکے ایز یو وش۔'' وہ مسکراتی ہوئی باہر آ گئی۔ چند لمحوں کے بعد کومیل بھی بل پے کر کے باہر آ گیا تھا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ کومیل نے سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر ٹیکسی روکی اور انگلش میں ٹیکسی والے کو برج العرب جانے کو کہا۔

ذوناش تب تک ٹیکسی میں پچھلی سیٹ پہ بیٹھ چکی تھی۔ کومیل ڈرائیور کے ساتھ اگلی نشست پہ بیٹھ چکا تھا۔ ٹیکسی اب دوبئی کی سڑکوں پہ دوڑ رہی تھی۔

کومیل کی نظروں کے سامنے ابھی تھوڑی دیر پہلے ذوناش کی دریا دلی کا وہ منظر گھوم رہا تھا جب اس نے بوڑھے ویٹر کی ایک بھاری رقم سے مدد کی تھی اور وہ کس طرح روتے ہوئے اسے ڈھیروں دعائیں دے رہا تھا اور جواباً وہ اس کے تشکرانہ انداز پہ شرمندہ سی ہو رہی تھی۔ اس کی رحم دلی نے کومیل کو متاثر کیا تھا اور اسی لئے وہ بالکل خاموش بیٹھا، اس کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک گاڑی کی پچھلی نشست سے ذوناش نے ٹیکسی ڈرائیور سے انگلش میں اس علاقے کے سب سے اچھے اور مشہور نائٹ کلب کے بارے میں پوچھا تھا۔

کومیل کے ذہن سے لفظ نائٹ کلب نے ہر سوچ بھک سے اڑا دی تھی۔ ذوناش پیچھے بیٹھی اب انگلش میں ٹیکسی ڈرائیور کو اس علاقے کے سب سے بہترین نائٹ کلب کی طرف لے جانے کو کہہ رہی تھی۔ ڈرائیور نے آگے سے ایک جگہ یوٹرن لیا اور گاڑی کو ایک دوسری سڑک پہ موڑ دیا۔

''میم آپ نائٹ کلب جاتی ہیں؟'' کومیل نے گردن موڑ کر بے یقینی سے پوچھا۔ پتہ نہیں وہ ذوناش کے منہ سے کیا سننا چاہتا تھا۔

''آف کورس، اندر کی فرسٹریشن اور ڈپریشن دور کرنے کے لئے نائٹ کلب جانا چاہیے۔ مرسل اکثر مجھے نائٹ کلب لے کر جاتا ہے۔'' ذوناش نے نہ صرف اعتراف کیا بلکہ اسے بھی مشورہ دے ڈالا۔ وہ تاسف سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ نہ جانے کیوں کومیل کو اس کے اس انکشاف پہ افسوس سا ہوا تھا۔ حالانکہ اسے بالکل بھی افسوس نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ذوناش اور مرسل کا تعلق جس کلاس سے تھا، وہاں یہ چیزیں بہت عام اور معمولی سمجھی جاتی تھیں۔

ٹھیک دس منٹ کے بعد ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی ایک نائٹ کلب کے باہر روک دی تھی۔ ذوناش نے ڈرائیور کو پے کیا اور کومیل کے ساتھ فٹ پاتھ پہ چڑھ آئی۔ سامنے نائٹ کلب کے باہر لگا بورڈ جگمگا رہا تھا۔ کومیل کا چہرہ بے تاثر تھا۔ سپاٹ تھا۔ وہ کسی روبوٹ کی طرح اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

نائٹ کلب کا اندرونی ماحول ویسا ہی تھا جیسا نائٹ کلبوں کا ہوا کرتا ہے۔ ایک طرف بار بنا ہوا تھا، جہاں لڑکے لڑکیاں ڈرنک لے رہے تھے اور کاؤنٹر پہ ہی کچھ بیٹھ کر پی بھی رہے تھے۔ قریب ہی صوفوں کی ایک لمبی لائن لگی ہوئی تھی جہاں لڑکے لڑکیاں شراب نوشی میں مصروف تھے، وہاں کا بے ہودہ ماحول دیکھ کر کومیل شرم سے پانی پانی ہو رہا تھا۔ نازیبا ماحول قیامت کی نشانی بن کر کومیل کے اوسان خطا کر رہا تھا۔

سامنے وسیع ڈانسنگ فلور تھا جہاں بلند آواز میں مشہور عرب سنگر Amr Diab کا ہٹ سونگ Elleila habibila elleila گونج رہا تھا۔ ڈانسنگ فلور پہ لڑکے اور لڑکیاں اس سونگ اور میوزک پہ تھرک رہے تھے۔

ذوناش بار کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کومیل اپنی ڈیوٹی نبھاتے ہوئے لوگوں کے ہجوم سے راستہ بناتا ہوا اسے بار تک لے آیا تھا۔ وہاں پہنچ کر ذوناش نے کاؤنٹر پہ اپنی پسندیدہ ڈرنک آرڈر کی تھی۔ کومیل مسلسل حیرت سے ذوناش کو دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے اس کے دل میں ابھرنے والے ذوناش کے حوالے سے خیالات اب دھندلے ہونے لگے تھے۔ ذوناش دونوں ہاتھوں میں گلاس پکڑے اس کی جانب پلٹی۔

''لو یہ تمہارے لئے۔'' ذوناش نے گلاس کومیل کی جانب بڑھایا۔

''میں یہ نہیں پیتا۔'' مختصرا جواب۔

''تو کوئی اور ڈرنک آڈر کر لو، جو تمہیں پسند ہو؟'' ذوناش کی بات پہ اسے نہ جانے کیوں غصہ آیا۔

''میں کسی بھی قسم کی ڈرنک نہیں پیتا۔'' دوٹوک انداز میں باور کروایا گیا۔

''اوہ ریئلی۔'' وہ مسکرائی اور لائن کے ساتھ لگے ایک خالی صوفے پہ بیٹھ گئی۔ کومیل اس کے سرہانے پروفیشنل انداز میں کھڑا ہو گیا۔

''تم کھڑے کیوں ہو؟ یہاں بیٹھ جاؤ میرے پاس۔'' ذوناش نے اپنے ساتھ صوفے پہ خالی جگہ کی جانب اشارہ کیا۔

''نو تھینکس میم۔ میں یہاں ایزی ہوں۔''

''مگر میں ایزی نہیں ہوں۔ کم آن یہاں بیٹھو۔'' اس نے گلاس اپنے قریب رکھ کر اسے بازو سے پکڑ کر زبردستی اپنے ساتھ بٹھایا۔

''یہاں لڑکیاں اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ نہیں اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ آتی ہیں۔'' ذوناش نے اپنے ساتھ مجبوراً بیٹھے کومیل کی معلومات میں اضافہ کیا اور پھر ایک گلاس اٹھا کر اس کی جانب بڑھایا۔

''لو تھوڑی سی ٹرائی کرو۔'' کومیل کا جی چاہا کہ اس کے ہاتھ سے گلاس پکڑ کر زمین پہ دے مارے۔ نہ خود پیئے اور نہ اسے پینے دے۔ مگر اسے پینے سے روکنے کا کوئی رشتہ کوئی تعلق بھی تو نہیں تھا جس کی بنیاد پہ وہ ذوناش کو روکتا۔

''میم میں نے کہا ناں میں یہ سب نہیں پیتا۔'' اب کے اس کے انداز میں نہایت بےزاریت تھی اور اس نے اپنی جانب بڑھا ہوا ذوناش کا گلاس والا ہاتھ غصے سے پیچھے کیا تھا۔ گلاس سے ڈرنک چھلک کر ذوناش کے کپڑوں پہ گر گئی تھی۔

''اسٹوپڈ مین، تمہاری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو منٹوں میں اسے جاب سے فارغ کر دیتی۔'' ذوناش نے اپنے بھیگے کپڑوں کو دیکھ کر قدرے غصے اور خفگی سے کہا، تو وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

''سوری میم!'' کومیل نے معذرت کی، ذوناش خاموشی سے ڈرنک پینے لگی۔

''کہتے ہیں مفت کی شراب قاضی بھی نہیں چھوڑتا تم کیسے مرد ہو؟ تمہیں تو مفت میں شراب کے ساتھ پلانے والی کا مفت میں ساتھ بھی مل رہا ہے؟'' ذوناش نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کرتے ہوئے اسے ذومعنی انداز میں دیکھا۔ وہ اس کے بےحد قریب بیٹھی تھی۔

''حرام چیز، مفت میں ملے یا روپے خرچ کر کے حاصل کی جائے حرام کو میں حرام ہی سمجھتا ہوں۔'' کومیل نے لب بھینچے درشتگی سے دوٹوک انداز میں کہا تو وہ مسکراتی ہوئی اس کا آدھا چھلکا ہوا گلاس اٹھا کر پینے لگی۔

وہ گلاس بھی خالی کر دینے کے بعد اب وہ جھک کر اپنے شوز اتارنے لگی۔ کومیل نے اس کو حیرت سے دیکھا۔ اب وہ نہ جانے کیا کرنے والی تھی؟

شوز اتارنے کے بعد وہ ڈانسنگ فلور کی جانب بڑھ گئی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی کومیل لوگوں کے ہجوم کو چیرتا ہوا اس کے ساتھ اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ اس کے ساتھ رہنا، اس کی حفاظت کرنا، اس کی ڈیوٹی تھی اور وہ اپنی ڈیوٹی نبھا رہا تھا۔

فاسٹ میوزک اور گانے کے بول ذوناش کو تھرکنے پہ مجبور کر رہے تھے۔ دھیرے دھیرے ذوناش پہ نشہ چڑھ رہا تھا اور وہ نشہ اپنا اثر دکھا بھی رہا تھا۔ وہ ڈانس کرتے کرتے کئی بار لڑکھڑائی تھی اور کومیل نے کئی بار اسے گرنے سے بچایا تھا نہ جانے کیوں ذوناش کے اس روپ نے اسے ہرٹ کیوں کیا تھا؟ وہ اس کا ذاتی ڈرائیور اور باڈی گارڈ تھا، اسے اس کی حفاظت کے لئے رکھا گیا تھا۔ عام لفظوں میں وہ ذوناش کا ملازم تھا۔ اس کا تعلق صرف اتنا ہی تھا۔ اس کے ساتھ۔

اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ جس سوسائٹی سے تعلق رکھتی تھی وہاں یہ چیزیں روٹین کا حصہ تھیں۔ اس کے باوجود نہ جانے کیوں اسے ذوناش کی اس حرکت پہ افسوس ہوا تھا۔ حالانکہ اس کے پاس افسوس کرنے کا بھی کوئی حق موجود نہ تھا۔ پھر بھی جانے کیوں؟ وہ بار بار اس کی حالت دیکھ کر اسے تاسف سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ہائی سوسائٹی کے والدین اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیمی اداروں میں داخل کروا کر دینی تعلیم و تربیت دینا کیوں بھول جاتے ہیں؟ انہیں دنیا کے سب سے خوبصورت مذہب اسلام کے بارے میں آگاہی کیوں نہیں دلائی جاتی؟ انہیں گناہ اور ثواب کے بیچ فرق کیوں نہیں سمجھایا جاتا؟ شاید اسی لئے اس سوسائٹی کے بچے اپنے مذہب سے یتیمی والی زندگی گزارتے ہوئے ہمیشہ خراب اور حرام چیزوں میں سکون حاصل کرتے ہیں اور اپنی زندگی اپنے ہی ہاتھوں برباد کر کے گزار دیتے ہیں۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں گم اس سے قدرے فاصلے پہ کھڑا یہ باتیں سوچ رہا تھا، جب وہ نشے میں ڈانس کرتی ہوئی یک دم اس کے قریب آئی تھی۔

”کم...... آن...... کومیل...... میرے ساتھ ڈانس کرو ناں۔ میرا کوئی پارٹنر نہیں ہے۔ آج رات یہ بھول جاؤ کہ تم میرے باڈی گارڈ ہو۔“ ذوناش نے بکھری سانسوں کے ساتھ اس کے گلے لگتے ہوئے اصرار کیا۔

”میم یہ...... یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟ پلیز پیچھے ہٹیے۔ مجھے یہ سب نہیں آتا۔“ کومیل نے گڑبڑاتے ہوئے اسے خود سے دور کیا۔

”تم بہت بورنگ انسان ہو۔“ اس نے لڑکھڑاتے ہوئے اس کے سینے پہ مکا مارا۔ وہ اب بھی اس کے سینے سے لگی کھڑی تھی۔

”میم پلیز، آپ اس وقت نشے میں ہیں۔ دور ہٹیے مجھ سے۔“ کومیل نے زچ ہو کر اس موم کی گڑیا کو پرے دھکیلا، جو اس کا ایمان خراب کرنے پہ تلی ہوئی تھی۔

”ایک خوبصورت لڑکی تمہیں اپنے ساتھ ڈانس کرنے کی آفر کر رہی ہے اور تم...... بدذوق آدمی، اسے انکار کر رہے ہو اسے خود سے دور کر رہے ہو؟ اگر میں چاہوں تو ابھی اسی وقت میرے ایک اشارے اور آفر پہ اس کلب کے تمام مرد میرے ساتھ ڈانس کرنے کے لئے بے تابی سے میری طرف لپک پڑیں گے، سنا تم نے۔“ وہ نشے میں اس کے یوں اسے خود سے دور کرنے پہ کومیل کو سخت سست سنا رہی تھی۔

”آئی ڈونٹ نو...... تت...... تم خود کو کیا سمجھتے ہو؟“

”میم آپ چلیے یہاں سے، آپ کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔“ کومیل نے اس کا بازو پکڑ کر ڈانسنگ فلور سے اترنا چاہا مگر اس نے خفگی سے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔

”ہاتھ مت لگاؤ مجھے، تم ایک فضول آدمی ہو۔ خواہ مخواہ اپنی شرافت کا ڈھنڈورا پیٹنے والے، ضرورت سے زیادہ شریف آدمی۔ یہ...... یہ شرافت تمہیں کچھ نہیں دے گی اسٹوپڈ مین۔“ وہ نشے میں اس پر برس رہی تھی اور اب لڑکھڑاتی ہوئی ڈانسنگ فلور سے خود ہی نیچے اتر آئی تھی۔ وہ کومیل کے لئے ایک آزمائش بنتی جا رہی تھی۔ چلتے چلتے وہ کئی بار لڑکھڑائی۔ کئی لوگوں سے ٹکرائی۔ وہ اس کے عقب میں لپکا۔ اس سے پہلے کہ وہ ہاتھوں میں شراب کے گلاسوں کی بھری ٹرے پکڑے بار کے ویٹر سے ٹکراتی عجلت میں کومیل نے عقب سے اسے شانوں سے تھام لیا تھا۔ اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کا ذہن مکمل طور پہ نشے میں ڈوب رہا تھا۔ اب وہ منہ ہی منہ میں دھیرے دھیرے کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ اس کا وجود جیسے اپنا بوجھ اٹھانے سے عاری ہو رہا تھا۔ کومیل نے اسے شانوں سے تھام رکھا تھا اور بار سے باہر نکل آیا تھا۔ اب وہ مکمل طور پہ مدہوش ہو کر اس پہ گر گئی تھی اور وہ بڑی مشکل سے اسے سہارا دے کر کسی ٹیکسی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ اس کی بانہوں میں تھی ہوش خرد سے دنیا سے بیگانہ۔ اس کے نفس کو جھنجھوڑتی ہوئی اس سے لڑتی ہوئی۔ اسے شکست دینے پہ اس کے نفس کو مارنے پہ تلی ہوئی۔ وہ خود تو نشے میں ڈھے گئی تھی اور اب اس کے اندر کی دنیا کو ہلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ رات کے دو بج رہے تھے خدا خدا کر کے اسے ایک ٹیکسی نظر آئی تھی جسے کومیل نے ہاتھ کے اشارے سے روک لیا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو ہوٹل جانے کا کہہ کر وہ ذوناش کو اپنی بانہوں میں لئے گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ آ بیٹھا۔

ٹیکسی ڈرائیور ہوٹل کو جانے والی سڑک پہ گاڑی ڈال چکا تھا۔ کومیل نے دھیرے سے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے اس کا سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا تھا۔ اس کے لمبے اور ریشم جیسے خوبصورت بال اس کے چہرے پہ اس کے دائیں بائیں کندھوں پہ بکھرے ہوئے تھے۔ غیر محسوس انداز سے اس نے اس موم کی گڑیا کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے اس کے چہرے پہ بکھرے بالوں کو ہٹایا تھا۔ اس کے صبیح چہرے سے نظریں ہٹانا مشکل ہو رہا تھا کومیل کے لئے۔

اس کی بڑی بڑی بند آنکھیں اور لمبی پلکیں اس کے گلابی گالوں پہ سایہ کیے ہوئے تھیں۔ اس کا ستواں ناک اور ناک میں موجود ایک باریک نقطے جیسا ڈائمنڈ کا نوز پن، چمکتا ہوا اسے اپنی نظریں نہ ہٹانے پہ مجبور کر رہا تھا۔ اس کے تراشے ہوئے خوبصورت ہونٹوں پہ لگی ریڈ لپ اسٹک اب اس کے ہونٹوں سے اوپر اپر لپ اور ٹھوڑی پہ بھی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے بے ساختہ اپنی پاکٹ سے ٹشو نکالا تھا اور اس کے ہونٹوں سے پھیلی لپ اسٹک صاف کرنے لگا۔

اس دوران ٹیکسی ڈرائیور نے ایک جگہ خالی سڑک دیکھ کر تیزی سے یوٹرن لیا تھا اور وہ ایک بار پھر کومیل کی جانب لڑھک گئی تھی اس کا سر کومیل کے کندھے پہ تھا اور وہ تقریباً اس پہ گری ہوئی تھی۔ وہ ایک عجیب سچویشن میں گھر گیا تھا۔ اس موم کی گڑیا اس ساحرہ کے وجود

سے اٹھتی مہک، اس کا نازک سا سراپا، اس کے لئے ایک سخت آزمائش بن کر اس کے نفس کو کمزور کرنے لگا تھا۔اس کی بکھری سانسیں کومیل کو اپنی گردن پہ محسوس ہو رہی تھیں۔

اس کی بے ساختہ نظروں نے اس کی خوبصورت گردن پہ موجود سیاہ تل کو دیکھا، جو مزید اس کے سوئے ہوئے جذبات کو بغاوت پہ اکسانے لگا تھا۔

اس کے کندھوں کے پیچھے حائل اپنے بازو کو کومیل نے دھیرے سے حرکت دی تھی اور بے اختیار اس کے ہاتھ کی انگلیوں نے ذوناش کی گردن پہ موجود اس سیاہ تل کو چھوا، جو اس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔

وہ مکمل ہوش وحواس میں اس کے قریب آئی تھی تو کتنی آسانی سے کومیل نے اسے دھتکار دیا تھا۔اب وہ ہوش وخرد سے بیگانہ تھی تو بھی وہ اس کے بے انتہا قریب تھی مگر اب چاہتے ہوئے بھی وہ اسے خود سے ہٹا نہیں پا رہا تھا۔اسے دھتکار نہیں پا رہا تھا۔اس کی قربت کومیل کو یک دم اتنی بھلی لگی تھی کہ وہ اپنے نفس سے لڑتے لڑتے جیسے ہارنے لگا تھا۔

اس کی نظریں ایک بار پھر اس کے حسین چہرے کا طواف کرنے لگی تھیں۔بے اختیار وہ اس کے ماتھے پہ جھک کر اپنے لبوں کی مہر لگانے لگا تھا کہ معاً اس کی پاکٹ میں اس کا سیل فون بج اٹھا تھا۔وہ جیسے ایک دم سے اپنے سیل کی رنگ ٹون بجتے ہی ہوش میں آ گیا تھا۔

اسے اپنے ہی عمل پہ ازحد شرمندگی ہونے لگی تھی اور اس نے گھبرا کر پاکٹ سے اپنا سیل فون نکالا تھا۔مریم خاتون اسے فون کر رہی تھیں۔کومیل نے کال ریسیو کی۔

''کومیل کہاں ہو تم دونوں؟ اور ذونا ڈارلنگ کا سیل فون کیوں بند ہے، ہم کب سے اسے کال کر رہا ہے مگر اس کا نمبر بند ہے۔سب ٹھیک تو ہے کومیل؟ ٹینشن سے ہمارا برا حال ہو رہا تھا'' وہ ایک ہی سانس میں بے ساختہ بولیں۔

''مریم خاتون آپ پریشان مت ہوں۔بیٹری لو ہو جانے کی وجہ سے میم کا فون بند ہو گیا ہو گا۔آپ پریشان مت ہوں میم نائٹ کلب چلی گئی تھیں۔فی الحال بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔میں انہیں لے کر آ رہا ہوں آپ بے فکر ہو جائیں۔'' کومیل نے انہیں تسلی دی اور فون بند کر دیا۔اب وہ گردن موڑے شیشے سے باہر دیکھ رہا تھا اسے اپنے آپ پر اور اپنی بے ساختگی پہ حیرت ہو رہی تھی۔وہ اپنی ہی حرکت پہ خود سے شرمندہ ہو رہا تھا۔صرف ایک لمحہ، ایک لمحہ لگا تھا اسے بہکنے میں۔اگر اس کے فون کی گھنٹی نہ بجتی تو؟ وہ اس سوالیہ نشان کے آگے کانپ گیا تھا۔وہ بے خودی میں اگر کوئی غلطی کر بیٹھتا تو کبھی خود کو معاف نہ کر پاتا۔وہ خود کو لعنت ملامت کرنے لگا شاید اس کی کوئی نیکی اس کے کام آ گئی تھی جو وہ اس کے حسن کے آگے اپنے نفس اور ضمیر کی حدود نہیں توڑ پایا تھا۔

یہ لڑکی، یہ نوکری اس کے لئے ایک بہت بڑی آزمائش بن رہی تھی۔وہ اپنی سوچوں میں الجھا بس سوچے ہی جا رہا تھا کہ گاڑی برج العرب کے سامنے رک گئی تھی۔

کومیل نے اس ٹیکسی ڈرائیور کو پے کیا تھا اور ایک بار پھر اسے سہارا دے کر اندر کی جانب بڑھ آیا تھا۔اسے پہلے کی طرح اپنے بازو میں لئے وہ لفٹ کے ذریعے اوپر آیا تھا اور اسے لے کر اپنے سوٹ کی جانب بڑھ آیا تھا۔اس نے ایک ہاتھ سے بڑی مشکل سے اپنی پاکٹ سے ایک کارڈ نکالا تھا اور سوٹ کے ڈور میں ایک خاص جگہ پہ پھیر کر دروازے کا لاک کھولا تھا۔

اور اسے ہنوز اسی طرح سہارا دیئے اندر لے آیا تھا اور اسے اس کے روم میں پہنچا کر اپنے روم کی طرف بڑھ گیا۔روم میں آ کر اپنی شرٹ اتاری تو شرٹ پہ ڈوناش کی ریڈ لپ اسٹک کے نشان تھے۔اس کے ہاتھ لاشعوری طور پہ رک گئے تھے۔لپ اسٹک کے ان نشانات میں کومیل کو اس کی قربت کے وہ پل یاد آئے جب وہ اس کے گلے آ لگی تھی۔کومیل نے اسے دور ہٹایا تھا۔پھر وہ غصے میں برس پڑی تھی اس پہ اور پھر وہ نشے میں گرتی لڑکھڑاتی ہوئی خفا ہو کر جا رہی تھی۔وہ اس کے پیچھے لپکا تھا اور باہر نکلتے نکلتے وہ ہوش وخرد کی دنیا سے بیگانہ ہو گئی تھی۔

پھر کومیل نے اسے مجبوراً سہارا دینے کے لئے اس کے گرد اپنے بازو کا حصار بنایا تھا۔اسے ٹیکسی میں بٹھایا تھا اس کے بال اس کے چہرے سے ہٹائے تھے۔اس کا منہ صاف کیا تھا اور پھر وہ ایک بار پھر اس کے کندھے سے آ لگی تھی اور اس بار کومیل نے اسے خود سے الگ نہیں کیا تھا۔

اس کی سفید اور دودھیا گردن پہ موجود سیاہ تل نے اس کے ایمان کو ڈگمگایا تھا۔اس کے ستواں خوبصورت ناک میں موجود اس ننھی سی چمکتی ہوئی ڈائمنڈ نوز پن نے اس کے نفس کو کمزور کر دیا تھا۔

اس کے وجود سے اٹھنے والی اس کے مخصوص قیمتی کلون کی مہک اس کی بے ترتیب زلفیں۔اس کی بکھری سانسیں، سب باری باری اس کی آنکھوں کے سامنے فلم کی مانند چلنے لگیں۔اب اس کے ہاتھ غیر محسوس انداز سے لپ اسٹک کے ان نشانات کو چھو رہے تھے۔اس کے دل کی کیفیت بہت عجیب ہو رہی تھی۔اس نے اپنی آنکھوں میں ابھرنے والے ان مناظر کو جھٹکا۔اپنے دل سے اس کی قربت کے خیالات کو سختی سے نکال کر خود شرٹ اتار کر صوفے پہ پھینکتے ہوئے واش روم میں گھس گیا تھا اور کافی دیر شاور لیتا رہا۔شاور لے کر اس کا ذہن کچھ فریش ہوا تھا۔

وہ سونے کے لئے اپنے بیڈ پہ لیٹا مگر آنکھیں بند کرتے ہی پھر سے کچھ دیر پہلے کے تمام مناظر کسی فلم کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے چلنے لگے تھے۔

وہ لیٹا لیٹا اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور بے ساختہ اس کا ہاتھ سائیڈ ٹیبل پہ موجود پانی کے گلاس کی جانب بڑھا تھا، جو اس نے اٹھا کر اگلے ہی لمحے ایک سانس میں خالی کر دیا تھا۔

زندگی میں پہلی بار کسی لڑکی نے اس کے دل کی دنیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔اس کے دماغ کو بری طرح جکڑ لیا تھا۔

وہ بہت عجیب قسم کی لڑکی تھی اوور ری ایکٹ کرنے والی نہ اس سے خوشی برداشت ہوتی نہ غم اور نہ غصہ۔پہلی بار وہ کسی لڑکے کے بارے میں یوں متفکر ہوا تھا، بے بس ہوا تھا۔

بالآخر اس کی بے بسی نے کومیل آفریدی سے یہ فیصلہ کروا لیا تھا کہ اسے دوبئی سے واپس جاتے ہی اس نوکری کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دینا تھا۔

اب دوبئی میں قیام کے دوران اسے اس پاگل اور ناسمجھ میں آنے والی لڑکی کی حرکتوں کو برداشت کرنا تھا۔ چند دن محض چند دن۔ فیصلہ کرتے ہی اس کا دل مطمئن ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

اگلے دن کی صبح ناشتہ کومیل نے اور مریم خاتون نے اکیلے ہی ڈائننگ ٹیبل پہ کیا تھا۔ ذوناش ابھی نہیں اٹھی تھی اور مریم خاتون نے اسے جگایا بھی نہیں تھا۔ ناشتے کے بعد وہ اپنا پسٹل لے کر نیچے اسٹڈی میں آ گیا تھا اور صوفے پہ بیٹھ کر اسے صاف کرنے لگا تھا۔

انٹرکام پہ اس نے اپنے لئے وہیں چائے منگوالی تھی۔ وہ چائے بھی پی رہا تھا اور ساتھ میں پسٹل بھی صاف کر رہا تھا جب اسے کسی کے سیڑھیاں اتر کر نیچے آنے کا احساس ہوا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر عقب میں دیکھا۔

ذوناش ڈارک بلو پاؤں تک زیادہ سے گھیر والی نائٹی میں ملبوس بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹے، ننگے پاؤں چلتی ہوئی اسی کی جانب آ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کچھ شاپنگ بیگز بھی تھے۔

''السلام علیکم میم!'' کومیل نے سر جھکائے مؤدبانہ انداز میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے سلام کیا تھا۔ پچھلی رات کا ایک ایک منظر اسے دیکھتے ہی پھر سے اس کی آنکھوں کے سامنے لہرانے لگا تھا۔

''وعلیکم السلام!'' وہ اس کے سلام کا جواب دے کر اس کے مقابل صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔

''بیٹھ جاؤ۔'' ذوناش نے اسے بیٹھنے کو کہا اور وہ خاموشی سے اپنی نشست پہ بیٹھ گیا۔

اس دوران مسلسل ذوناش کی نگاہیں اسے اپنے چہرے پہ گڑی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

''میم آپ کو کوئی کام تھا مجھ سے؟'' اس نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں کام ہے۔'' ٹانگ پہ ٹانگ رکھتے ہوئے ذوناش نے دھیرے سے کہا تو اس نے اپنی جھکی نظریں اٹھائیں۔

''کیسا کام؟''

''مجھے تم سے ایکسکیوز کرنا ہے۔'' اطمینان سے جواب دیا گیا۔

''مگر کس لئے؟'' وہ اب کے سچ میں حیران ہوا۔

''رات میں نے تم سے خاصا مس بی ہیو کیا۔'' ذوناش کی بات پہ اس کے سینے سے ایک طویل سانس خارج ہوا اس کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ ذوناش کو کیا جواب دے۔ لہٰذا اس نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا تھا۔

''میری بات کا جواب نہیں دو گے؟'' وہ متفکر ہو کر سیدھی ہو بیٹھی۔

''کچھ باتوں کے جواب نہیں دیے جاتے۔'' مختصر جواب۔

''مگر میں لینا چاہتی ہوں جواب۔ تمہاری خاموشی مجھے بہت تکلیف دے رہی ہے۔'' وہ بے چین ہوئی۔

''مگر کیوں؟ آپ کو کیوں تکلیف دے رہی ہے میری خاموشی؟'' اب کے اس نے حیرت سے ذوناش کے چہرے کو دیکھا۔

''میں نہیں جانتی اس کیوں کا جواب۔'' اس کے چہرے پہ کرب تھا۔

''میں آپ کا ڈرائیور ہوں۔ آپ کا باڈی گارڈ۔ دوسرے لفظوں میں آپ کا ملازم ہوں۔ آپ کو مجھ سے نہ ایکسکیوز کرنا چاہیے نہ میری خاموشی کو فیل کرنا چاہیے۔'' کومیل نے لفظ ڈرائیور، باڈی گارڈ اور ملازم پہ زور دیا۔

''حالانکہ تم کہیں سے بھی میرے ملازم نظر نہیں آتے۔'' وہ بے چین ہوئی۔

''نظر آنے اور ہونے میں بڑا فرق ہوتا ہے میم۔'' کومیل کا انداز دوٹوک تھا۔

''ہوتا ہوگا مگر مجھے نہیں لگتا۔'' وہ دھیرے سے بولی۔ وہ بے چین ہو کر اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''نہیں لگتا تو پلیز خود کو سمجھا لیں۔ میں آپ کا ملازم ہوں۔'' اسے اب غصہ آ گیا تھا۔

''تم بہت عجیب آدمی ہو۔ میں اس فرق کو مٹانا چاہتی ہوں اور تم ہو کہ'' وہ بھی بے ساختہ اپنی نشست سے اٹھ کر بے خودی میں کہہ گئی تھی۔ کومیل کو اس کے جملے نے گھما کر رکھ دیا تھا۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔ غصے سے اس نے لب بھینچ لیے۔ میں آپ کا ملازم ہوں مگر اس کا مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ مجھے کچھ بھی الٹا سیدھا کہیں گی اور وہ میں سنتا چلا جاؤں گا۔ آپ کو اپنے اور میرے درمیان اخلاقی حدود کا ایک فاصلہ رکھنا ہوگا اور یہ بات آپ جتنی جلدی ہو سکے سمجھ جائیں۔'' کومیل نے گویا اسے وارننگ دی تھی۔ اب غصہ واضح طور پہ اس کے چہرے سے عیاں ہونے لگا تھا اس کے لہجے سے عیاں ہونے لگا تھا۔ جواباً وہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی تھی۔

''غصہ تم پہ بہت سوٹ کرتا ہے کومیل۔ مجھے شروع سے ہی تم جیسے مرد کی تلاش تھی۔ تم جیسے ساتھ کی تلاش تھی۔ مجھے بزدل مرد بالکل اچھے نہیں لگتے۔'' ذوناش نے دھیرے سے اس کے کالر کو درست کرتے ہوئے اطلاع دی۔

''میم پلیز...... فار گاڈ سیک...... آپ پھر سے بہک رہی ہیں۔ مجھے اتنا مجبور مت کریں کہ میں ابھی اور اسی وقت اس جاب کو خیر باد کہہ دوں۔'' کومیل نے اس کا ہاتھ پرے کیا۔

''تم بہت گھمنڈی ہو۔ بہت مغرور۔ تم میں ایک عجیب کشش محسوس ہوتی ہے مجھے۔'' اس نے بے ساختگی سے کومیل کا ہاتھ تھاما۔

''میرے ساتھ ایسے اجنبی بن کر رہو گے تو مشکل ہو جائے گی میرے لئے۔''

''جسٹ شٹ اپ میم۔'' وہ نہایت غصے میں اس کا ہاتھ جھٹک کر دھاڑا۔

''کیا مسئلہ ہے آپ کا؟ آپ جو چاہتی ہیں مجھ سے وہ امپاسیبل ہے۔ سمجھیں آپ؟ مجھے یہ جاب کسی صورت قبول نہیں ہے اور اس سلسلے میں مجھے ابھی اور اسی وقت سر کمال سے بات کرنا ہوگی۔'' وہ دوٹوک انداز میں قریب ہی صوفے پہ رکھا اپنا موبائل اٹھانے لگا۔

''رک جاؤ کومیل۔ تم ڈیڈ سے بات نہیں کرو گے۔'' وہ اس کے راستے میں آئی۔

''میرا ان سے بات کرنا اب ضروری ہوگیا ہے۔'' ہنوز دوٹوک انداز تھا کومیل کا۔

''اگر تم نے یہ جاب چھوڑی تو یاد رکھنا، میں خود کو شوٹ کرلوں گی اور اس کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔'' وہ غصے اور بے بسی سے چلائی۔ وہ اس کی بات پہ ورطہ حیرت سے اسے دیکھے گیا۔ وہ ایک پاگل لڑکی کے ہاتھوں مجبور ہو رہا تھا۔

''آپ مجھے اس طرح کی فضول دھمکیاں دے کر بلیک میل نہیں کرسکتی ہیں۔'' کومیل نے موبائل پہ کمال قریشی کا نمبر ملانا شروع کیا۔

ذوناش نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ صوفے پہ رکھا گولیوں سے بھرا پسٹل اٹھا کر اپنی کنپٹی پہ رکھ لیا۔

''میں تمہیں دھمکی نہیں دے رہی ہوں۔ اس بات کا اندازہ تمہیں ابھی ہو جائے گا۔'' اس کے جنونی انداز پہ کومیل کے ہاتھ سے موبائل چھوٹ گیا تھا اور اگلے ہی لمحے اس نے پسٹل ذوناش کے ہاتھ سے جھپٹ لیا تھا۔ کومیل کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اگر وہ پسٹل چلا دیتی تو اس تو، اس تو آگے، اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا کر دیا تھا۔

''پاگل ہوگئی ہیں آپ؟ آپ کو کسی باڈی گارڈ کی نہیں سائیکاٹرسٹ کی ضرورت ہے۔'' وہ نہایت غصے میں اسے گھور رہا تھا۔

''آئی نو، مرسل بھی یہی کہتا ہے۔'' وہ دھیرے سے مسکرائی اور وہ اسے حیرت سے دیکھے گیا۔ کومیل نے واقعی اس جیسی عجیب لڑکی نہ دیکھی تھی۔ وہ میتھ کے ایک مشکل ترین سوال کی طرح تھی جس کا جواب ڈھونڈنا کومیل کو ناممکن دکھائی دے رہا تھا۔

''آئم سوری میرا مقصد تمہیں پریشان کرنا نہیں ہے۔'' ذوناش نے اس کے چہرے پہ چھائی پریشانی دیکھ کر کہا۔

''آپ جانتی ہیں کہ پریشان کرنا کسے کہتے ہیں؟'' اس کا طنزیہ انداز دیکھ کر وہ مسکرائی۔

''ہاں جانتی ہوں مگر چھوڑو، پلیز لیو دِس ٹاپک۔ میں نے تمہارے لئے کچھ کپڑے خریدے تھے میں تمہیں وہ دینے آئی تھی، یہ لو۔'' وہ ایک بار پھر دوستانہ انداز میں بیگز اٹھا کر اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

''مگر کیوں؟'' کومیل نے اچنبھے سے استفسار کیا۔

''بس میرا دل چاہا تھا۔'' دھیرے سے جواب دیا گیا۔

''اپنے دل کو سمجھا لیں وہ ایسی خواہشیں مت کرے، کچھ خواہشات انسان کو بربادی کی طرف لے جاتی ہیں۔'' کومیل نے دھیرے سے سمجھایا۔

"مگر کچھ خواہشات اتنی منہ زور ہوتی ہیں کہ چاہتے ہوئے بھی ان پہ بس نہیں چلتا۔ وہ کسی ندی نالے کے پانی کی طرح بہا کر لے جاتی ہیں انسان کو۔" اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں جواب دیا تو وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔

"میم میں یہ نہیں رکھ سکتا۔" اب کے اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"مگر کیوں؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ آپ یوں میرے لئے شاپنگ کریں۔ آپ کے پاس یہ حق صرف مرسل صاحب کے لئے ہے۔" ہنوز دوٹوک انداز میں باور کروایا گیا تھا۔ اس کی بات پہ وہ غصے میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ نہ جانے کیوں اسے کومیل پہ غصہ آجایا کرتا تھا، جس کا وہ برملا اظہار بھی کر دیا کرتی تھی۔

"تم بہت مغرور انسان ہو۔ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی خوددار میں نے تمہارے لئے یہ خریدے تھے۔ مرسل کے لئے نہیں اور آئندہ مجھے یہ بتانے کی کوشش مت کرنا کہ کون کس چیز کا حق دار ہے؟ سب معلوم ہے مجھے۔" غصے میں اس کا ستواں ناک پھول گیا تھا۔ ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے اور اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔

نہ جانے وہ کومیل پہ اپنے ایسے رویوں سے کیا اور کیوں حق جتاتی تھی؟ کومیل کا جی چاہا کہ اس سے پوچھے کیا کبھی اسے کسی نے بتایا کہ وہ غصے میں کتنی غضبناک لگتی ہے؟ غصہ اس پہ کس قدر سوٹ کرتا ہے؟

"سوری میم۔" وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"میں یہ نہیں رکھ سکتا ہوں سوری اگین۔"

"سوری مت کرو مجھ سے، غلطی میری ہے۔ ان بیگز کو اٹھاؤ اور باہر کسی ڈسٹ بن میں پھینک دو۔" وہ غصے میں اپنا جملہ مکمل کرنے کے بعد تیز تیز قدم اٹھاتی سیڑھیاں چڑھ کر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ وہ اس کا غصہ پتہ نہیں کیوں سہہ جاتا تھا۔ اس نے کبھی کسی کا غصہ برداشت نہیں کیا تھا پھر وہ غیر محسوس انداز میں شاپنگ بیگز کھول کر دیکھنے لگا۔ جن میں **Levis** اور **Mustang** کی قیمتی جینز تھیں، **Nike** اور **Marks and spencer** کی شرٹس تھیں، جنہیں خریدتے ہوئے دیکھ کر کومیل یہی سمجھا تھا کہ وہ مرسل کے لئے خرید رہی ہے۔

کومیل نے وہ شاپنگ بیگز اٹھائے اور اپنے روم میں آ گیا اور اس ساحرہ کے پل پل بدلتے رویوں اور پیاز کے پرتوں جیسی شخصیت کے بارے میں سوچتے سوچتے نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ ساری رات سو نہیں پایا تھا۔ شاید اسی لئے وہ سویا تو گہری نیند سو گیا تھا۔ اچانک اسے احساس ہوا تھا جیسے کوئی اس کے کمرے کا

دروازہ بجا رہا ہو۔ اس نے تکیہ منہ سے ہٹایا اور سیل فون اٹھا کر دیکھا وہ سائلنٹ پہ تھا اور ذوناش کی پانچ مسڈ کالز سکرین پہ آئی ہوئی تھیں۔

وہ ایک جھٹکے سے بستر سے اٹھا اور اس نے عجلت میں دروازہ کھولا۔ دروازے میں مریم خاتون کھڑی تھیں۔

''کومیل ایوننگ ہو چکا ہے۔ تم کافی دیر سے اپنے روم میں پڑا سو رہا تھا۔ تم ٹھیک تو ہے ناں؟'' مریم خاتون نے فکرمندی سے پوچھا۔

''جی مریم خاتون میں ٹھیک ہوں۔ بس گہری نیند سو گیا تھا۔ آپ کو کوئی کام تھا مجھ سے؟''

''ذونا ڈارلنگ کہیں باہر جانا چاہتا ہے۔ تم جلدی سے ریڈی ہو جاؤ۔'' مریم خاتون نے اسے اطلاع دی۔

''اوکے میں دس منٹ میں فریش ہو کر آتا ہوں۔'' کومیل نے انہیں بتایا اور واش روم میں گھس گیا اور پھر جب وہ فریش ہو کر اپنے روم سے باہر نکلا تو وہ گہرے نیلے رنگ کے سٹاکش سے ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس بالوں کی اونچی سی پونی بنا کر دائیں کندھے سے بالوں کو آگے کیے کانوں اور گلے میں ڈائمنڈ کی باریک سی جیولری پہنے گلاس وال کے قریب کھڑی سمندر کو دیکھ رہی تھی۔

''آئی ایم ریڈی میم!'' عقب سے کومیل کی آواز نے اسے پلٹنے پہ مجبور کیا تھا اور پھر اسے دیکھ کر وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔ وہ Levis کی جینز اور Nkie کی لیمن کلر کی ٹی شرٹ پہنے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''بالآخر میرے غصے نے آپ کا کام کر دکھایا۔'' وہ مسکراتی ہوئی اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

''یو آر سو ہینڈسم!''

''تھینکس میم!'' وہ بھی دھیرے سے مسکراتے ہوئے سر جھکا گیا۔

''بے بی ڈارلنگ ہم کہاں جا رہے ہیں تم بتاتا کیوں نہیں؟'' مریم خاتون اپنے کمرے سے نکل کر ان کے قریب آئیں۔

''می می آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ میں آپ کو کسی سیارے پہ نہیں لے کر جا رہی ہم Mall of the emirates جا رہے ہیں۔'' ذوناش نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا اور قریب ہی صوفے پہ رکھا اپنا شولڈر بیگ اٹھا کر کندھے پہ ڈالا۔ پھر وہ تینوں سوٹ سے نکلنے لگے تو کومیل کو جیسے کچھ یاد آیا۔

''میم وہ گاڑی تو کل دوبئی مال کی پارکنگ میں تھی؟''

''میں نے دن میں نصیر انکل کو کال کر کے گاڑی منگوائی تھی ان کا ملازم گاڑی یہاں چھوڑ گیا تھا۔'' ذوناش نے گاڑی کی چابی اس کی جانب بڑھائی اور پھر تینوں ہوٹل سے نکل کر گاڑی میں بیٹھے اور اپنے مطلوبہ مال کی طرف روانہ ہو گئے۔ پھر Mall of the emirates میں بھی اس نے ڈھیروں شاپنگ کی تھی اور وہیں انہوں نے ایک اٹالین ریسٹورنٹ میں رات کا کھانا بھی کھایا تھا۔ اس کے بعد ذوناش انہیں اسی مال کے اندر موجود Snow Park میں لے آئی تھی۔ وہاں آ کر کومیل کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی سچ مچ برفانی علاقے میں آ گئے ہوں۔

ذوناش کو SKI کا بہت شوق تھا اور ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ Snow Park میں آئی تھی اور SKI نہ کرتی؟ SKI کا Costume پہن کر جب وہ Snow Park کے اندر داخل ہوئی تو اس نے مسکرا کر کومیل اور می می کو ہاتھ ہلایا تھا اور پھر کمال مہارت سے برف پہ SKI کرتی ہوئی دیگر لوگوں کے بیچ راستہ بناتی ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

مریم خاتون کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔اسے SKI کرتے ہوئے دیکھ کر۔

''ایک وقت تھا جب ذونا بے بی اور ذونین بابا اکٹھے SKI کیا کرتا تھا۔''

''ذونین کو کیا ہوا تھا مریم خاتون؟'' کومیل نے سنو پارک کے جنگلے کے پاس اپنے ساتھ آبدیدہ سی کھڑی مریم خاتون سے پوچھا۔

''ذونین اور ذوناش جڑواں بہن بھائی تھا۔ان کی اٹھارویں برتھ ڈے والی رات ذونین بابا کا اتنا شدید ایکسیڈنٹ ہوا کہ وہ جانبر نہ ہو سکا اور ہمیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلا گیا۔تب سے ذونا ڈارلنگ ڈسٹرب رہتا ہے۔ذونین بابا سے ذونا کا بہت دوستی تھا۔دونوں بہن بھائی ایک دوسرے سے مثالی محبت کرتا تھا اور ایک دوسرے کا بہترین دوست تھا۔بچپن سے دونوں کو ماں کا پیار نہیں ملا پھر صاحب بھی اپنا بزنس سے ٹائم نکال کر ان کو ٹائم نہیں دے پاتا تھا۔اس لئے ذونین بابا کی ڈیتھ کے بعد ذونا ڈارلنگ کا مزاج بھی بدل گیا اور وہ خود کو اکیلا محسوس کرنے لگا۔تب سے وہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی Sensitive ہو گیا ہے۔ذونا بے بی دل کا بہت اچھا ہے۔بہت نرم دل ہے اور بہت رحم دل بھی۔اگر وہ بھی تم کو ڈانٹے تو اس کی ڈانٹ کا بھی غصہ مت کرنا۔ذونا کا غصہ وقتی ہوتا ہے۔''

''وہ صرف کمپنی مانگتا ہے۔مرسل بابا بھی بڑے صاحب کی طرح ہر وقت بزنس میں مصروف رہتا ہے۔وہ بھی ذونا بے بی کو ٹائم نہیں دے پاتا۔اس لئے وہ اکیلے پن کا شکار ہو کر ڈسٹرب ہو جاتا ہے اور غصہ دکھاتا ہے۔اینجلی اور پھر نہ جانے کون کون کم بخت میری ذونا بے بی کی جان کا دشمن بنا ہوا ہے،دو سال سے صاحب کو ذونا بے بی کے حوالے سے Threats مل رہا ہے اور پچھلے دنوں تو بے بی پہ قاتلانہ حملہ بھی ہو چکا ہے۔اسی لئے صاحب بے بی کی سیکیورٹی کے حوالے سے سخت پریشان رہتا ہے۔ذونا بے بی میں تو صاحب کی جان ہے۔'' مریم خاتون از حد فکر مندی سے اپنے ساتھ کھڑے کومیل کو تفصیل بتا رہی تھیں اور کومیل کا دل اس کے لئے اور نرم ہو گیا تھا۔

''ہم ہر وقت اپنے God سے بے بی کی لمبی زندگی کی دعائیں مانگتا ہے God میری ذونا ڈارلنگ کا ہمیشہ حفاظت کرنا۔'' مریم خاتون اپنے مذہب کے مطابق اپنے سینے پہ صلیب کا نشان بنا کر آنکھیں بند کئے ذوناش کی زندگی کی دعائیں مانگنے لگیں۔

انہیں ذوناش سے بہت پیار تھا۔انہوں نے ذونین اور ذوناش کو ہمیشہ ایک ماں جیسا ہی پیار دیا تھا۔

''مریم خاتون آپ God پہ بھروسہ رکھیں۔انشاء اللہ میں اللہ کے حکم کے ساتھ میم کی حفاظت اپنی آخری سانس تک کروں گا۔'' کومیل نے سچے دل سے عہد کرتے ہوئے مریم خاتون کے کندھے پہ تھپکی دی۔

اسی اثناء میں ذوناش سامنے سے برف پہ SKI کرتی ہوئی اور مسکراتی ہوئی دکھائی دی تھی۔

مریم خاتون نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اسے ہاتھ ہلایا جواباً ذوناش نے SKI کرتے ہوئے کمال مہارت سے جمپ لگایا تھا اور پھر SKI کے مخصوص انداز میں پھسلتی ہوئی خوشی سے چہکتی ہوئی ان کے قریب آ گئی تھی۔ وہ بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔

''آج میں نے بہت انجوائے کیا۔'' اس نے خوشی سے بے ساختہ مریم خاتون کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

کومیل نے جب سے اس کے ساتھ باڈی گارڈ کی جاب شروع کی تھی وہ اسے پہلی بار یوں خوش دیکھ رہا تھا۔ اس رات واپسی پہ ہوٹل جیاتے ہوئے اس نے فیصلہ سنایا تھا کہ وہ ساحل سمندر پہ جانا چاہتی ہے۔

''ذونا مائے ڈارلنگ ہم بہت تھک چکا ہے۔ تم کومیل کے ساتھ چلی جاؤ اور ہم کو ہوٹل ڈراپ کر دو'' مریم خاتون نے اسے کہا۔ ان کے چہرے سے تھکاوٹ چھلک رہی تھی۔

''می می آپ واقعی بوڑھی ہو گئی ہیں اور مجھے بالکل بھی کمپنی نہیں دیتی ہیں آپ۔'' ذوناش نے روٹھے انداز میں اظہار کیا۔ کومیل نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے بیک مرر سے اس کی خفگی دیکھی وہ غصے اور خفگی میں اور بھی حسین لگتی تھی۔

''تو ہم نے کون سا کہا ہے کہ ہم جوان ہے۔ ہم تو اعتراف کرتا ہے کہ اب ہم بوڑھا ہو گیا ہے۔'' مریم خاتون نے پیار سے اسے خود سے بھینچ لیا۔

''کومیل ہے ناں بے بی تمہارے ساتھ، آئم شیور یہ تمہیں بور نہیں ہونے دے گا۔ کیوں کومیل ہم سچ کہہ رہا ہے ناں؟'' مریم خاتون نے مسکراتے ہوئے اسے تسلی دی اور خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتے کومیل سے پوچھا، تو وہ بھی مسکراتے ہوئے سر ہلا گیا تھا۔

''جی مریم خاتون۔'' اور پھر کومیل نے انہیں سمندر کے بیچ واقع سیون اسٹار ہوٹل برج العرب ڈراپ کر دیا تھا اور وہ گاڑی واپس موڑ کر اسی سمندر کے ساحل پہ لے آیا تھا۔

رات کے دس بج چکے تھے۔ ساحل سمندر پہ ہوا خاصی تیز چل رہی تھی۔ کومیل نے اپنی جینز کے پائنچے فولڈ کر لئے تھے۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

ہوا سے اس کے بال بار بار بکھر رہے تھے اور وہ بار بار انہیں چہرے سے ہٹا رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ایک ٹرانس کی کیفیت میں بتانے لگی۔

''مرسل مجھے کبھی کسی بیچ پہ لے کر نہیں آیا۔ اس نے کبھی مجھے کسی مال میں شاپنگ نہیں کروائی۔ اس نے کبھی شوق سے میرے ساتھ ٹائم نہیں گزارا اسے بالکل نہیں معلوم کہ مجھے کیا پسند ہے اور کیا ناپسند۔ اسے بالکل نہیں معلوم کہ مجھے کیا چیزیں خوشیاں دیتی ہیں اور کیا چیزیں ہرٹ کرتی ہیں؟ میرا فیورٹ کلر کون سا ہے۔ میں کھانے میں کیا شوق سے کھاتی ہوں؟ اسے میری پسند اور ناپسند کا کوئی آئیڈیا نہیں ہے اور ڈیڈ نے اسے میرے لائف پارٹنر کے طور چنا ہے اور یہ میری زندہ زندگی کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے کہ مرسل مجھ میں ایک رتی بھی

انٹرسٹ نہیں لیتا ہماری کیمسٹری آپس میں بالکل کبھی نہیں ملتی۔'' ذوناش کی نظریں وسیع سمندر پہ مرکوز تھیں۔ وہ دھیرے سے اپنے ساتھ چلتے کومیل کو بتا رہی تھی۔ اس کے لہجے میں بے پناہ دکھ تھا۔ کومیل کو بھی اس کی باتیں سن کر دکھ ہوا تھا۔

''مجھے اکثر حیرت ہوتی ہے میم کہ مرسل صاحب آپ جیسی خوبصورت لڑکی میں انٹرسٹ کیوں نہیں لیتے؟ کوئی بھی شخص آپ کو دیکھ کر با آسانی آپ کی محبت میں گرفتار ہو سکتا ہے کیونکہ آپ بہت خوبصورت ہیں۔'' کومیل نے اس کی ہمدردی میں بالکل عام سے لہجے اور دوستانہ انداز میں اعتراف کیا تھا مگر ذوناش اس کے عام سے لہجے اور ہمدردی میں ادا کی گئی خاص بات سن کر رک گئی تھی اور مجبوراً کومیل کو بھی رکنا پڑا تھا۔ اس نے حیرت سے ذوناش کو دیکھا تھا کہ وہ جانے کیوں رک گئی تھی؟ مگر وہ اس کو مسکراتے چہرے اور گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''کیا واقعی کوئی بھی شخص میری خوبصورتی سے متاثر ہو کر با آسانی میری محبت میں گرفتار ہو سکتا ہے؟ میرا دیوانہ بن سکتا ہے؟''

''یس میم، میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' وہ جیسے اپنے ہی جملے پہ جز بز سا ہو رہا تھا۔ بے ساختگی اور ہمدردی میں وہ جانے کیسے اس کی تعریف کر گیا تھا؟

''اگر سچ ایسا ہے تو میں چاہوں گی تم میری محبت میں گرفتار ہو جاؤ۔ تمہیں مجھ سے عشق ہو جائے لازوال عشق۔'' ذوناش نے آنچ دیتے ہوئے لہجے میں اس کے ہاتھ تھام لئے تھے۔

''تم میں ایک مقناطیسی کشش ہے کومیل۔ ایک ایسی کشش جو خود بخود مجھے تمہاری طرف کھینچتی ہے۔ تم میرے آس پاس رہتے ہو تو مجھے اچھا لگتا ہے۔ تمہاری کمپنی مجھے دلی سکون اور خوشی دیتی ہے۔ تمہارے ساتھ رہ کر مجھے کسی قسم کا کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا۔ میں ریلیکس فیل کرتی ہوں تمہارے ساتھ۔''

''تم...... تم اچھے لگتے ہو مجھے اور یہ پسندیدگی روز بہ روز بڑھتی جا رہی ہے نہ جانے کیوں؟'' وہ فرط جذبات میں اس کے مقابل کھڑی اس کے لئے محبت ہی محبت تھی کوئی اور مرد ہوتا تو یقیناً اس سچویشن میں خوشی محسوس کرتا اور جواباً اظہار محبت کرتا۔ اس کے جذبات کو سراہتا۔ اس کی دکھ میں ڈوبی ہوئی باتیں سن کر چند لمحوں کے لئے کومیل کا دل نرم ہوا تھا۔

''تم میں ایک مقناطیسی کشش ہے کومیل۔ ایک ایسی کشش جو مجھے خود بہ خود نہ چاہتے ہوئے بھی تمہاری طرف کھینچتی ہے تم...... تم میرے آس پاس رہتے ہو تو مجھے اچھا لگتا ہے۔ تمہارے ساتھ مجھے تحفظ کا احساس ہوتا ہے۔ تم...... تم میری ضرورت بنتے جا رہے ہو میری عادت بنتے جا رہے ہو۔ مجھے ایسا لگتا ہے میری پسندیدگی کا یہ راستہ ایک دن مجھے تمہاری محبت میں مبتلا کر دے گا۔ ایسی محبت جہاں سے واپسی میرے لئے ناممکن ہو جائے گی۔'' وہ دیوانگی میں اپنے دل کا حال اس پہ عیاں کر رہی تھی۔

''پلیز اسٹاپ اٹ آپ پھر سے انتہائی فضول باتیں کر رہی ہیں۔'' کومیل نے نفرت اور غصے سے اس کے ہاتھ جھٹکے۔ اسے ایسا

لگ رہا تھا جیسے کوئی خوبصورت آسیب اسے چمٹ گیا ہو۔

"کومیل یہ فضول باتیں نہیں ہیں۔ یہ میرے دل کی گواہی ہے تم...... تم مجھے اچھے لگنے لگے ہو" وہ دیوانہ وار اسے بتا رہی تھی۔ اس کی نظروں میں کومیل کے لئے محبت تھی۔

کومیل کی جگہ کوئی اور مرد ہوتا تو اس سچویشن میں یقیناً بہت خوشی محسوس کرتا۔ اس کے جذبات کو سراہتا۔ خوشی سے پھولا نہ سماتا۔

ایک حسین ترین اور دولت مند لڑکی، کومیل سے محبت کا اظہار کر رہی تھی۔ مگر وہ کوئی اور مرد نہیں تھا۔ وہ کومیل آفریدی تھا۔ وہ اپنی حدود اس کے اور اپنے بیچ فرق، حیثیت اور مرتبے کو بخوبی سمجھتا تھا۔

نہ کبھی ایسی فیلنگز میرے دل میں جنم لے سکتی ہیں۔ آپ میری مالکن ہیں میں آپ کا ملازم ہوں اور بس۔ اس بات کے آگے آپ فل سٹاپ لگا دیں۔ یہی میرے اور آپ کے بیچ کی حقیقت ہے سچ ہے۔" کومیل نے اب کے اسے غصے کی بجائے پیار سے سمجھانا چاہا تھا۔

"کومیل تمہارے اندر مجھے اپنی زندگی دکھائی دیتی ہے۔ تم...... تم میرے خوابوں میں آنے والے سپر ہیرو ہو۔ میرے آئیڈیل ہو تم۔ تم پہلی نظر میں ہی میرے دل میں گھر کر گئے تھے۔ تم میری زندگی میں آنے والے پہلے مرد ہو جس کے آگے میں خود کو بے بس محسوس کرتی ہوں۔ تمہارے لئے میرے دل میں جو فیلنگز ہیں وہ تم سے پہلے کبھی کسی مرد کے لئے بیدار نہیں ہوئیں۔ آئی سوئیر کومیل میں سچ کہہ رہی ہوں۔" ذوناش رو دینے کو تھی۔

"اور میں چاہتی ہوں میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں۔ تمہاری بن کر۔" وہ اس کے بے حد قریب آتے ہوئے بے ساختگی سے بولی۔ اس وقت وہ ہذیانی کیفیت میں تھی۔

"آپ کا دماغ خراب ہو چکا ہے۔ آپ کس مٹی سے بنی ہوئی ہیں۔ کیوں آپ کو میری بات سمجھ نہیں آ رہی۔ میں کتنی بار آپ کو سمجھاؤں کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز بلند ہو گئی تھی۔

"کیوں ممکن نہیں ہو سکتا؟ سب کچھ ممکن ہو سکتا ہے اگر تم چاہو تو۔" ذوناش ہنوز اپنی بات پہ قائم تھی۔ وہ اس وقت ایک ٹرانس کی کیفیت میں تھی۔ اب اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے۔ اس کی ڈھٹائی نے کومیل کا دماغ خراب کر دیا تھا۔

"آپ نہ میری منزل ہیں نہ میری آئیڈیل۔ میرے جیسے شخص کی زندگی کا کوئی راستہ آپ تک نہیں جاتا۔ آپ کی منزل مرسل قریشی ہے۔ کومیل آفریدی نہیں۔ میں ایک معمولی سا انسان ہوں خدارا مجھے اتنے بڑے اور کٹھن امتحان میں نہ ڈالیں۔ آپ مجھے مسلسل گمراہ کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ مجھے ایک ایسے راستے پہ قدم رکھنے پہ اکسا رہی ہیں جس پہ قدم رکھتے ہی سوائے بربادی کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ مجھے میری ڈیوٹی ایمانداری سے نبھانے دیں اور بخش دیں مجھے۔ آپ کے ساتھ ڈیوٹی نبھاتے ہوئے مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں کسی پل صراط پہ چل رہا ہوں۔ اس جاب کو میرے لئے ایک بھیانک غلطی مت بنائیں اور معاف رکھیں مجھے اپنے عشق اور محبت سے۔" غصے اور طیش

سے کومیل کا سانس پھول گیا تھا۔ وہ تنگ آ گیا تھا اس کی ایسی باتوں سے اور پھٹ پڑا تھا۔ چیخ اٹھا تھا۔ اس کے کیریئر میں آج تک ایسی سچویشن سے اس کا واسطہ نہ پڑا تھا کومیل کو حقارت اس کا غصہ، اس کے دوٹوک الفاظ اس کی آنکھوں سے آنسو بن کر بہنے لگے تھے۔

اس کا رویہ، اس کا انداز، اس کی دھتکار، ذوناش کے لئے بہت انسلٹنگ تھی۔ جان لیوا تھی۔ ایسی بے بسی ذوناش نے کبھی زندگی میں محسوس نہ کی تھی۔ آنسوؤں سے اس کا چہرہ بھیگ رہا تھا۔

"But you are my favouriate mistake. میں سمجھتی تھی مرنے کے لئے زہر کی ضرورت ہوتی ہے مگر نہیں۔ کبھی کبھی کسی کی حقارت، کسی کا غرور، کسی کے جملے ہی انسان کی جان لے لیتے ہیں اور جانتے ہو یہ موت بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ I am he biggest fool of this world تم ایک پتھر ہو، گھمنڈی ہو، مغرور ہو۔ میں نے ایک ایسے شخص سے محبت کی بھیک مانگی جس کی جیب ان سکوں سے خالی ہے۔ ایسی التجا اگر میں نے مرسل سے کی ہوتی تو اس کا کٹھور دل بھی نرم ہو جاتا۔ مگر نجانے کیوں میں اپنی انا کو اپنے پیروں تلے روند کر تمہارے آگے کیوں گڑگڑائی؟ تم سچ کہتے ہو تمہاری زندگی کا کوئی راستہ مجھ تک نہیں آتا۔ میری منزل مرسل قریشی ہے۔ کومیل آفریدی نہیں پھر کیوں میں بھٹک کر تمہارے پاس آئی کیوں؟" ذوناش کی آواز دکھ، حیرت اور افسوس سے کانپ رہی تھی۔ اس کے لئے یہ سب کچھ انتہائی انسلٹنگ تھا۔ اس نے ایک ناسمجھ اور ضدی بچے کی طرح زندگی کے بازار میں سے ایک ایسا کھلونا مانگ لیا تھا جو اس کے لئے نہیں بنایا گیا تھا۔

"I can not bear this. You insulted me a lot. تم نے میری ہی نظروں سے گرادیا ہے۔ میں آئینہ دیکھوں گی تو وہ مجھ پہ ہنسے گا میرا مذاق اڑائے You insulted me a lot." وہ ہذیانی انداز میں بولتی ہوئی اس کے سامنے سے ہٹ گئی تھی اور تیز تیز قدموں سے دور جا رہی تھی۔ اس کے آنسوؤں نے کومیل کے قدم وہیں جکڑ لئے تھے۔ اس کے آس پاس ذوناش کے الفاظ اس کے جملے گونج رہے تھے۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے ہاتھ پاؤں رسی سے باندھ کر اسے سمندر میں پھینک دیا ہو۔ ایسی بے بسی کومیل نے بھی کبھی زندگی میں محسوس نہ کی تھی۔ اس کے قدم وہیں جمے ہوئے تھے مگر اس کا دل اب دھیرے دھیرے دھڑک رہا تھا اسے اکسا رہا تھا کہ وہ ذوناش کا ہاتھ تھام لے۔

ذوناش کے احساسات کا قتل عام تو گزشتہ دو سال سے ہو رہا تھا مگر وہ اتنی ہرٹ کبھی نہیں ہوئی تھی، جتنی وہ آج ہوئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار دنیا کی ہر نعمت اور ہر آسائش ہونے کے باوجود اس نے کسی بھکاری کی طرح کومیل آفریدی سے محبت کی بھیک مانگی تھی اور اس نے ذوناش کو بری طرح سے دھتکار دیا تھا۔ اس کا کشکول اٹھا کر پٹخ ڈالا تھا۔

اس نے زندگی میں کبھی خود کو اتنا حقیر نہیں جانا تھا، جتنا کومیل کے دھتکارنے پہ آج اسے محسوس ہوا تھا۔ پہلے دن وہ اس کی ظاہری شخصیت سے متاثر ہوئی تھی۔ پھر وہ ان کی باطنی شخصیت کے سحر میں گرفتار ہو گئی تھی۔ کومیل ہی حقیقی معنوں میں اس کا آئیڈیل تھا اسے کومیل

اچھا لگتا تھا۔ اس میں تھا ہی کچھ ایسا مختلف کہ وہ اس کی جانب کھنچتی چلی گئی تھی۔ نہ جانے وہ اس کے ساتھ رہتے رہتے کب اس کے لئے اتنا اہم ہو گیا تھا؟ اتنا خاص ہو گیا تھا؟ وہ رومانٹک موویز ضرور دیکھا کرتی تھی اور رومانٹک ناولز بھی پڑھا کرتی تھی مگر اس نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس کی زندگی میں بھی کوئی ایسا موڑ آئے گا جب وہ خود کسی مرد سے محبت کا اظہار کرے گی اور جواباً وہ اتنے تلخ انداز میں اتنی سختی سے اس کی انسلٹ کرتے ہوئے اسے دھتکار دے گا۔ اسے اور اس کی محبت کو بے مول کر دے گا۔ اس سے اپنی بے عزتی برداشت نہیں ہو رہی۔ وہ ایک مکمل حسن کا پیکر تھی، جس شخص کو زبردستی اس کی زندگی میں شامل کیا جا رہا تھا اسے بھی ذوناش میں دلچسپی نہ تھی اور جس شخص کی زندگی میں وہ خود بخود زبردستی شامل ہونا چاہتی تھی اس کو بھی گویا ذوناش میں کوئی انٹرسٹ نہ تھا۔

وہ اس زندگی سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہتی تھی جس زندگی میں اسے کوئی چاہنے والا ہی نہ تھا۔ وہ گھٹ گھٹ کر مرنے کی بجائے ایک ہی بار مر جانے کے بارے میں سوچ رہی تھی اور شاید فیصلہ بھی کر چکی تھی۔

وہ دیوانہ وار سمندر اندر جا رہی تھی۔ اسے اپنا آپ بے مول لگ رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ اس دنیا کی سب سے بدصورت اور حقیر لڑکی ہو، وہ ہر ایک سے محبت کی بھیک مانگتی تھی اور ہر کوئی اسے دھتکار دیتا تھا۔

جب انسان خود مر رہا ہو تو اسے اپنے مرنے والے بھی یاد آتے ہیں۔ اسے آج اپنی ماں مہرین قریشی بھی شدت سے یاد آئی تھیں اور اسے آج ذونین قریشی بھی بے پناہ یاد آ رہا تھا۔

رات اپنا تاریک آنچل اوڑھ چکی تھی۔ وہ ساحل سمندر کے جس حصے میں تھی وہاں رش نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس لئے کسی کی بھی نظر اس پہ نہ پڑی تھی۔ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہ تھی۔ اگر ہوتی تو اتنا بڑا قدم نہ اٹھاتی۔ اسے اپنے سامنے سمندر کی ایک بہت بڑی لہر آتی دکھائی دی۔ ذوناش نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ چند لمحوں میں اس کی کہانی سمندر کے اندر چھپی ان گنت کہانیوں میں شامل ہونے والی تھی۔

اس سے پہلے کہ سمندر کی وہ لہر اسے اپنے ساتھ بہا کر لے جاتی کومیل نے نہایت پھرتی سے عقب سے آ کر اسے خود سے بھینچ لیا تھا۔ سمندر کی دو بڑی اور تیز لہروں نے ان دونوں کو لڑکھڑا کر گرنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ کومیل نے اسے مضبوطی سے بھینچ رکھا تھا۔ کچھ لمحے وہ غائب دماغی سے اس صورتحال کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔ پانی کی لہر واپس جا چکی تھی۔ کومیل نے خود کھڑے ہو کر اسے شانوں سے تھام کر اٹھایا تھا۔ دونوں پانی سے بھیگ چکے تھے۔ وہ غصے میں اس پہ برسنے لگا۔

''یہ کیا حرکت تھی آپ کی؟ کیا کرنے جا رہی تھیں آپ؟ بہت شوق ہے آپ کو مرنے کا؟ اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو؟ اگر میں بروقت آپ تک نہ پہنچتا تو...... تو نہ جانے کیا سے کیا ہو جاتا۔ آپ کو احساس ہے اس بات کا؟'' اب وہ اسے شانوں سے پکڑ کر نہایت غصے میں جھنجھوڑ رہا تھا اور تقریباً اس پہ چیخ رہا تھا۔

''چھوڑو مجھے۔ کیوں بچایا ہے تم نے مجھے۔'' اس نے کومیل کے ہاتھوں کو جھٹک کر چلاتے ہوئے پوچھا۔

"تم کون ہوتے ہو مجھے میرے کسی بھی قول وفعل کے بارے میں روکنے والے؟"

"آپ کی حفاظت کرنا میرا فرض ہے۔ میری ذمہ داری ہیں آپ۔ اپنی جان سے بڑھ کر آپ کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے میں نے کمال صاحب سے۔"

"تو آج میں تمہیں تمہاری اس ذمہ دارری سے آزاد کرتی ہوں۔ مت نبھاؤ تم اپنے فرائض، چلے جاؤ واپس اور چھوڑ دو مجھے میرے حال پہ، دفع ہو جاؤ۔" ذوناش نے چیختے ہوئے اسے دھکا دیا اور ایک بار پھر وہاں سے سمندر کی سمت بھاگنا چاہا۔

مگر اگلے ہی لمحے کومیل نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا اور وہ اس کے سینے سے جا لگی تھی۔ وہ غصے اور بے بسی سے ہانپ رہا تھا۔

"میں نہیں چھوڑ سکتا آپ کو آپ کے حال پر۔ خدارا میری حالت پہ رحم کریں۔ اپنے ساتھ ساتھ آپ مجھ پہ بھی ظلم کر رہی ہیں کیوں؟ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟ پلیز ایسا مت کریں میم! اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو، تو میں کبھی خود کو معاف نہ کر پاتا۔" کومیل کے لہجے میں نمی تھی۔ وہ اسے پہلی بار اپنی مرضی اور اپنی رضا سے خود سے بھینچے ہوئے تھا۔ اس کی آواز بے بسی سے دکھ اور پریشانی سے کانپ رہی تھی۔ سمندر کی چھوٹی چھوٹی لہریں اب ان دونوں کے گھٹنوں کو چھو کر واپس جا رہی تھیں۔ وہ گویا ہیروں کی ایک کان تھی جس سے آسانی سے فلرٹ کر کے کومیل اپنے جذبات کی تسکین کے ساتھ ساتھ مالا مال ہو سکتا تھا مگر اس کا ضمیر زندہ تھا۔

"میں اس دنیا کی سب سے معمولی لڑکی ہوں اور غیر اہم بھی، جس کے نصیب میں سب کچھ ہے سوائے محبت کے۔ شاید میں محبت کے قابل ہی نہیں ہوں۔ انسان جس چیز کی خواہش کے پیچھے بھاگتا ہے، وہ چیز اس سے اتنی ہی دور کر دی جاتی ہے۔ چھوڑ دو مجھے کومیل، کیوں بچایا ہے تم نے مجھے۔" وہ بری طرح سے روتی ہوئی اس کی گرفت میں مچل رہی تھی اور اس سے الگ ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے دکھ کے ساتھ ساتھ کومیل پہ بے انتہا غصہ بھی آ رہا تھا۔ کومیل نے اس کی کوشش کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک ٹرانس کی کیفیت میں دھیرے سے اس کو خود سے مزید بھینچ لیا تھا۔

"میم آپ اس دنیا کی سب سے خاص لڑکی ہیں۔ کون کافر ہے جو آپ کو خود سے دور کرنا چاہتا ہے۔ آپ محبت کی مٹی سے بنی اس دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی ہیں اور آپ کو چاہے جانے کے لئے ہی بنایا گیا ہے۔ مگر پلیز میم! آپ مجھ سے محبت مت مانگیے۔ میرے اور آپ کے درمیان Status کی لمبی اور اونچی اونچی دیواریں کھڑی ہیں۔ میری اور آپ کی حیثیت میں ہر لحاظ سے زمین اور آسمان جیسا فرق ہے۔" وہ دھیرے دھیرے اسی ٹرانس کی کیفیت میں پیار سے اسے سمجھا رہا تھا۔

"تم یہ دیواریں بڑی آسانی سے توڑ سکتے ہو کومیل۔ میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں پھر ڈر کیسا کومیل؟" وہ بھیگے چہرے کے ساتھ بے تابی سے پوچھ رہی تھی۔

''میں یہ دیواریں نہیں توڑ سکتا میم۔ میں امانت میں خیانت نہیں کر سکتا۔'' کومیل کا انداز ہنوز بے بسی لئے ہوئے تھا۔

''کون کہہ رہا ہے تمہیں امانت میں خیانت کرنے کو؟ ہم جائز اور شرعی طریقے سے نکاح کریں گے...... میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں کومیل۔'' ذوناش اب بھی اپنی بچگانہ ضد پہ قائم تھی۔ کومیل نے بے چینی کے عالم میں اسے خود سے الگ کر دیا تھا۔

''میم پلیز...... پلیز...... مجھ سے ان سب کاموں کی توقع مت کریں میں یہ نہیں کر سکتا۔ آپ خوابوں کی دنیا سے نکل کر حقیقت کی نظروں سے دیکھیں۔ آپ کی منگنی ہونے والی ہے آپ کے کزن سے۔ میں آپ کا ذاتی ڈرائیور اور باڈی گارڈ ہوں۔ آپ کا محافظ ہوں۔ اگر آپ کو مجھ سے سچ مچ محبت ہے تو مجھ سے وعدہ کریں، آپ اپنے اور میرے بیچ آئندہ اس محبت کو بھی نہیں لائیں گی۔ آئندہ آپ کبھی اس طرح اموشنل ہو کر خود کو نقصان نہیں پہنچائیں گی، ورنہ...... ورنہ میں یہ جاب چھوڑ دوں گا۔'' آخری جملہ کومیل نے فیصلہ کن انداز میں کہا تو وہ ہنوز بے بسی سے اسے چند لمحے دیکھتی رہی اور پھر آہستگی سے بولی۔

''اتنے بڑے عہد و پیمان مت لو مجھ سے کومیل۔ یہ محبت بڑی ظالم چیز ہے دیمک بن کر کھا جائے گی مجھے۔'' اس کی آواز میں نمی تھی اور آنکھوں میں آنسو۔

''میم آپ کو مجھ میں وقتی کشش محسوس ہو رہی ہے۔ آپ اس وقت جذباتی ہو رہی ہیں اسی لئے، اس وقتی کشش کو محبت کا نام دے رہی ہیں آپ۔'' کومیل اسے کسی بچے کی طرح مسلسل بہلا رہا تھا۔

''کومیل میری محبت کو وقتی کشش کا نام مت دو۔ تم نے کسی سے محبت کی ہوتی تو تمہیں معلوم ہوتا، محبت کس طرح انسان کی انا اور Self Respect کو نگل کر اسے ایک بھکاری بنا دیتی ہے۔'' وہ ایک بار پھر رو پڑی تھی۔ نہ جانے کیوں، کب اور کیسے اس کے سامنے کھڑا شخص اس کی زندگی بن گیا تھا۔ اس کی ضرورت بن گیا تھا۔ اس کی عادت بن گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر بے بسی سے رو پڑی تھی۔

''مان لیا کہ آپ کو مجھ سے محبت ہو گئی ہے۔ پلیز آپ کو اس محبت کا واسطہ اگر آپ مجھے اپنے سامنے اپنے آس پاس دیکھنا چاہتی ہیں تو آپ کو اس محبت کو اپنے دل سے نکالنا ہوگا۔'' وہ اب بھی اپنی بات پہ قائم تھا۔ وہ ہنوز اسی بھیگی آنکھوں اور بھیگے چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم بہت ظالم ہو کومیل۔ میری محبت کی یہ بے بسی ایک دن تم کو بھی ایسے ہی بے بس کرے گی۔ انتقام لے گی یہ محبت تم سے دیکھ لینا تم۔'' وہ نم لہجے میں کہتی ہوئی مڑ گئی تھی۔

''میم پلیز...... چیئر اپ اینڈ لیو دس ٹاپک...... ہم...... ہم ایک اچھے دوست بن کر بھی تو ہمیشہ ساتھ رہ سکتے ہیں ناں؟ محبت کو اپنی زندگی سے نکال کر۔'' وہ اسے کسی بچے کی طرح بہلاتے ہوئے بول رہا تھا، جیسے کسی روتے ہوئے بچے کو چاکلیٹ دے کر بہلایا جاتا ہے۔

''کیا ہر وقت میرے قریب رہ کر مجھ سے دور رہنے کی سزا دیتے رہو گے مجھے؟ کومیل یہ سزا بہت تکلیف دے گی مجھے۔'' ذوناش

کے لہجے میں اب بھی نمی تھی البتہ اس کے آنسو اب تھم گئے تھے۔

''میم میں اب بھی اپنی اس بات پہ قائم ہوں۔آپ مجھے اپنے سامنے اور اپنے قریب دیکھنا چاہتی ہیں کہ نہیں؟ میں ایک دوست بن کر ہمیشہ آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں مگر محبوب بن کر نہیں۔ میں دوستی کا ہاتھ آپ کی جانب بڑھا رہا ہوں، اسے تھامنا چاہتی ہیں تو تھام لیجئے ورنہ میں صبح اس نوکری سے ریزائن دے دوں گا۔'' ذوناش نے اس کا اپنی جانب بڑھا ہوا ہاتھ دیکھا اور تلخ انداز میں مسکرائی۔

''مجھے بچا کر تم میرے لئے ایک اور بھیانک موت تجویز کر رہے ہو۔اگر تم مجھے اسی طرح گھٹ گھٹ کر مرتا ہوا دیکھنا چاہتے ہو تو ایسے ہی سہی۔'' ذوناش نے اس کے پھیلے ہاتھ پہ اپنا کانپتا ہوا ہاتھ رکھ دیا تھا کیونکہ سچ یہی تھا۔وہ اس دشمن جاں کو ہر وقت ہر لمحہ اپنی نظروں کے سامنے دیکھنا چاہتی تھی اسے اپنے آس پاس دیکھنا چاہتی تھی۔

کومیل نے اس کا ہاتھ تھام کر دھیرے سے دبایا اور چھوڑ دیا تھا۔اس کے چہرے پہ اب ایک اطمینان پھیل گیا تھا۔

''ویری گڈ۔یہ ہوئی ناں بات۔آج سے ہم صرف دوست بن کر ساتھ رہیں گے۔'' کومیل مطمئن انداز میں اس کے ساتھ چلنے لگا۔مگر وہ اب بھی خاموش تھی۔وہ پہلا مرد تھا جس کے لئے وہ یوں اموشنل ہوئی تھی۔اس کے چہرے پہ اب بھی اضطراب اور کرب لکھا دکھائی دے رہا تھا۔

''کم آن میم، پلیز چیئر اپ۔'' کومیل نے گردن موڑ کر مسکراتے ہوئے اسے کہا۔ان چند دنوں میں ہی کومیل کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کس قدر جذباتی، اموشنل اور قنوطی قسم کی لڑکی تھی۔وہ اس پہ ڈانٹ ڈپٹ کر کے غصہ دکھا کر نتیجہ دیکھ چکا تھا۔اب اسے اس اسٹوپڈ لڑکی کو دوسرے طریقے سے ڈیل کرنا تھا، نہایت سمجھداری سے، نرمی سے اور شاید پیار سے۔

☆......☆......☆

اور پھر ایک ڈیڑھ ہفتہ دوبئی میں گزارنے کا پتہ ہی نہیں چلا تھا۔وہ دوبئی سے واپس آئے تو کمال قریشی ایک بزنس میٹنگ کے سلسلے میں کراچی گئے ہوئے تھے۔

ذوناش اپنی نیند پوری کر لینے کے بعد ٹیرس پہ آ گئی تھی۔اس کا دل اب بھی بوجھل اور اداس تھا۔تازہ ہوا میں سانس لینے کے لئے شاید وہ اپنے اندر کی گھٹن دور کرنا چاہتی تھی۔اس نے اپنے لئے کافی وہیں منگوالی تھی۔اپنے اندر کی فرسٹریشن دور کرنے کے لئے وہ اکثر جگجیت کی غزلیں سنا کرتی تھی۔سو اب بھی اس نے کانوں میں ہینڈز فری لگا رکھی تھی۔

ہوش والوں کو خبر کیا؟

بے خودی کیا چیز ہے

عشق کیجئے پھر سمجھئے

زندگی کیا چیز ہے؟

ان کی نظریں کیا ملیں

روشن فضائیں ہو گئیں

آج جانا پیار کی جادوگری کیا چیز ہے؟

عشق کیجیے، پھر سمجھیے

زندگی کیا چیز ہے؟

اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ جگجیت کی آواز کے ساتھ آواز ملائے خود بھی گا رہی تھی۔

ہم لبوں سے کہہ نہ پائے ان سے حال دل کبھی

اور وہ سمجھے نہیں یہ خاموشی کیا چیز ہے؟

وہ مکمل اس غزل میں گم تھی۔ لان میں کھڑا کومیل ہاتھ کے اشارے سے اسے وہاں سے ہٹ جانے کو کہہ رہا تھا مگر وہ غزل میں اس قدر گم تھی کہ اسے دیکھ ہی نہیں پائی تھی۔ کومیل نے اپنا سیل فون نکالا اور اسے کال کی۔ ذوناش کے ہاتھ میں پکڑا سیل فون بج اٹھا۔ ذوناش نے اس کی کال کٹ کر دی اور پھر سے غزل سننے لگی۔ کومیل نے جھنجھلا کر اسے پھر سے کال کی۔ اب کے اس نے کوفت سے کال ریسیو کی۔

''کیا مصیبت ہے تم بار بار کال کیوں کر رہے ہو مجھے؟''

''میم آپ ٹیرس سے اتر آئیں۔ آپ کا وہاں کھڑے رہنا خطرے سے خالی نہیں ہو سکتا۔'' اس نے پروفیشنل انداز میں اسے اطلاع دی تھی۔

''تمہیں میری فکر میں اتنا ٹینس ہونے کی ضرورت نہیں۔ کچھ کام مجھے میری مرضی سے بھی کرنے دیا کرو۔ ایک فوج ہے لوگوں کی جنہیں مجھ پہ مسلط کر دیا گیا ہے۔'' اس نے جھنجھلا کر ٹھک سے کال بند کر دی تھی۔

کومیل نے حیرت سے اپنے سیل فون کو پھر جھولے میں بیٹھی ذوناش کو دیکھا اور عجلت میں گھر کے اندر کی جانب بڑھا اور پھر اگلے دو منٹ میں وہ لفٹ کے ذریعے اس کے پاس اس کے سر پہ کھڑا تھا۔

''آپ آسانی سے اور سیدھے انداز سے بات کیوں نہیں مان لیتی ہیں؟'' کومیل نے اس کے کانوں سے ہینڈ فری نکالتے ہوئے غصے سے کہا۔

''تمہاری سب باتیں تو مان لی ہیں میں نے؟ اب کون سی بات باقی ہے تمہاری۔'' آرام اور تسلی سے پوچھا گیا۔

''آپ کا یہاں بیٹھنا، چلنا پھرنا قطعی مناسب نہیں ہے۔'' وہ اس کے اطراف میں پروفیشنل انداز میں ارد گرد کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

''کیا مناسب ہے اور کیا مناسب نہیں ہے اچھی طرح جانتی ہوں مجھے ابھی تھوڑی دیر یہیں بیٹھنا ہے، تم جاؤ یہاں سے میں Singing کی تھوڑی پریکٹس کر رہی ہوں۔'' ذوناش نے ایک بار پھر کانوں میں ہینڈ فری ڈالی۔

''آپ کچھ بھی نہیں جانتی ہیں اور رہی بات Singing کی تو آپ اس کی پریکٹس میوزک روم میں بھی کر سکتی ہیں۔ یہاں بیٹھ کر آپ کوئی میوزک ایوارڈ نہیں جیتنے والیں۔'' وہ جھنجھلایا۔

''کومیل مجھے ہر وقت ہر بات پہ سمجھانا تمہارے فرائض میں شامل نہیں ہے۔'' ذوناش نے اسے غصے سے دیکھا۔ وہ تنگ آ چکی تھی ہر وقت کی ایسی روک ٹوک سے ایسی پابندیوں اور آڈرز سے۔

''ذوناش فار گاڈ سیک۔'' عجلت میں اس کے منہ سے ذوناش کا نام نکل گیا تھا۔

''بس...... سوری میم۔'' اگلے ہی لمحے وہ گڑبڑا گیا اور وہ کتنے ہی لمحے اسے دیکھے گئی تھی۔

''تمہارے لبوں سے اپنا نام سن کر بہت اچھا لگا۔''

''سوری اگین میم! آپ بھی تو آسانی سے میری کوئی بات نہیں مانتی ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''تمہاری ساری باتیں تو مان لی ہیں، اب اور کیا چاہتے ہو تم؟'' طنزیہ انداز میں اس نے کومیل سے پوچھا، تو وہ نظریں چرا گیا۔

''فی الحال میں یہی چاہتا ہوں کہ آپ نیچے آ جائیں۔ یہاں آپ محفوظ نہیں ہیں۔''

''اوکے میں صرف ایک شرط پہ نیچے جاؤں گی۔''

''کیسی شرط؟'' وہ حیران ہوا۔

''تم ابھی اور اسی وقت مجھے کہیں باہر لے کر جاؤ گے۔'' اس نے حکم سنایا تو کومیل نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''اوکے میم...... لے جاؤں گا...... آپ نیچے تو آیئے۔'' اس کی بات سن کر ذوناش کسی سعادت مند بچے کی طرح اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔

''اوکے میم، آپ ریڈی ہو کر لان میں آ جایئے گا، میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔'' کومیل نے اس کی بات کا جواب دیا تھا اور پھر وہ دونوں لفٹ کے ذریعے نیچے آ گئے تھے۔ ذوناش اپنے روم کی جانب بڑھ گئی اور کومیل لان کی طرف۔ پھر مریم خاتون کو اطلاع دے کر ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد وہ چھوٹے چھوٹے ڈاٹس پرنٹ کی پٹیالہ شلوار پہ سی پلین شارٹ شرٹ میں ملبوس، گلے میں مفلر کے انداز میں دوپٹہ لپیٹے، خاصی پرکشش اور مہذب لگ رہی تھی۔

''کہاں جائیں گی میم؟'' کومیل نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر عقب میں بیٹھی ذوناش سے پوچھا اور گاڑی اسٹارٹ کی۔

"کسی ایسی جگہ جہاں لوگوں کا بہت ہجوم ہو، جہاں بہت رونق ہو جہاں اتنا شور ہو کہ میرے اندر کا شور اس شور میں کہیں دب جائے۔" اس کے لہجے سے جھلکتی اداسی نے جواباً اسے کچھ بولنے ہی نہیں دیا تھا۔ وہ کوئی فلاسفر نہیں تھی مگر اس کی گہری باتیں کومیل کے دل کو ایک عجیب دکھ سے ہمکنار کر جاتی تھیں۔

"کومیل۔" اسے سوچتا سوچتا ٹریفک کے اژدھام سے گاڑی نکالتا ہوا اسے اندرون لاہور کے پرانے انارکلی بازار میں لے آیا تھا۔ وہاں سڑک پہ گاڑی روکتے ہی اس نے ذوناش سے کہا تھا۔

"میم یہاں سے آگے گاڑی نہیں جا سکے گی، ہمیں پیدل ہی اندر جانا ہوگا۔"

"وائے ناٹ، یہ بتاؤ یہ کون سی جگہ ہے؟" ذوناش نے گاڑی سے نکلتے ہوئے اشتیاق سے لوگوں کی گہما گہمی دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میم یہ انارکلی بازار ہے۔" کومیل نے اپنی عقابی نگاہوں سے اردگرد کا جائزہ لیتے ہوئے اسے بتایا۔

"اوآئی سی، وہ کنیز انارکلی جس کی محبت میں شہزادہ سلیم گرفتار ہو گیا تھا اور پھر اس جرم کی سزا میں انارکلی کو زندہ دیوار میں چنوا دیا گیا تھا؟" ذوناش کے لہجے میں اس جگہ کے لئے بہت اشتیاق تھا۔ وہ پہلی بار یہاں آئی تھی اور بہت اشتیاق سے گاڑی سے نیچے اتر آئی تھی۔

"یس میم! یہ بازار اسی کنیز انارکلی کے نام سے منسوب ہے۔" کومیل اس کے پاس کھڑا تھا۔

"امیزنگ، مجھے یقین نہیں آرہا کہ آج میں یہ Historical Place دیکھوں گی۔" اس کی خوشی دیدنی تھی، کومیل نے بے ساختہ اپنے ساتھ چلتی ہوئی ذوناش کو دیکھا جس کے چہرے پہ کسی معصوم بچے جیسی مسکراہٹ کھلی ہوئی تھی وہ مین بازار کے اندر داخل ہو گئے تھے۔

"وہ سامنے پانی پوری والا ہے ناں؟" ذوناش نے سامنے ٹھیلے کی جانب اشارہ کیا۔

"یس میم۔" کومیل نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مجھے پانی پوری کھانی ہے۔" ایک دم اس نے پانی پوری کا ٹھیلہ دیکھ کر شور مچایا۔ اس کے انداز پہ کومیل بے ساختہ مسکرا دیا۔

"اوکے کھلاتا ہوں۔" پھر وہ کومیل کے ساتھ اس ٹھیلے پہ موجود تھی اور ٹھیلے کے پاس کھڑی پانی پوری کھا رہی تھی۔ کومیل اس کے پاس منرل واٹر کی بوتل کے لئے کھڑا تھا۔ وہ پوری منہ میں ڈالتی، پھر کھٹے پانی کا پیالہ لبوں سے لگاتی۔ اس کے بعد اسے مرچیں لگتیں تو وہ کومیل کے ہاتھ سے پانی کی بوتل پکڑ کر پانی کا گھونٹ بھرتی اور پھر بوتل کومیل کی جانب بڑھا دیتی۔

پانی پوری کھانے کے بعد اس نے ٹشو سے منہ صاف کرتے ہوئے کومیل سے کہا تھا۔

"میرے لئے یہ انتہائی امیزنگ بات ہے" اس نے خوشگوار انداز میں بتایا تو کومیل بھی دھیرے سے مسکرا دیا۔ اب وہ فٹ پاتھ پہ چلنے لگے تھے۔

"کومیل مجھے یہ پوری مارکیٹ دیکھنی ہے۔" اس نے ایک نیا حکم جاری کیا۔

"آپ تھک جائیں گی میم۔" کومیل کو اس کی فکر ہوئی۔

"ڈونٹ وری میں نہیں تھکوں گی۔" وہ فریش انداز میں بولی۔

"او کے اس طرف آئیں۔" کومیل نے اسے بائیں طرف مڑنے کا اشارہ کیا اور پھر وہ اس کے ساتھ بائیں طرف مڑ گئی۔

"تم بہت آسانی سے میری ہر بات مان لیتے ہو۔ تمہارے ساتھ میں بہت Comfortable رہتی ہوں۔" اس کے لہجے میں اطمینان تھا۔ کومیل مسکرا دیا۔

"جانتے ہو تمہارے اس ساتھ کی میں نے کتنی بڑی قربانی دی ہے؟" اس کے لہجے میں پھر سے اداسی اتر آئی تھی۔

"جانتا ہوں۔" کومیل نے اس کے ساتھ چلتے چلتے ایک طویل سانس لیا۔

"اگر آپ میری بات نہیں مانتیں تو میں یہ جاب چھوڑ دیتا۔" کومیل نے اطلاع دی۔

"آپ یہ بھی اچھی طرح سے جانتی ہیں ناں؟"

"جانتی ہوں اسی لئے تو اپنے دل پہ بھاری پتھر رکھ لیا ہے تم میری نظروں کے سامنے رہو گے، مجھے اپنے آس پاس دکھائی دو گے۔" ذوناش نے کہا جواباً وہ خاموش رہا۔

"آئیں آپ کو ربڑی والا دودھ پلاتا ہوں۔" کومیل نے اس کی توجہ ہٹانے کے لئے سامنے ایک دوکان کی طرف اشارہ کیا جہاں اچھا خاصا رش دکھائی دے رہا تھا۔

"مجھے دودھ پسند نہیں ہے۔"

"آپ پی کر تو دیکھیں، آپ کو اچھا لگے گا یہ بہت اسپیشل ہوتا ہے۔" وہ اسے دوکان میں لے آیا۔

"میں اپنے دوستوں کے ساتھ اکثر یہاں ربڑی دودھ پینے آیا کرتا تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے ذوناش کو بتایا اور دو گلاس دودھ کا آرڈر دیا۔

"ہاں یہ واقعی بہت مزے کا ہے مگر یہ بہت ہیوی ہے۔ میں یہ زیادہ نہیں پی سکوں گی۔" ذوناش نے آدھا گلاس پی کر اس کی طرف گلاس بڑھا دیا تھا۔ اتنے میں کومیل بھی اپنا گلاس خالی کر چکا تھا۔

وہاں سے نکل کر کومیل اسے عورتوں کی مارکیٹ میں لے آیا تھا۔ اندرون لاہور کی شام پوری طرح سے جاگنے لگتی تھی۔ ہر طرف گہما گہمی تھی، شور تھا، رونق تھی۔

"کومیل تم نے اپنی فیملی کے بارے میں نہیں بتایا؟" ذوناش نے اس کے ساتھ چلتے چلتے پوچھا۔ لوگ آتے جاتے اسے اشتیاق بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''لاہور شہر کے ساتھ ایک قصبہ ہے شیرا کوٹ ہم وہاں رہتے ہیں اپنے دادا کے آبائی گھر میں۔ میرے ابا فوج میں صوبیدار تھے اور آج کل ریٹائرمنٹ کے بعد سارا دن گھر میں لگائے پودوں اور سبزیوں کی دیکھ بھال میں گزارتے ہیں۔ انہوں نے گھر میں آسٹریلین طوطے بھی پال رکھے ہیں۔'' کومیل نے اسے بتایا۔ اس کے انداز میں اپنے باپ کے لئے احترام تھا۔

''Very Interesting اور تمہاری مام؟ وہ کیا کرتی ہیں؟''

''ماں ہاؤس وائف ہے، سارا دن گھر کا ابا اور ابرش کا خیال رکھتی ہیں۔ اس لئے سارا دن مصروف رہتی ہیں۔ اچار و چٹنیاں اور مربے ڈالنا ان کی ہابیز ہیں۔'' اپنی ماں کے بارے میں بتاتے ہوئے کومیل کے لہجے سے خوشی اور تقدس جھلک رہا تھا۔

''ماں کے ہاتھ کا پراٹھا اور آلو کی بھجیا میری فیورٹ ہے۔ میں اکثر جب چھٹی پہ جاتا ہوں تو ماں میرا بہت خیال رکھتی ہے۔ میرے سر میں سرسوں کے تیل سے مساج کرتی ہیں۔ میری نظر اتارتی ہیں۔ میرا صدقہ دیتی ہیں اور جب میں واپس آنے لگتا ہوں تو ڈھیروں قرآنی آیات پڑھ کر مجھ پہ پھونکتی ہیں۔'' اس کے لہجے سے اپنی ماں کے لئے بے پناہ پیار جھلک رہا تھا۔ جیسے وہ کسی عظیم ترین ہستی کا ذکر کر رہا ہو۔

''میری ایک چھوٹی بہن بھی ہے ابرش۔ بہت شرارتی ہے۔ اونٹ کی طرح لمبی ہو گئی ہے مگر اس کی طبیعت میں اب بھی بچپنا ہے۔ خواہ مخواہ تنگ کرتی ہے مجھے۔'' وہ اسے ابرش کے بارے میں بتاتے ہوئے ہنسا۔

''تم کتنے خوش نصیب ہو ایک مکمل اور آئیڈیل فیملی کا حصہ ہو، کاش میں بھی کسی ایسے ہی گھر میں پیدا ہوئی ہوتی۔ میں بھی ایسی ہی فیملی کا حصہ ہوتی۔ کوئی مجھے بھی پیار سے کھانا کھلاتا۔ کوئی میرے بھی ناز نخرے اٹھاتا۔ کوئی مجھ سے بھی شرارتیں کرتا۔'' ذوناش کے لہجے میں اداسی اتر آئی تھی۔

''انشاء اللہ مرسل صاحب سے شادی کے بعد آپ بھی ایک ایسی فیملی کا حصہ بن جائیں گی۔'' کومیل نے اسے بہلانے کی کوشش کی۔

''کومیل تم جھوٹ مت بولا کرو اور مجھے جھوٹے بہلاوے بھی مت دیا کرو۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں مرسل کے ساتھ میری زندگی مزید برباد ہونے والی ہے۔'' اس کی بات پہ اب وہ خاموش ہو گیا تھا۔ اب وہ بازار کے اندر چل رہے تھے۔ ذوناش نے اپنے دائیں بائیں رش اور گہما گہمی دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''واؤ یہ کتنا Fascinating بازار ہے۔ یہاں چیزیں کتنی سستی ہیں؟'' وہ خوشی سے مسکرائی۔

''ہاں آپ کے لئے یہ چیزیں بہت سستی ہیں مگر عام طبقے کے لئے یہ چیزیں بھی بہت مہنگی ہیں۔ میم آپ نہیں جانتیں یہاں غریب کی پہنچ سے یہ عام اور معمولی چیزیں بھی دور کر دی گئی ہیں۔ آج کا متوسط طبقہ اپنی ضرورتوں کی جنگ لڑتے لڑتے نڈھال ہو چکا ہے۔ خواہشات پوری کرنا تو دور کی بات ہے میم آج کل ضرورتیں پوری کرنا بھی لوگوں کے لئے انتہائی مشکل ہو چکا ہے۔'' کومیل کے لہجے میں افسوس تھا۔

''مجھے بہت افسوس ہوتا ہے یہاں لوگوں کے مسائل اور غربت دیکھ کر۔'' ذوناش کے انداز میں افسردگی تھی۔

''اور میرا دل خون کے آنسو روتا ہے۔'' کومیل نے بے بسی اور تلخی سے کہا۔ اچانک ذوناش نے کومیل کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''ارے واؤ کومیل وہ دیکھو، وہاں کتنی خوبصورت Bengals ہیں۔ مجھے وہاں جانا ہے۔'' اس نے کانچ کی چوڑیوں کی دوکان دیکھ کر شور مچایا۔

''میں نے وہ Bengals لینی ہیں۔'' کومیل اسے اس دوکان میں لے گیا تھا۔ وہ خوشی سے بے صبری ہو رہی تھی۔

''کومیل مجھے یہ پہننی ہیں۔ میں نے کبھی یہ Bengals نہیں پہنی ہیں۔'' ذوناش کے لہجے میں ایک حسرت تھی۔

''او ے آپ پہلے ان میں ڈسائیڈ کرلیں۔''

''دیکھو یہ کیسی ہیں؟'' ذوناش نے ریڈ اور گرین کلر کی چوڑیاں اٹھائیں وہ کسی بچے کی طرح پرجوش دکھائی دے رہی تھی۔

''اچھی ہیں۔'' کومیل مسکرایا۔

اور پھر ذوناش نے دونوں کلائیوں میں ریڈ اور گرین کلر کی چوڑیاں ڈلوائیں۔

اس کی سفید اور خوبصورت کلائیوں میں ریڈ اور گرین کانچ کی چوڑیاں اتنی خوبصورت لگ رہی تھیں کہ بار بار کومیل کی نظریں اس کی کلائیوں کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

''کیسی لگ رہی ہیں؟'' وہ اپنی کلائیاں اسے دکھاتے ہوئے ازحد خوشی سے پوچھ رہی تھی۔

''بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔'' اس نے دھیرے سے تعریف کی اور پھر جیسے اسے کچھ یاد آیا تھا۔

''میم آپ کی میوزک کلاس کا ٹائم ہو رہا ہے، گھر چلیں؟''

''نہیں ابھی نہیں۔ آج میں میوزک کلاس نہیں لے رہی۔ یہاں کوئی فوڈ اسٹریٹ ہے تو وہاں چل کر کھانا کھاتے ہیں۔ پیدل چل چل کر مجھے بھوک لگ رہی ہے۔''

''جی فوڈ اسٹریٹ تو ہے میم مگر اس کے لئے تھوڑا اور آگے جانا پڑے گا۔ آپ تھک تو نہیں جائیں گی؟'' کومیل نے اس سے پوچھا۔

''جب ہم سفر اچھا ہو تو سفر کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو انسان تھکتا نہیں ہے۔'' اس کے آنچ دیتے جواب نے کومیل کو خاموش کروا دیا تھا۔

پھر وہ دونوں چلتے چلتے فوڈ اسٹریٹ آ گئے تھے۔ باربی کیو اور ٹکا ٹک کی خوبصورت آوازیں، دیسی اور روایتی کھانوں کی مہک نے فضا کو پرلطف بنا دیا تھا۔ اسے بہت اچھا لگ رہا تھا یہاں آ کر۔ اسے اپنے زندہ ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔ یہاں اس بازار میں ایک عجیب سا سحر تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ ٹائم یہاں گزارنا چاہتی تھی۔

''میم کیا کھائیں گی آپ؟'' کومیل نے اس فوڈ اسٹریٹ کے سب سے مشہور دیسی ہوٹل کے باہر رکھی چارپائیوں اور ٹیبل کی

جانب بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے یہ تکا ٹک کھانا ہے۔اس کا میوزک بہت انٹرسٹنگ ہے۔یقیناً یہ ڈش کھانے میں بھی اچھی ہوگی۔" زوناش نے وضاحت کی اور کومیل نے مسکراتے ہوئے ویٹر کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"ہاف کڑاہی تکا ٹک کی مکھن میں تیار کروا کر لاؤ۔ایک پلیٹ چکن تکا۔رائتہ اور سلاد کے ساتھ اور ہاں روٹی تنوری ہو اور بالکل تازہ ہو۔"

"اچھا باؤ جی میں یوں گیا اور یوں آیا۔" ویٹر خوش دلی سے چٹکی بجاتے ہوئے آڈر لے کر واپس مڑ گیا۔قریب ہی بڑے سے توے پہ تکا ٹک تیار ہو رہا تھا۔کومیل اور وہ ایک ہی چارپائی پہ بیٹھے تھے۔زوناش نے اپنا سیل فون بیگ سے نکالا اور اپنے سے قدرے فاصلے پہ بیٹھے کومیل آفریدی سے کہا۔

"کومیل ذرا میرے قریب آؤ؟" جواباً کومیل نے اس کی بات پہ اسے اس طرح حیرت سے دیکھا تھا جیسے اسے اپنی سماعت پہ شبہ ہوا ہو۔

"کک......کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

"تم آؤ تو سہی، بتاتی ہوں ابھی۔" زوناش نے اب کے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا، تو وہ مزید پریشان ہوا تھا۔

"میم اسٹاپ اٹ یہ......یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟ پبلک پلیس ہے آخر کچھ تو خیال کریں۔" وہ لب بھینچے دھیرے سے بڑبڑایا۔

"ڈونٹ وری میں تم سے رومانس نہیں کرنے والی ہوں تھوڑا سا قریب آؤ میرے۔میں تمہارے ساتھ ایک سیلفی لینا چاہ رہی تھی۔" زوناش نے اسے گھورتے ہوئے کہا، تو ایک دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ ٹھہر گئی۔

"آپ کا کیا پتہ کب، کیسے اور کہاں آپ کا موڈ بدل جائے۔" اس کی بات پہ زوناش کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔

"یہ سچ ہے کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو۔لیکن اب ایسے بھی اسپیشل نہیں ہو تم کہ میں ہر وقت تم سے رومانس لڑانے کے بارے میں ہی سوچتی رہوں۔" اسے کومیل کی بات پہ غصہ آ گیا تھا۔کومیل اس کے جلے کٹے انداز پہ اور خفگی پہ دھیرے سے ہنسا۔

"میں یہی چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اسپیشل مت سمجھیں۔"

"فار گاڈ سیک کومیل......اب یہاں اپنا فضول اور بورنگ لیکچر جھاڑنا مت شروع ہو جانا۔سیدھی طرح سے میرے قریب آؤ تا کہ میں تمہارے ساتھ ایک سیلفی لے سکوں۔"

"لیجیے آ گیا ہوں۔اتنا فرمانبردار باڈی گارڈ آپ کو کبھی نہیں ملے گا۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب بیٹھ گیا۔زوناش نے اسے اور خود کو کیمرے میں لے کر مسکراتے ہوئے سیلفی بنائی۔وہ دونوں تصویر میں مسکرا رہے تھے۔

"تھینکس یہ تصویر ایک خوبصورت یادگار کا حصہ ہے میں ہمیشہ اسے سنبھال کر رکھوں گی۔" ذوناش نے سیل فون گود میں رکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ کومیل اٹھ کر دوبارہ اپنی جگہ پہ چلا گیا تھا۔ پھر کچھ ہی دیر کے بعد ویٹر کھانا لے آیا تھا۔

"واؤ یہ تو بہت ٹیسٹی ہے اور اس کا ٹیسٹ بہت ڈیفرنٹ ہے۔" پہلا لقمہ لیتے ہی ذوناش نے بے ساختہ تعریف کی تھی۔

"آپ کو پسند آیا؟" کومیل نے اپنی پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بہت زیادہ۔ آئم شیور اگر تم مجھے اسی طرح سے یہ کیلریز سے بھرپور دیسی کھانے کھلاتے رہے تو میں بہت جلد موٹی ہو جاؤں گی اور پھر مرسل مجھ سے شادی سے انکار کر دے گا۔" وہ رغبت سے کھانا کھاتے ہوئے بولی۔

"ویسے یہ آئیڈیا کتنا اچھا ہے ناں؟"

"اگر یہ بات ہے تو میں آئندہ آپ کو کبھی ایسے دیسی کھانے نہیں کھلاؤں گا۔" کومیل نے ہنستے ہوئے لقمہ منہ میں ڈالا۔

"یعنی تم میری کسی بھی طرح مرسل سے شادی کروا کر ہی رہو گے؟" ذوناش نے کھیرا اٹھا کر کھاتے ہوئے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔

"جی بالکل آپ نے ٹھیک سمجھا۔" وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔

"تم نے میرا بہت دل جلایا ہے اللہ کرے محبت تمہیں بھی وہ سزا دے جو تم مجھے دے رہے ہو۔ کومیل تم ایک برف کے گلیشیئر ہو۔ نہ پگھلنے والے گلیشیئر۔" ذوناش نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"تم نے کسی سے محبت کی ہوتی تو تمہیں احساس ہوتا، محبت کتنی تکلیف دیتی ہے۔ اس محبت میں گھٹ گھٹ کر مرنا کتنا اذیت دیتا ہے۔" کومیل سر جھکا گیا۔

"مرسل صاحب کیسے ہیں؟ رابطہ ہوا ان سے؟" کومیل نے موضوع بدلا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا مرسل آج کل جرمنی گیا ہوا تھا اور اس کا ذوناش سے کوئی رابطہ نہ تھا۔ وہ پھر سے بھٹکنے لگی تھی اداس ہونے لگی تھی۔

"رابطے ان سے رکھے جاتے ہیں جن سے لگاؤ ہو۔ جن سے محبت ہو اور مرسل کو مجھ سے نہ لگاؤ ہے نہ محبت۔" ذوناش نے اب کھانا ختم کر لیا تھا۔ اس کا چہرہ اب سپاٹ تھا۔

"آپ مرسل صاحب کے بارے میں ایسا کیوں سوچتی ہیں؟ وہ آپ کے لئے ہی تو اتنی محنت کر رہے ہیں۔" وہ خواہ مخواہ اس کا دل مرسل کی طرف سے صاف کر رہا تھا۔

"تم مرسل کی وکالت مت کرو میں اچھی طرح سے جانتی ہوں کہ وہ یہ محنت میرے لئے نہیں صرف اپنے لئے کر رہا ہے۔" ذوناش نے ٹشو سے منہ صاف کرتے ہوئے کہا تو کومیل خاموش ہو گیا۔ وہ بھی کھانا ختم کر چکا تھا۔

واپسی پہ فوڈ اسٹریٹ سے نکلتے ہوئے کومیل نے اسے اسپیشل میٹھا پان تیار کروا کے دلوایا تھا۔ وہ شام اگر ذوناش کے لئے اس کی زندگی کی سب سے یادگار شام تھی تو کومیل آفریدی کے لئے بھی وہ شام کبھی نہ بھولنے والی تھی۔

☆......☆......☆

اسی رات ایک بجے کی فلائٹ سے کمال قریشی واپس آگئے تھے۔ ذوناش کو نیند نہیں آرہی تھی اور وہ لیپ ٹاپ کھولے بیڈ پہ بیٹھی تھی جب پورچ میں اس نے کمال قریشی کی گاڑی رکنے کی آواز سنی تھی۔

وہ لیپ ٹاپ چھوڑ کر اپنے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد کمال قریشی اندر داخل ہوئے تھے۔ ڈرائیور نے ان کا بریف کیس اور ہینڈ کیری پکڑ رکھا تھا۔

''انہیں میرے روم میں رکھ دو۔'' انہوں نے اپنے ڈرائیور سے کہا اور آگے بڑھ آئے۔

''ہائے ڈیڈ، ہو آر یو۔'' ذوناش آگے بڑھ کر ان کے گلے لگی۔

''ذونا میری جان!'' انہوں نے اس کے سر پہ تھپکی دی۔

''آئی ایم فائن مائے چائلڈ۔ تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟''

''یس ڈیڈا نیند نہیں آرہی تھی؟'' وہ مسکرائی۔

''جلد سونے کی کوشش کیا کرو۔ یہ بتاؤ تمہارا ٹور کیسا رہا؟'' وہ اسے اپنے بازو کے گھیرے میں لئے لیونگ روم کے صوفے پہ بیٹھ گئے۔

''بہت بہت اچھا، ڈیڈ میں نے بہت انجوائے کیا۔'' اس نے بے ساختہ خوشی سے بتایا تو کمال قریشی بھی مسکرانے لگے۔

''گڈ ویری گڈ۔''

''ڈیڈ میں نے اپنا کریڈیٹ کارڈ خالی کر دیا ہے۔'' وہ ہنسی۔

''ڈونٹ وری، یہ سب کچھ تمہارا ہی تو ہے۔''

''تھینکس ڈیڈ۔'' اس نے خوشی سے ان کے کندھے پہ سر رکھا۔ کمال قریشی نے برسوں بعد اسے اتنا خوش اور مطمئن دیکھا تھا۔

''میں اپنی جان کو اپنی بیٹی کو ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔'' ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

''اوکے کم آن ڈیڈ۔'' ذوناش نے ان کی آنکھوں سے آنسو صاف کئے تھے۔

''اچھا یہ بتائیں، آپ کی کسی غیر ملکی ڈیلی گیشن سے کراچی میں میٹنگ تھی، کیسی رہی میٹنگ؟'' ذوناش نے ان کی توجہ ہٹائی۔

''میٹنگ کامیاب نہیں رہی۔'' انہوں نے افسردگی سے بتایا۔

''مگر کیوں؟'' وہ حیران ہوئی۔

''وکرم کا ایم ڈی ان سے پہلے ہی میٹنگ کر چکا تھا۔ وہ پہلے ہی انہیں اپنی Presentation سے متاثر کر چکا تھا اور صرف یہی نہیں میں نے جس ڈیل کے لئے مرسل کو جرمنی بھیجا تھا وہ ڈیل بھی کینسل ہو گئی ہے۔ وکرم اس ڈیل کو بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ میرا بزنس دن بہ دن ڈاؤن ہو رہا ہے۔ ایسی ناکامی مجھے زندگی میں کبھی حاصل نہیں ہوئی۔ وکرم دیمک بن کر میرے بزنس کو کھا رہا ہے۔'' کمال قریشی کے لہجے اور انداز میں بے پناہ فکر مندی تھی۔ تفکر تھا پریشانی تھی۔

''ڈیڈ یہ وکرم راٹھور ہے کون اور کیوں آپ کے اس طرح پیچھے پڑا ہوا ہے؟'' ذوناش نے جھنجھلا کر پوچھا تو انہوں نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

''مرسل نے وکرم کے بارے میں تمام معلومات حاصل کر لی ہیں۔ وکرم انڈر ورلڈ کا ڈان ہے اور پس پردہ رہ کر مجھے برباد کرنے پہ تلا ہوا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے یورپ میں میری ڈائمنڈز کی ایک بہت بڑی ڈیل طے پائی تھی۔ وہ ڈیل جس نے میری اور میرے بزنس کی کایا پلٹ دینی تھی اور مجھے اس ڈیل سے بے حساب پرافٹ ملنے والا تھا۔ وکرم کے بندوں نے مجھے اس ڈیل سے دستبردار ہونے کو کہا۔ میری ڈیل طے پا چکی تھی۔ ڈیل طے پا جانے کے بعد اس سے دستبردار ہونا بزنس کے اصولوں کی کھلی خلاف ورزی تھی اور پھر مجھے اس ڈیل سے کروڑوں کا پرافٹ ہو رہا تھا۔ میں کیسے اس ڈیل سے پیچھے ہٹ سکتا تھا۔''

''سو میں نے وکرم راٹھور کی دھمکیوں کو گیدڑ بھبکیاں سمجھ کر اگنور کر دیا اور ڈیل سائن کر لی۔ تب سے وہ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑا ہوا ہے اور وہ ہر طرح سے مجھے پریشان کرنے کی کوئی کسر نہیں چھوڑتا اور مجھے ذہنی ٹارچر کرنے کے لئے بھی، تم پہ فائرنگ کرواتا ہے کبھی مجھے دھمکیاں دیتا ہے اور کبھی مجھے کاروباری نقصان پہنچاتا ہے۔'' کمال قریشی نے اضطراب اور پریشانی سے کوٹ کی پاکٹ سے سگار نکالتے ہوئے اسے تفصیل بتائی۔

''اگر میں بھی اس کی طرح کا کوئی چار سو بیس یا دو نمبر بزنس مین ہوتا تو جواباً اس کے ساتھ بھی ایسی ہی کارروائیاں کرتا مگر میں کوشش کے باوجود ایسا نہیں کر سکتا۔ میں نے یہ بزنس بہت محنت اور نہایت ایمانداری کے ساتھ بنایا ہے۔ میں ایک امن پسند انسان ہوں۔ کسی کو ٹارچر کرنا، قتل و غارت گری سے کام لینا، یہ سب میری نیچر میں شامل نہیں ہے۔'' کمال قریشی نے سگار کا کش لے کر جیسے اپنا ڈپریشن دور کرنے کی کوشش کی تھی۔

''ڈونٹ وری ڈیڈ آپ پریشان مت ہوں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' ذوناش نے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر انہیں تسلی دی تو وہ پر سوچ انداز میں سر ہلا گئے اور توقف کے بعد بولے۔

''مرسل پرسوں جرمنی سے واپس آ رہا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں اس کے آتے ہی تمہاری مرسل کے ساتھ منگنی طے کر دی جائے۔ مرسل اپنے کچھ بزنس پروجیکٹس پہ کام کر رہا ہے۔ اگلے چھ مہینے تک اگر وہ بہت مصروف نہیں ہوتا تو میں دو چار ماہ تک تمہاری شادی بھی کر دیتا۔''

"ڈیڈ آپ کو میری منگنی اور شادی کی اتنی فکر کیوں ہے؟" وہ جھنجھلائی۔

"مجھے فکر نہیں ہوگی تو اور کسے ہوگی میری جان۔ ایسے معاملات میں صرف اپنے ماں باپ ہی فکر کیا کرتے ہیں۔" انہوں نے دھیرے سے اس کے سر پہ چپت رسید کی۔

"ڈیڈ پتہ نہیں کیوں مرسل مجھے اپنے لئے بالکل بھی سوٹ ایبل نہیں لگتا ہے۔" وہ روہانسی ہوئی۔

"یہ سب تمہارا وہم ہے ذونا جان۔ بس وہ تھوڑا کم گو ہے، میچور ہے، باتیں کم کرتا ہے اور کام زیادہ اسی لئے تمہیں بورنگ لگتا ہے ورنہ وہ بہت اچھا بچہ ہے۔ میرے بھائی کی اولاد ہے اور میرا بہت خیال رکھتا ہے۔ اپنے باپ کے بزنس میں ہاتھ بٹانے کی بجائے وہ میرے ساتھ انیچ ہے اور سب سے بڑھ کر اس رشتے میں میری خوشی شامل ہے۔" کمال قریشی نے اس کی شخصیت پہ تبصرہ کیا تو وہ خاموش ہو گئی اور صوفے سے اٹھتی ہوئی بولی۔

"اگر آپ کی خوشی پوشیدہ ہے اس رشتے میں تو اوکے ڈیڈ، جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ مجھے آپ کا انتخاب قبول ہے۔ میں آپ کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ آپ جب چاہیں انگیج منٹ کی ڈیٹ فائنل کر دیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" وہ انہیں ہاں بول کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی، مگر سو نہیں پائی تھی۔ وہ ایک گہری کھائی میں گرنے والی تھی۔ مرسل اس کے لئے ایک گہری کھائی ہی تھا۔

کبھی کبھی دوسروں کی خوشی کی خاطر ہم جان بوجھ کر خود کو برباد کر لیتے ہیں۔ وہ بھی خود کو برباد کرنے والی تھی۔ صبح تین چار بجے سونے کے باوجود وہ صبح اپنے ٹائم پہ اٹھ گئی تھی اور اس نے اپنی روٹین کے سارے کام بھی کیے تھے۔ ماریا سے ایکسر سائز کروا کر چلی گئی تھی مگر اس کے لبوں پہ خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ریلیکس کرنے اور پھر ناشتہ کرنے کے بعد وہ اپنے روم میں کچھ ڈھونڈنے لگی تھی۔ جب مریم خاتون گھر کی دوسری ملازمہ کے ساتھ اس کے روم میں آئی تھیں، ملازمہ کے ہاتھ میں اس کے لئے ہینگ کیے ہوئے کپڑے تھے جو غالباً ابھی لانڈری سے دھل کر اور پریس ہو کر آئے تھے اور وہ انہیں ذوناش کی الماری میں لٹکانے آئی تھی۔

"ذونا مائے ڈارلنگ تم کیا ڈھونڈ رہا ہے؟"

"می می میرے کچھ ناولز تھے۔" اس نے اپنا سائیڈ ٹیبل والا دراز بند کرتے ہوئے مریم خاتون سے پوچھا۔

"وہ مجھے نہیں مل رہے ہیں، آپ نے کہیں دیکھے ہیں؟"

"نہیں ذونا بے بی ہم نے تمہارا کوئی ناول نہیں دیکھا تم اپنا لائبریری میں دیکھو، وہاں تم کہیں رکھ کر بھول گیا ہوگا۔"

"ہاں شاید میں جا کر دیکھتی ہوں۔ تب تک آپ میرا روم بھی صاف کروا دیں۔" وہ اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔ لاؤنج میں آ کر اس نے کومیل کو کال کی۔

"یس میم!" جواباً اس کی مردانہ بھاری اور گمبھیر آواز اس کے کان سے ٹکرائی۔

”کومیل تم لائبریری آؤ مجھے تم سے ایک کام ہے۔“ ذوناش نے اسے بتایا۔

”کیسا کام میم؟“ عجلت میں پوچھا گیا۔

”فکر مت کرو کھا نہیں جاؤں گی میں تمہیں۔ تم جلدی سے بس لائبریری آؤ۔“ ذوناش نے فون بند کر دیا اور لائبریری کی طرف بڑھ گئی اور پھر جب کومیل لائبریری کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو وہ سامنے پوری دیوار میں بنے بک ریک کے ساتھ لکڑی کی سیڑھی (جو خاص طور پہ اونچائی سے بکس اتارنے کے لئے بنوائی گئی تھی) لگائے اس سیڑھی پہ چڑھ کر ریک ٹٹول رہی تھی۔

”میم آپ نے یاد کیا تھا مجھے۔“ اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا اور مؤدبانہ انداز میں بولا۔ وہ اس وقت شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ سیاہ شلوار قمیض میں اس کے پیروں میں سیاہ ہی لیدر کی چپل تھی۔ ذوناش نے مڑ کر اسے دیکھا اور چند لمحے اس سے نظریں نہ ہٹا پائی۔ وہ عام اور سادہ سے حلیے میں بھی جاذب نظر دکھائی دیتا تھا۔

”یس میم!“ اس نے گلا کھنکارتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

”ہاں وہ، مجھے تمہاری ہیلپ چاہیے تھی۔ مجھے کچھ انگلش بکس نہیں مل رہیں۔ تم چونکہ پڑھے لکھے ہو اس لئے آسانی سے انہیں ڈھونڈنے میں میری ہیلپ کروا سکتے ہو۔“ ذوناش کی بات پہ اس نے پوچھا تھا۔

”نیور مائنڈ میم، آپ مجھے بکس کے نام بتائیں۔“ اس نے اونچی سی سیڑھی پہ کھڑی ذوناش سے پوچھا۔

The Flame and the flower. The Princess bride. The blithedale romance. ایکچوئیلی یہ رومانٹک ناولز ہیں میں انہیں کہیں رکھ کر بھول گئی ہوں۔“ ذوناش کی وضاحت پہ بے اختیار اس کے لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

(اچھا تو محترمہ رومانٹک ناولز پڑھتی ہیں، جنہوں نے اس کا دماغ خراب کر رکھا ہے۔)

”میں نے تمہیں کوئی جوک تو نہیں سنایا، ایسے کیوں مسکرا رہے ہو؟“ ذوناش نے وہیں سیڑھی پہ کھڑے کھڑے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے وہ دراصل مجھے کالج کے زمانے کی ایک بات یاد آ گئی تھی۔“ اس نے خود پہ پھر سے سنجیدگی طاری کرتے ہوئے بہانہ تراشا اور کتابوں پہ نظر دوڑانے لگا۔

”مجھے نہیں بتاؤ گے وہ بات؟ میں بھی مسکرانا چاہتی ہوں۔“ اس نے افسردگی سے کہا۔

”میم وہ بات آپ کو بتانے والی نہیں ہے۔“ اس کا انداز جان چھڑانے والا تھا۔

”مگر کیوں؟“ وہ عجلت میں نیچے اترنے لگی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس کا پاؤں پھسلا تھا اور وہ لڑکھڑائی تھی۔ وہ بہت برے طریقے

سے نیچے گر جاتی اگر کومیل تیزی سے لپک کر سیڑھی کے پاس نہیں آجاتا۔

وہ منہ کے بل سیدھا اس کے اوپر گری تھی۔کومیل نے اسے گرنے نہیں دیا تھا۔ذوناش کا دل اس اچانک افتاد پہ تیزی سے دھڑک رہا تھا اور خوف سے اس کی سانسیں بکھر گئی تھیں۔دوسری طرف کومیل کا بھی اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا تھا۔اگلے ہی پل کومیل نے اسے نیچے اتار دیا تھا۔ذوناش نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر ایک طویل سانس لیا۔

''تھینکس کومیل اگر تم نہیں ہوتے تو جانے میرا کیا حال ہوتا؟'' کومیل سر جھکا گیا۔

''اٹس اوکے میم! اللہ آپ کو اس چوٹ سے بچانا چاہتا تھا اسی لئے اس نے مجھے یہاں بہانے سے بھیج دیا۔'' وہ بک ریک کی طرف بڑھتے ہوئے عام سے انداز میں بولا تو وہ کتنے ہی لمحے اس کی پشت کو دیکھتی رہی۔

''ہاں اور وہ بھی صرف تمہیں ہی میرے پاس بھیجتے ہیں، ایک ایسے شخص کو جو میرا نہیں ہے، جو میرا نہیں بن سکتا۔'' اس کے لہجے میں دکھ تھا۔کومیل نے رخ موڑ کر اس کی جانب پلٹ کر نہ دیکھا تھا اور وہ دیکھنا چاہتا بھی نہیں تھا۔

''میم پلیز لیو دس ٹاپک۔''

''زبان بند کر لینے سے دل دھڑکنا بند نہیں ہو جاتا۔'' ذوناش نے طویل سانس لیا۔

''مگر تم جیسا پتھر دل انسان یہ بات نہیں سمجھے گا۔'' کومیل نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔اسے ذوناش کے مطلوبہ ناول مل گئے تھے۔

''کل جرمنی سے مرسل واپس آرہا ہے۔اس کے آتے ہی ہماری انگیج منٹ کا دن ڈیسائیڈ ہو جائے گا۔'' ذوناش نے اسے اطلاع دی، وہ کومیل کا ردعمل دیکھنا چاہتی تھی۔وہ اس کی بات پہ ایک دم پلٹا تھا۔

''یہ تو بہت خوشی کی خبر ہے۔'' وہ مسکرایا۔اس کے ہاتھ میں چند بکس بھی تھیں۔

''تمہارے لئے یہ خوشی کی خبر ہے۔جانتی ہوں میں مگر میرے لئے موت کی خبر ہے یہ۔'' ذوناش چھوٹے چھوٹے قدموں سے اس کے مقابل آکھڑی ہوئی۔اس کی نظریں کومیل کے بے تاثر چہرے پہ مرکوز تھیں۔

''یہ لیجئے آپ کی بکس، خواہ مخواہ آپ اوپر چڑھ کر انہیں ڈھونڈ رہی تھیں۔'' کومیل نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے بکس اس کو تھمائیں۔ذوناش نے اس کے ہاتھ سے بکس لے لیں تھیں۔

''اب میں جاؤں؟ کوئی اور کام تو نہیں آپ کو؟'' کومیل نے اس کی انگیج منٹ کی خبر پہ اک رتی توجہ نہ دی تھی۔

''اگر کہوں کہ مت جاؤ، تو کیا رک جاؤ گے؟'' آنچ دیتے لہجے میں پوچھا گیا۔

''اگر کوئی کام نہیں ہے تو نہیں، میں نہیں رکوں گا۔'' اس کا انداز دوٹوک تھا۔

"جانتی تھی میں۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"میم آپ کو کہیں باہر تو نہیں جانا؟" وہ لائبریری سے نکلتے ہوئے پھر سے ایک لمحے کے لئے رکا۔

"نہیں مجھے کہیں نہیں جانا۔" وہ بھی دروازے کی جانب بڑھی۔

"او کے میں ابھی فون پہ سرکمال سے اجازت لے لیتا ہوں۔ ابا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں، میں ان کی خیریت معلوم کر آؤں۔ رات تک میں واپس آجاؤں گا۔" کومیل کی اطلاع پہ وہ اس کے قریب ہی رک گئی۔

"تم گھر جانا چاہتے ہو تو مجھے بھی ساتھ لے جاؤ۔" اس کی فرمائش پہ وہ حیران ہوا۔

"آپ کیا کریں گی میرے گھر جا کر؟ میرے گھر میں آسائشات نہیں ہیں۔ آپ کو متاثر کرنے کے لئے وہاں کچھ نہیں ہے۔" وہ بے ساختہ بولا تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"تم تو ہو گے ناں وہاں؟ بس یہ کافی ہے میرے لئے۔" اس کے آنچ دیتے انداز اور لہجے پہ وہ سر جھکا گیا تھا۔

"سرکمال کو اعتراض ہو گا کہ آپ میرے گھر......" وہ چند لمحوں کے لئے رکا۔

"نہیں ڈیڈ کچھ نہیں کہیں گے، اس لئے تم فکر مت کرو۔ میں تھوڑی دیر میں تیار ہو کر آتی ہوں۔" وہ اسے جواب دے کر لائبریری سے نکل گئی تھی۔

☆......☆......☆

دوپہر گیارہ بجے کا ٹائم تھا، جب وہ گاڑی میں بیٹھا تھا اور وہ سادہ مگر ڈیزائنر ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس شانوں پہ دوپٹہ رکھے، گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔ کومیل نے بے ساختہ اس کے گہرے سبز رنگ کے مہذب لباس کو دیکھا۔ بغیر کسی میک اپ کے لبوں پہ ڈیپ ریڈ لپ اسٹک لگائے بالوں کو فرینچ ناٹ کی شکل میں لپیٹے وہ بہت خوبصورت اور ڈیسینٹ لگ رہی تھی۔ کومیل نے گاڑی کا مرر درست کرتے ہوئے اگنیشن میں چابی گھمائی اور وسیع ڈرائیو وے سے گاڑی نکال کر گیٹ سے نکال گیا۔

موسم خاصا خوشگوار تھا۔ آسمان پہ تیرتے بادلوں نے دھوپ کو کہیں چھپا دیا تھا۔ ہوا سے درخت جھول رہے تھے۔ سڑک پہ درختوں سے پھول اور زرد پتے ٹوٹ کر بکھرے ہوئے تھے۔

ان کی گاڑی کے ساتھ ساتھ ذوناش کی سکیورٹی کے لئے مزید ایک گاڑی چل رہی تھی جس میں دو سے تین اسلحہ بردار گن مین موجود تھے۔ کومیل اس کا ذاتی ڈرائیور اور اس کی سکیورٹی کا انچارج تھا۔

"تمام راستے خاموش رہ کر مجھے بور کرنے کی بجائے اچھا سا میوزک ہی لگا دو تا کہ مجھے تمہارے ساتھ سفر کر کے یہ احساس نہ ہو کہ میں نے تمہارے ساتھ آ کر کتنی غلطی کی ہے؟" ذوناش کافی دیر سے گاڑی کی پچھلی نشست پہ بیٹھی شیشے کے پار دیکھ رہی تھی۔ بالآخر اس کی

حددرجہ خاموشی پہ شکوہ کر بیٹھی تھی۔اگلے ہی لمحے کومیل نے میوزک پلے کر دیا تھا۔عاطف اسلم کی خوبصورت آواز کانوں میں گونجنے لگی تھی۔

حال دل کو سکوں چاہیے

پوری اک آرزو چاہیے

دل کو تیری موجودگی کا احساس یوں چاہیے

تو چاہیے تو چاہیے شام وصبح تو چاہیے

تو چاہیے تو چاہیے ہر مرتبہ تو چاہیے

جتنی دفعہ ضد ہو میری اتنی دفعہ تو چاہیے

کوئی اور دوجا مجھے نہ تیرے سوا چاہیے

ہر سفر میں مجھے تو ہی رہنما چاہیے

جینے کو بس مجھے تو ہی مہرباں چاہیے

کبھی کبھی خوبصورت شاعری بھی دھڑکتے ہوئے دل کے احساسات کی ترجمان بن جاتی ہے سو اس وقت ذوناش کے جذبوں کی کہانیاں بھی اس گیت کی شاعری خوب ترجمان بن کر کومیل پہ عیاں ہو رہی تھی۔ذوناش کی ساکت نظریں سپاٹ انداز میں گاڑی ڈرائیو کرتے کومیل پہ جمی ہوئی تھیں۔معا مرر سے اچانک کومیل نے پیچھے بیٹھی ذوناش پہ نگاہ ڈالی تھی اور پھر اگلے ہی لمحے گڑبڑا کر اپنی نظریں ہٹا لیں تھی۔ذوناش کے لبوں پہ وہ گویا ایک بے چین دعا بن کر مچل رہا تھا۔اس کی آنکھوں کے کناروں پہ ایک بھٹکتی ہوئی آرزو بن کر دکھائی دے رہا تھا۔اس کی پلکوں پہ وہ خود کو ایک درد بن کر دیکھ رہا تھا۔اسی لئے چند لمحوں کے سوا وہ دیکھ ہی نہ پایا تھا۔اس کے دل کی بے چینی نے اسے نظریں پھیر لینے پہ مجبور کر دیا تھا۔

سینے میں اگر تو درد ہے نہ کوئی دوا چاہیے

تو لہو کی طرح رگوں میں رواں چاہیے

انجام ہو، ہو چاہے میرا آغاز تو چاہیے

تو چاہیے تو چاہیے، شام وصبح تو چاہیے

میرے خوابوں کے آشیانے میں تو چاہیے

میں کھولوں جو آنکھیں سرہانے بھی تو چاہیے

جتنی دفعہ ضد ہو میری اتنی دفعہ تو چاہیے

شاعری گویا اس کے دل پہ اثر کر رہی تھی۔ ایک بار پھر دل نے ذوناش سے اس کٹھور شخص کی ضد شروع کر دی تھی۔ کسی نادان بچے کی طرح اس سے الجھنا شروع کر دیا تھا۔ مگر آج اس کے لب خاموش تھے۔ صرف اس کی بڑی بڑی آنکھیں اس کی ویران آنکھیں کومیل سے سوال کر رہی تھیں۔

دونوں میں نظروں کی آنکھ مچولی کا یہ سفر اس وقت ختم ہو گیا تھا، جب گاڑی کومیل کے سرسبز بیلوں سے ڈھکے گھر کے سامنے رک گئی تھی۔ کومیل نے شاید گھر میں اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی تھی۔ جب وہ گھر میں داخل ہوا تھا تو صوبیدار اکرام صحن میں پودوں اور بیلوں کی کانٹ چھانٹ میں مصروف دکھائی دیے تھے۔ ابرش آسٹریلین طوطوں کے پنجرے کے پاس چوکی پہ بیٹھی ہاتھوں میں دانہ لئے انہیں دانہ ڈال رہی تھی۔ خاموش فضا میں آسٹریلین طوطوں نے شور مچا رکھا تھا۔

قریب ہی برآمدے میں تخت پوش پہ بیٹھی عائشہ بیگم رنگ برنگی ریشمی نلکیوں کا ڈبہ لئے کسی دوپٹے پہ کروشئے سے بیل بنانے میں مصروف تھیں۔

''السلام علیکم ایوری باڈی۔'' کومیل نے گلا کھنکارتے ہوئے بلند آواز میں مسکراتے ہوئے سلام کیا تو تینوں نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا۔ اگلے ہی لمحے تینوں نفوس کے چہرے پہ خوشی اور لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''ارے کومیل بھیا۔'' ابرش خوشی سے چہک کر دانہ وہیں چھوڑ کر کومیل کی جانب لپکی تھی۔

''بھیا اگر میں اللہ سے کچھ اور مانگ لیتی تو آج وہ بھی مل جاتا۔ مجھے صبح سے آپ بہت یاد آ رہے تھے۔'' وہ والہانہ انداز میں کومیل سے لپٹ گئی تھی مگر اس کے پیچھے کھڑی الٹرا ماڈرن حسین و جمیل لڑکی کو دیکھ کر اگلا جملہ اس کے لبوں پہ ہی رہ گیا تھا۔

''اسی لئے کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ تم نے مجھے یاد کیا اور میں آ گیا۔'' کومیل نے شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ کومیل کے پیچھے کھڑی ذوناش کی نظروں میں پانی سا تیرنے لگا تھا۔ اسے اپنا مرحوم بھائی ذونین شدت سے یاد آیا تھا۔

''ارے میرا کومیل آیا ہے۔ میں صدقے جاؤں۔'' عائشہ بیگم دوپٹہ اور کروشیا چھوڑ کر تخت سے اٹھتے ہوئے نہایت خوشی سے بولیں۔ تب تک کومیل ابرش کو بازو کے گھیرے میں لئے ان تک پہنچ چکا تھا اور جھک کر عائشہ بیگم کے گلے لگ چکا تھا۔ عائشہ بیگم نے اسے والہانہ پیار کرتے ہوئے اس کے ماتھے پہ بوسہ دیا تھا اور کومیل نے ان کا ہاتھ تھام کر عقیدت سے اپنے لبوں سے لگایا تھا۔

ماں اور اولاد کی محبت کا یہ منظر دیکھ کر ذوناش کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ ماں جیسے عظیم اور لازوال رشتے کی کمی کا احساس اس کے دل کو رونے پہ مجبور کر گیا تھا۔ اسی اثناء میں صوبیدار اکرام صاحب بھی ہاتھ جھاڑ کر زیر لب مسکراتے ہوئے برآمدے میں آ گئے تھے۔

''السلام علیکم ابا!'' وہ ان کے گلے لگتا ہوا بولا۔

''وعلیکم السلام، میرے شیر جوان میرے بہادر کیسے ہو؟'' اکرام صاحب نے اس کے شانے پہ تھپکی دیتے ہوئے خوشگوار موڈ میں پوچھا تو وہ مسکرا دیا تھا۔

''بالکل فٹ ہوں ابا، آپ کی دعاؤں سے۔''

''شکر الحمدللہ، اللہ تم کو ہمیشہ اپنی امان میں رکھے۔'' کومیل دھیرے سے مسکرا دیا۔

''آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

''یار میں بالکل ٹھیک ہوں ہٹا کٹا ہوں۔ تمہاری ماں نے تو خواہ مخواہ تمہیں میری بیماری کی اطلاع دے کر پریشان کر دیا۔'' اکرام صاحب مسکرائے۔

''کہاں ٹھیک ہیں ابا، اتنے کمزور لگ رہے ہیں آپ مجھے۔'' کومیل نے ان کے کمزور سے وجود کو دیکھتے ہوئے فکر ظاہر کی۔

''بھیا ابا کو تو اس بڑھاپے میں جھوٹ بولنے کی بیماری ہو گئی ہے۔ ابا بتاتے کیوں نہیں بھیا کو ایک ہفتہ پہلے آپ کی شوگر پانچ سو تک پہنچ گئی تھی اور آپ کے ساتھ پریشانی سے کیا حالت ہوئی تھی ہماری۔'' ابرش نے روٹھے سے انداز میں کومیل کو تفصیل بتائی۔

''ارے چھوڑو نا ان باتوں کو، میرے بیٹے کو سانس تو لینے دو۔'' عائشہ بیگم نے مداخلت کی۔

''ارے ہاں کومیل یار بیٹھ ناں کھڑا کیوں ہے۔'' اکرام صاحب نے اسے بیٹھنے کو اشارہ کیا۔ اچانک ان تینوں کی نظریں دروازے کے قریب کھڑی ذوناش پہ اٹھی تھیں۔

''کومیل یہ...... یہ محترمہ کون ہیں؟'' اکرام صاحب نے پوچھا تو کومیل کو ذوناش کی موجودگی کا احساس ہوا۔

''اوہ آئم سوری، میں تعارف کروانا بھول گیا۔ یہ ذوناش ہیں۔ انہی کی سیکورٹی کے فرائض انجام دے رہا ہوں میں۔ میم آپ آئیے ناں، آپ رک کیوں گئیں۔'' کومیل نے پلٹ کر اسے آگے آنے کو کہا۔

''ہیلو۔'' ذوناش نے ان کے قریب آتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی۔

''جیتی رہو۔'' اکرام صاحب نے شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

''میم کو آپ سب سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا، سو میں نے یہاں آنے کا ذکر کیا تو یہ بھی ساتھ چلی آئیں۔'' کومیل نے تخت پہ بیٹھتے ہوئے وضاحت کی۔

''خوش رہو آباد رہو بیٹا۔'' عائشہ بیگم نے آگے بڑھ کر محبت سے اسے خود سے لپٹا لیا۔

''بیٹا تمہارے آنے کی بہت خوشی ہوئی، تم آؤ ناں یہاں بیٹھو۔'' عائشہ بیگم نے محبت سے تخت پوش کے سامنے رکھی دو کرسیوں میں سے ایک کی جانب اشارہ کیا۔

"بیٹا آپ کے شایان شان اس گھر میں بیٹھنے کو کوئی ایسی جگہ نہیں مگر......" صوبیدار اکرام صاحب نے جھجک کر جملہ ادھورا چھوڑا، تو وہ دھیرے سے مسکراتی ہوئی کومیل کے مقابل رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آپ ایسی بات کر کے پلیز مجھے شرمندہ مت کریں، جہاں خلوص پیار و محبت جیسے خوبصورت جذبے ہوں رشتے ہوں، وہاں چیزیں بے معنی ہو جاتی ہیں۔"

"ہاں بیٹا یہ بالکل سچ کہا تم نے۔" عائشہ بیگم خوشی اور اشتیاق سے ذوناش کے ساتھ والی چیئر پہ آ بیٹھیں۔

"ارے عائشہ، ابرش، بھئی تم دونوں بھی کمال کرتی ہو، ذوناش بیٹا پہلی بار ہمارے غریب خانے میں تشریف لائی ہیں۔ ان کی کوئی خاطر مدارت کرو۔" اکرام صاحب کومیل کے پاس بیٹھتے ہوئے دھیرے سے بولے۔

"جی ابا میں جا رہی ہوں۔" ابرش اس خوبصورت ساحرہ سے نظریں ہٹاتے ہوئے مسکرائی اور کچن میں چلی گئی۔

پھر چند لمحوں کے بعد ابرش سوفٹ ڈرنک لئے پھر سے وہاں موجود تھی۔ ذوناش کو سرو کرنے کے بعد اس نے گلاس کومیل کی طرف بڑھایا۔

"میں مہمان تھوڑی ہوں؟" کومیل گلاس اٹھاتے ہوئے سرگوشی کی تو ابرش مسکراتی ہوئی کومیل کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

اس دوران اکرام صاحب نماز پڑھنے کے لئے وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ عائشہ بیگم ذوناش سے باتوں میں مصروف تھیں اور اسے دوپٹے پہ بنائی ہوئی کروشیے کی بیل دکھا رہی تھیں اور وہ حیران ہو کر ان کی بنائی ہوئی خوبصورت بیل دیکھ رہی تھی کہ یہ سب عائشہ بیگم نے بنا کیسے لی تھی؟

"آج تو آپ ہمارے لئے مہمان بن کر ہی آئے ہیں۔" ابرش نے زیر لب مسکراتے ہوئے کومیل کی بات کا جواب دیا۔

"کیوں بھئی آج کیا خاص بات ہے؟ کومیل نے مسکراتے ہوئے اچنبھے سے دیکھا۔

"خاص لوگوں کے ساتھ رہنے والے بھی تو خاص ہی ہو جاتے ہیں۔ ویسے بھیا چوبیس گھنٹے اتنی حسین و جمیل لڑکی کے ساتھ ڈیوٹی دینا بھی تو کتنی خوبصورت ڈیوٹی ہے ناں؟" ابرش کے لہجے میں شرارت تھی۔

"شٹ اپ، یہ ایک فضول مذاق ہے۔" کومیل نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

"ایویں فضول مذاق ہے۔ دل میں تو لڈو پھوٹتے ہوں گے اتنی حسین لڑکی کے ساتھ رہ کر۔" ابرش ہنوز سرگوشی کے انداز میں بولتی ہوئی اسے چھیڑ رہی تھی۔

"فضول باتیں مت کرو، تم اچھی طرح سے جانتی ہو، میں اس ٹائپ کا بندہ نہیں ہوں۔" کومیل نے گھورتے ہوئے سرزنش کی۔

"ہاں جانتی ہوں اچھی طرح آپ اس ٹائپ کے بندے نہیں ہیں، بلکہ بہت بورنگ ان رومانٹک اور سڑیل قسم کے انسان ہیں۔" ابرش نے جلے کٹے انداز میں کہا تو کومیل نے اس کی پونی کھینچی۔

"Keep quiet. میم نے تمہاری فضول بکواس سن لی تو کیا سوچیں گی؟"

"اچھا جی بڑی پرواہ ہے آپ کو اپنی میم کی؟" ابرش نے اپنی پونی چھڑائی۔ ذوناش دونوں بہن بھائیوں کو کھسر پھسر کرتے ہوئے دیکھ کر دھیرے سے مسکرادی۔ کیسا خوبصورت رشتہ ہوتا ہے، بہن بھائی کا۔ اس نے دل میں سوچا۔

"ماں کھانے کو کچھ ہے تو پلیز کھلایئے، بہت سخت بھوک لگ رہی ہے مجھے۔" کومیل تخت پوش سے اٹھتا ہوا بولا۔

"آج آلو کی بھجیا بنائی ہے، اگر تم آنے سے پہلے فون کر دیتے تو میں کھانے میں خاص اہتمام کرتی۔ ذوناش بیٹی پہلی بار گھر آئی ہے اور......" عائشہ بیگم شرمندہ ہوئیں۔

"فریج میں چکن رکھا ہے، میں جلدی سے چکن کڑاہی بنالیتی ہوں۔" ابرش اپنی جگہ سے اٹھی۔

"ارے نہیں ابرش پلیز کوئی تکلیف نہیں کرو۔" ذوناش نے اسے روکا۔

"ارے نہیں ذوناش بیٹا تکلف کیسا؟ مجھے تو بہت شرمندگی ہو رہی ہے۔ تمہاری آمد کا علم ہوتا تو کچھ ڈھنگ کا کھانا بناتی۔" عائشہ بیگم مسلسل شرمندہ ہو رہی تھیں۔

"آنٹی پلیز، ایسی باتیں کر کے مجھے شرمندہ کر رہی ہیں آپ، پلیز کھانے پہ کوئی اہتمام مت کیجئے گا میں صرف آپ سے ملنا چاہتی تھی۔" ذوناش نے عجز و انکساری سے کہا۔

"ارے نہیں میری بچی، کوئی اہتمام نہیں کر رہے ہم، اب خوش؟" عائشہ بیگم نے شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا، تو وہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا گئی۔

آج اسے ماں کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

"ماں آپ میم کے پاس بیٹھئے میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔ کھانا ریڈی ہو جائے تو مجھے بلا لیجئے گا۔" کومیل اپنے کمرے کی طرف جانے کے لئے اٹھا۔

"ٹھیک ہے کھانا لگاتے ہی ابرش تمہیں بلا لے گی، مگر تم آرام کرنے سے پہلے نماز پڑھ لینا۔" عائشہ بیگم نے اسے ہدایت دی۔

"جی ماں، نماز پڑھنے ہی جا رہا ہوں۔" کومیل اپنی شرٹ کے بازو فولڈ کرتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

ذوناش کی نظریں آسٹریلین طوطوں پہ جمی ہوئی تھیں۔ رنگ برنگے طوطے پنجرے میں خوشی سے پھدک رہے تھے۔

"ذوناش بیٹا اگر تم بھی تھوڑی دیر آرام کرنا چاہو تو کر لو۔" عائشہ بیگم کو اس کی فکر ہوئی۔

"نہیں آنٹی مجھے اچھا لگ رہا ہے آپ کے پاس بیٹھنا۔" اس نے خوش دلی سے کہا، تو عائشہ بیگم مسکرا دیں۔

"جیتی رہو، اللہ تمہاری قسمت اچھی کرے میں ذرا اک نظر ابرش کو دیکھ کر آئی۔ جانے کچن میں کیا کر رہی ہے۔" عائشہ بیگم کچن کی

طرف بڑھ گئی تھیں اور وہ اٹھ کر صحن میں آ گئی تھیں۔

سرسبز و شاداب بیلوں اور پودوں سے ڈھکا ہوا وہ صاف ستھرا صحن جس میں ہر چیز بڑے سلیقے سے رکھی گئی تھی، اسے بڑا بھلا لگا۔ ایک عجیب سکون تھا یہاں، تحفظ کا بھرپور احساس۔

وہ جہاں کھڑی تھی قریب ہی لمبی سی کیاری بنائی گئی تھی، جہاں سبز دھنیا، ہری مرچیں، ٹماٹر اور دیگر سبزیوں کو اگایا گیا تھا۔ اسی کیاری میں وقفے وقفے سے گل دوپہری اور موتیے کے پودے بھی لگائے گئے تھے۔ ذوناش کیاری کے قریب رکھے موڑھے پہ بیٹھ گئی اور ہاتھ بڑھا کر دھیرے سے موتیے کے پھولوں کو چھونے لگی۔

''آپ کو پھول پسند ہیں کیا۔'' اچانک ابرش اس کے قریب آتی ہوئی مسکرائی، تو وہ بھی زیر لب مسکرادی اور اثبات میں سر ہلا گئی۔

''ماں ان پھولوں سے بہت خوبصورت گجرے بناتی ہیں۔ آپ کے لئے بھی بنائیں گی۔'' ابرش آج بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔

''تمہارے ہاتھوں پہ مہندی بہت خوبصورت لگ رہی ہے۔'' ذوناش نے اسکے ہاتھ پہ لگی خوبصورت مہندی دیکھتے ہوئے تعریف کی۔

''یہ...... کل رات لگائی تھی۔ میری فرینڈ کی شادی تھی۔'' ابرش نے سادگی سے بتایا اور پھر پوچھنے لگی۔

''آپ کو مہندی پسند ہے کیا؟''

''ہاں پسند ہے مگر میں نے کبھی مہندی نہیں لگوائی۔'' ذوناش کی بات پہ قریب کھڑی ابرش نے اسے حیرت سے دیکھا۔

''مگر کیوں؟''

''بس ایسے ہی، کبھی خیال نہیں آیا۔'' ذوناش نے اپنی ہتھیلی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو ٹھیک ہے میں آپ کو مہندی لگاتی ہوں۔'' اگلے ہی لمحے ابرش کون مہندی لئے اس کے پاس آ بیٹھی تھی اور اس کی خوبصورت ہتھیلی پہ خوبصورت نقش و نگار بنانے لگی تھی۔ عائشہ بیگم کچن میں مزید کچھ بنانے میں مصروف ہو گئی تھیں۔

کومیل جب تھوڑی دیر کے بعد اپنے کمرے سے واپس آیا تھا تو اسے صحن میں بڑے مطمئن انداز میں ابرش سے گپ شپ لگاتے ہوئے پایا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں پہ مہندی لگی ہوئی تھی اور وہ اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلائے بیٹھی تھی۔ اس کے بالوں کی فرنچ ناٹ اس کے شانے سے آگے آئی ہوئی تھی۔

اس وقت وہ ایک سادہ سی گھریلو لڑکی لگ رہی تھی۔ کومیل نے پہلی بار اسے کھل کر مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

غیر ارادی طور پہ وہ برآمدے میں ہی رک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ بلاشبہ خدا نے اسے فرصت سے بنایا تھا۔

''کومیل یار! اگر آج آ ہی گئے ہو تو دو گھڑی بیٹھ جاؤ میرے پاس بھی۔'' عقب سے اکرام صاحب نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو وہ چونک کر یکدم پلٹا۔

''جی ابا۔'' کومیل کسی فرمانبردار بچے کی طرح ان کے ساتھ برآمدے میں بیٹھ گیا۔

''ابا کوئی خاص بات ہے کیا؟''

''خاص بات ہے یہ بیٹا، تم میرے دیرینہ دوست اسلم کو تو جانتے ہی ہو۔ اس نے اپنے چھوٹے بیٹے اعجاز کے لئے ابرش کا ہاتھ مانگا ہے۔ وہ لوگ باقاعدہ رشتہ لے کر آنا چاہ رہے ہیں۔ کیا خیال ہے تمہارا؟ اعجاز تمہارا کلاس فیلو بھی رہ چکا ہے۔ تمہاری رضامندی ضروری تھی اس سلسلے میں۔ میں نے تمہاری ماں کو باہمی رضامندی سے اسلم کو کچھ دن مزید رکنے کو کہہ دیا تھا۔'' اکرام صاحب نے اسے تفصیل بتائی۔

''اعجاز بہت اچھا لڑکا ہے ابا۔ میں ذاتی طور پہ اسے جانتا ہوں شریف آدمی ہے اور پھر اسلم چاچا کے گھرانے کو ہم بچپن سے جانتے ہیں۔ دیکھے بھالے لوگ ہیں۔ انشاء اللہ ابرش وہاں بہت خوش رہے گی۔'' کومیل نے اپنی رائے دی۔

''ہاں تو پھر ٹھیک ہے۔ اس جمعہ کو انہیں گھر بلا لیتے ہیں۔''

''جی ٹھیک ہے ابا۔ آپ اس سلسلے کو آگے بڑھائیں۔''

''تو کیا تم نہیں آؤ گے؟''

''نہیں ابا، میرے لئے آنا ممکن نہیں ہوگا۔ میں فون پہ بات کر لوں گا اسلم چاچا سے۔'' کومیل کی بات پہ اکرام صاحب اثبات میں سر ہلا گئے تھے۔

☆......☆......☆

اور پھر وہ جتنے گھنٹے بھی کومیل کے گھر رہی تھی، وہ ذوناش کی زندگی کے خوبصورت لمحات تھے۔ عائشہ بیگم نے کھانے میں آلو کی بھجیا کے ساتھ چکن کڑاہی اور مٹن پلاؤ بھی بنا لیا تھا۔

دسترخوان پہ سجا وہ سادہ سا کھانا بھی اسے مزہ دے رہا تھا۔ کھانے کے دوران عائشہ بیگم، اکرام صاحب اور ابرش کا اسے مزید کچھ نہ کچھ کھانے پہ اصرار کرنا، ذوناش کو ان سب کی پرخلوص محبتوں کا دیوانہ بنا گیا تھا۔ وقت نجانے کیسے پر لگا کر اڑ گیا تھا۔ کچھ خبر ہی نہ ہوئی تھی اسے۔ بالآخر شام کے سائے دن کے اجالے کو اپنے پنکھ میں سمیٹنے لگے تھے۔ شام اور رات کے بیچ گھڑی کی ٹک ٹک کرتی سوئیاں تیزی سے فاصلہ کم کرنے لگی تھیں۔ مگر اس نے اپنے محل نما پیلس میں جانے کا نام نہ لیا تھا۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ابرش نے چائے بنائی تھی۔ کومیل نے چائے کا خالی کپ رکھتے ہوئے ذوناش سے کہا تھا۔

''میم کافی ٹائم ہو گیا ہے۔ اب ہمیں چلنا چاہیے۔'' کومیل نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں چلتے ہیں۔'' ذوناش نے دھیرے سے چائے کا کپ ٹیبل پہ رکھ دیا تھا۔

"لو بھی آج تو ٹائم گزرنے کا بالکل بھی احساس نہیں ہوا۔ ذوناش بیٹا تمہاری آمد کی بے حد خوشی ہوئی۔" عائشہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پہ شفقت سے ہاتھ پھیرا تو ذوناش کا جی چاہا کہ وہ اپنا ہاتھ کبھی اس کے سر سے نہ ہٹائیں۔

"اور آپ سے مل کر اس سے بھی زیادہ خوشی ہوئی۔" ابرش نے بھی چہکتے ہوئے اپنے دل کا سچ بولا تو وہ مسکرا دی۔

"مجھے بھی یہاں آ کر، آپ سب سے مل کر بہت اچھا لگا۔ آپ سب کے ساتھ میرا یہاں جو بھی وقت گزرا، وہ خوبصورت یاد بن کر ہمیشہ مجھے یاد رہے گا۔" ذوناش کی آنکھوں میں بے اختیار پانی تیرنے لگا تھا اور یہ صرف کومیل ہی دیکھ پایا تھا۔

"بس بیٹا یہ تو آپ کی انکساری اور محبت ہے، ورنہ ہمارا غریب خانہ واقعی آپ کے شایان شان نہیں۔" اکرام صاحب نے شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

"پلیز انکل ایسے مت بولیے۔ آپ کا یہ چھوٹا سا گھر کسی جنت سے کم نہیں ہے، جہاں زندگی خوبصورت رشتوں، محبتوں اور پر خلوص جذبوں سے بندھی نظر آئے۔ وہ گھر جنت ہی ہوتے ہیں۔" ذوناش کی بات پہ اکرام صاحب مسکرا دیے تھے۔

"بیٹا یہ تو سچ کہا آپ نے۔ بہر حال آپ کا جب دل چاہے آپ یہاں آسکتی ہیں۔ یہاں آپ کو ہمیشہ یہی خلوص اور شفقت ملے گی۔" اکرام صاحب کی بات پہ وہ مسکراتی ہوئی اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔ اس کی آنکھ کے کونے سے آنسو ٹوٹ کر گرا تھا جسے اس نے سر جھکا کر گویا چھپانے کی کوشش کر لی تھی۔ مگر کومیل سے اس کی آنکھ سے بہنے والا وہ آنسو بھی مخفی نہ رہا تھا۔

آج وہ ایک الگ ہی روپ میں اس کو دکھائی دے رہی تھی۔ ایک ٹوٹے ہوئے دل والی حساس، تنہائیوں کی ڈسی ہوئی، رشتوں سے محرومی کا دکھ چھپائے، محبتوں سے گندھی ہوئی ذوناش کمال قریشی۔

اسے ایسی محبتیں کبھی اپنی تائی، تایا اور مرسل سے نہیں ملی تھیں۔ آج انجان لوگوں سے ملنے والی پر خلوص محبتوں نے اس کی آنکھوں کو جھلملانے پہ مجبور کر دیا تھا۔

عائشہ بیگم نے بہت پیار سے صحن میں لگے موتیے کے پھول توڑ کر اپنے ہاتھوں سے ذوناش کو گجرے بنا کر پہنائے تھے۔ ابرش کی لگائی ہوئی مہندی کا اس کے ہاتھوں پہ خوب رنگ چڑھا تھا، جسے دیکھ کر ابرش نے اس کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بتایا تھا جس کے ہاتھوں پہ مہندی کا اتنا رنگ چڑھے اس کا ہزبینڈ اس سے بہت محبت کرتا ہے۔ ابرش کی اطلاع پہ ذوناش تلخ انداز میں فقط مسکرا دی تھی۔

گھر سے نکلتے ہوئے عائشہ بیگم نے قرآنی آیات کا ورد کر کے کومیل پہ پھونک ماری تھی اور وہ ایک ماں کی اس محبت کے اظہار پہ دل ہی دل میں یہ سوچ کر رہ گئی تھی۔

لاکھ گرد حصار ہوں حفاظت کے

ایک بھی نہیں ہوتا ان میں ماں کی دعاؤں جیسا

گاڑی میں بیٹھنے اور واپسی پہ تمام راستے وہ پہلے سے بھی زیادہ خاموش ہوگئی تھی۔ اس کے لب خاموش تھے بالکل اور اس نے گاڑی کی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا رکھا تھا اور آنکھیں موندر کھی تھیں۔ کومیل نے مرر سے اسے کئی بار دیکھا تھا۔ نہ جانے کیوں اس کا دل چاہا تھا کہ وہ کوئی بات کرے۔

مگر وہ نہیں بولی تھی۔ حتیٰ کہ گاڑی کمال پیلس میں داخل ہوگئی تھی۔ پورچ میں گاڑی لگانے کے بعد کومیل نے گاڑی سے نکل کر اس کی نشست والا دروازہ کھولا تھا اور وہ باہر آگئی تھی۔ آسمان پہ اب رات نے اپنا آنچل پھیلا دیا تھا۔

سیاہ بادلوں کی اوٹ میں جھانکتا ہوا چاند اور اٹھکیلیاں کرتی ہوا نے گاڑی سے نکلتے ہی اس کا ماتھا چوما تھا مگر اس کے چہرے پہ سنجیدگی درج تھی۔ بالآخر کومیل بے ساختہ اس سے پوچھ بیٹھا تھا۔

''میم آر یو او کے؟''

''یس آئی ایم فائن۔ کومیل تم ایک خوش نصیب انسان ہو اور جانتے ہو کبھی کبھی دوسروں کی خوش نصیبی اپنی بدنصیبی کا دوہرا احساس بن کر اور بھی ہرٹ کرنے لگتی ہے۔'' وہ ایک لمحے کے لئے اس کے قریب رُکی تھی اور پھر پورچ سے مین انٹرنس کی جانب بڑھ گئی تھی۔ کومیل وہیں دروازے پہ ہاتھ رکھے گاڑی کے پاس کھڑا اسے اندر جاتا ہوا دیکھتا رہا تھا۔

وہ لڑکی بھی بہت عجیب لڑکی تھی۔ کبھی اپنی حرکتوں سے اسے پریشان کرتی اور کبھی اپنی باتوں سے، وہ واقعی اسے سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ گاڑی لاک کرنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آگیا تھا۔ چینج کرنے کے بعد اس نے اپنا دھیان ہٹانے کے لئے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر لیا تھا۔

وہ ذو ناش سے اپنی توجہ ہٹانا چاہتا تھا۔ دل مسلسل اس پاگل اور جذباتی لڑکی کے بارے میں متفکر ہو رہا تھا۔ وہ غائب دماغی سے چینل سرچنگ میں مصروف تھا جب ایک چینل کو چینج کرتے کرتے اس کا ہاتھ رک گیا تھا۔

کوئی فریاد تیرے دل میں دبی ہو جیسے
تو نے آنکھوں سے کوئی بات کہی ہو جیسے
ہر ملاقات پہ محسوس یہی ہوتا ہے
مجھ سے کچھ تیری نظر پوچھ رہی ہو جیسے

جگجیت کی پرسوز آواز اس کے مضبوط اور کٹھور دل کو مسمار کرنے لگی تھی۔ اسے وہ پل یاد آیا جب وہ پلین میں اس کے ساتھ آ بیٹھی تھی۔ اسے وہ لمحہ بھی یاد آیا، جب میٹرو بس میں وہ اس کے بالکل ساتھ بیٹھی تھی اور اس کے بال اڑ اڑ کر کومیل کے چہرے کو چھونے لگتے تھے۔

راہ چلتے ہوئے اکثر یوں گماں ہوتا ہے
وہ نظر چھپ کے مجھے دیکھ رہی ہو جیسے
اس طرح پہروں تجھے سوچتے رہتے ہیں ہم
میری ہر سانس تیرے نام لکھی ہو جیسے
کوئی فریاد تیرے دل میں دبی ہو جیسے

نہ جانے یہ آواز کا اثر تھا شاعری کا یا اس کے اپنے اندر کا کوئی قوی احساس، وہ مسلسل غیر ارادی طور پہ اسے سوچے جا رہا تھا۔ وہ خود بخود ان لمحوں میں پھر سے سانس لینے لگا تھا۔ جب وہ دوبئی نائٹ کلب کے باہر ہوش وخرد کی دنیا سے بیگانہ ہو گئی تھی۔

جب وہ ساحل سمندر پہ اپنی جان دینے اور اس کی جان نکالنے کے لیے سمندر میں ڈوبنے کی غرض سے بھاگی تھی۔ تب بے ساختہ اور غیر ارادی طور پہ کومیل نے اسے خود سے بھینچ لیا تھا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے وہ تمام مناظر گھومنے لگے تھے۔ وہ بے بس سا صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور کھڑکی میں آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ مگر وہ لمحہ اب بھی اس کے دل سے لپٹا ہوا تھا۔ جب وہ کسی بچے کی طرح حیرت وخوشی سے فٹ پاتھ پہ کھڑی پانی پوری کھا رہی تھی۔

جب اس نے چہکتے ہوئے اپنی کلائیوں میں کانچ کی چوڑیاں چھنکاتے ہوئے اس کو دکھائی تھیں۔

جب چارپائی پہ بیٹھ کر اس نے کومیل کے ساتھ زبردستی سیلفی بنائی تھی اور جب وہ لائبریری آیا تھا اور وہ گرتے گرتے بچی تھی۔ کومیل نے آگے بڑھ کر اسے بچا لیا تھا۔

وہ سارے لمحے نہ جانے کیوں اس کے بے چین دل سے لپٹنے لگے تھے۔ اسے پریشان کرنے لگے تھے۔ وہ اس کے بارے میں نجانے کیوں سوچے ہی جا رہا تھا۔ گھبرا کر اس نے کھڑکی کھول دی تھی۔

صبح سے آسمان پہ سایہ کیے بادل اب دھیرے دھیرے برسنے لگے تھے۔ وہ خاموشی سے برستی بارش کی بوندوں کو دیکھنے لگا۔

اب اس کے اور اس کے دل کے بیچ ایک جنگ سی ہونے لگی تھی۔ دل اسے ذوناش کے بارے میں سوچنے پہ اکسا رہا تھا اور وہ اپنے نادان دل کی اوٹ پٹانگ سوچوں کو رد کر رہا تھا۔

دل اس سے ذوناش جیسی حسین وجمیل اور بے شمار دولت مند لڑکی کو اپنا لینے کی خواہش کر رہا تھا۔ وہ لڑکی اس سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کر چکی تھی۔ اس سے محبت کی دعوے دار تھی۔ اسے اپنا آئیڈیل سمجھتی تھی۔ اپنی منگنی توڑنے پہ تیار تھی۔ وہ لڑکی ہیرے جواہرات کی ایک کان تھی، جسے حاصل کر کے وہ ہر حساب سے مالا مال ہو سکتا تھا۔ مگر لوشا اس کی فطرت میں شامل نہ تھا۔ وہ ایک مضبوط اور نہایت ایمان دار آدمی تھا۔ اپنے نفس پہ حکومت کرنے والا بہادر آدمی۔

یہی وجہ تھی کہ بے بسی کی انتہا پہ پہنچنے سے پہلے ہی کومیل نے اپنے دل کی تمام فضول اور بے معنی خواہشات کو کسی روتے ہوئے بچے کی طرح تھپکیاں دے کر سلا دیا تھا۔

کمرے میں کھڑکی کھولنے کے باوجود یکدم اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا وہ کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ بارش کی بوندیں اب تیزی سے برسنے لگی تھیں۔

وہ بلا مقصد لان میں آ گیا تھا۔ بے اختیار اس کی نظریں ذوناش کے کمرے کی کھڑکی پہ اٹھی تھیں اور اس نے اپنے بازو کھڑکی سے باہر پھیلا رکھے تھے۔ بارش کی بوندیں اس کی ہتھیلیوں کو بھگو رہی تھیں۔ ذوناش نے بھی اس کی جانب دیکھا تھا۔ ہمیشہ کی طرح، برسوں پرانے خواب کی طرح، کومیل آج بھی اس کی پلکوں میں ٹھہر گیا تھا۔ پتہ نہیں ایسا کیا تھا اس شخص میں کہ وہ کسی ناسمجھ بچے کی طرح اس کی جانب ہمکتی تھی، کھنچتی چلی جاتی تھی لپکتی تھی۔ اپنی عزت نفس کو اپنی انا کو، اپنی آن کو اپنی شان کو روندتی ہوئی چلی جاتی تھی اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ بے ساختہ کمرے سے بھاگتے ہوئے وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"کیوں میری ضرورت بنتے جا رہے ہو تم؟ کیوں میری جان لیوا عادت بنتے جا رہے ہو؟ کیوں میرے دل کا ریموٹ کنٹرول تم اپنے ہاتھ میں لے رہے ہو؟ کیوں میرے جذبوں کو اپنی خاموشی اور کٹھور پن سے بھٹکنے پہ مجبور کر رہے ہو؟ کیوں مجھے برباد کر دینا چاہتے ہو کیوں؟" وہ اب روتے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھی۔ بارش اب اور بھی تیز ہو گئی تھی۔ وہ دونوں ہی بارش میں بھیگ رہے تھے۔ وہ اس سے سوال کر رہی تھی اور کومیل اسے دیکھتا ہوا بس اس کے سوالوں میں اپنے جواب ڈھونڈتا رہ گیا تھا۔ وہ گویا خود بھی بے بس ہو رہا تھا۔

"کوئی ایسا جادو کرو کہ میں تمہارے سحر سے آزاد ہو جاؤں۔ میرا دل تمہاری طرف مائل ہونا چھوڑ دے، پلیز...... پلیز مجھ پہ رحم کرو۔ میری آرزو مت بنو۔ میری تمنا کے راستے سے ہٹ جاؤ۔" وہ پھر سے ہسٹریکل ہو رہی تھی اور اسے گریبان سے پکڑے جھنجھوڑ رہی تھی۔ آج وہ بول رہی تھی اور کومیل سن رہا تھا۔

اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی مریم خاتون کے لئے یہ منظر بہت جان لیوا تھا۔ وہ از حد فکرمندی سے ذوناش کے پاس جانے کے لئے اپنے کمرے سے نکلی تھیں۔

اگلی صبح رات بارش میں بھیگنے کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ ذوناش کو بخار ہو گیا تھا۔ صبح وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ نہ اس نے جوگنگ کی نہ ایکسرسائز۔ کومیل کو اس کی فکر ہوئی تو بالآخر اس نے گھر کی ملازمہ سے ذوناش کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ تب اسے پتہ چلا تھا کہ وہ بخار میں مبتلا ہے۔ وہ دل گرفتہ سا اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ ڈاکٹر آ کر اسے میڈیسن دے گیا تھا اور وہ میڈیسن کے زیر اثر سو رہی تھی۔

مریم خاتون اس کے سرہانے بیٹھی تھیں۔ نہایت متفکر پریشان۔ رات انہوں نے جو منظر دیکھا تھا اس منظر نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ذوناش یکطرفہ محبت میں مبتلا ہو کر جس اذیت سے گزر رہی تھی اس کی تکلیف مریم خاتون کو بھی تکلیف دے رہی تھی۔ کمال قریشی نے

آفس سے کئی بار کالز کر کے ذوناش کی خیریت پوچھی۔

دوپہر میں کہیں جا کر اس کا بخار اترا تھا اور اس نے آنکھیں کھولیں تھیں۔

"تھینکس گاڈ مائے چائلڈ تمہارا ٹمپریچر اب کم ہوا ہے ورنہ ہم تمہارا حالت دیکھ کر بہت پریشان ہو رہا تھا۔" مریم خاتون اس کے پاس بیٹھی پیار سے اس کے بکھرے بال سہلاتے ہوئے بولیں۔

"می می آپ پریشان مت ہوں۔ میں اب بہتر فیل کر رہی ہوں۔" وہ انہیں مطمئن کرنے کے لئے بولی۔

"ذونا بے بی کیا ضرورت تھا تمہیں بارش میں بھیگنے کا؟ دیکھو کیا حال بنا لیا ہے تم نے اپنا۔" می می نے اس کا کملایا ہوا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے فکر مندی سے کہا۔

"ضرورتیں کبھی کبھی بے بسی کی وہ انتہا بن کے چہرے سے عیاں ہو رہی تھی۔

"وہ کہتا ہے تمہاری منزل کومیل آفریدی نہیں مرسل قریشی ہے۔ پھر وہ کیوں میری تمنا کے ہر راستے میں کھڑا نظر آتا ہے۔ مجھے، می می کیوں اس کی محبت اس کی خواہش مجھے ایک اندھے کنویں میں دھکیلنا چاہتی ہے۔ کیوں میرا دل مجھے اس کے سامنے بار بار ذلیل وخوار کرنے پہ تل گیا ہے کیوں جب وہ میرے سامنے آتا ہے تو ایک مقناطیسی کشش مجھے اس کی جانب کھینچتی ہے۔ یہ اسٹوپڈ محبت مجھے کیوں اس کے سامنے ایک بھکاری بنا رہی ہے۔ کیوں می می کیوں؟" وہ بے بسی سے کسی بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ مریم خاتون نے اسے خود سے بھینچ لیا تھا۔ ان کے پاس بھی اس کے کسی سوال کا جواب نہیں تھا۔

☆......☆......☆

شام کو کمال قریشی اسے زبردستی کمرے سے باہر لان میں لے آئے تھے۔ فریش ایئر میں اس کی طبیعت بہتر ہو گئی تھی۔ شام کی چائے می می کمال قریشی اور ذوناش کے لئے وہیں لے آئی تھیں۔

"اب کیسی طبیعت ہے میری بیٹی کی؟" کمال قریشی نے چائے کی پیالی مریم خاتون کے ہاتھ سے پکڑے ہوئے اپنے قریب بیٹھی ذوناش سے پوچھا۔

"بہتر ہوں ڈیڈ۔" اس کی نظریں سامنے کیاریوں میں لگے پھولوں پہ مرکوز تھیں جن پہ دو تین تتلیاں منڈلا رہی تھیں۔ اسے بے اختیار کومیل کے گھر کا وہ چھوٹا سا صاف ستھرا پودوں اور سرسبز بیلوں سے بھرا صحن یاد آیا تھا۔

"مجھے تو تم کہیں سے بھی بہتر نہیں لگ رہی ہو میری جان!" کمال قریشی نے فکر مندی سے ذوناش کو دیکھا۔

"اگر کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ، میں تمہیں اس طرح سے اداس نہیں دیکھ سکتا۔" ان کے لہجے میں ذوناش کے لئے تفکر ہی تفکر تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے ڈیڈ! بس ایسے ہی، کبھی کبھی ایک جیسی روٹین سے تنگ آ جاتی ہوں۔" ذوناش نے چائے کی پیالی کے

کنارے پہ انگلی پھیرتے ہوئے انہیں مطمئن کرنا چاہا۔

''تو میری جان! تم یورپ میں کچھ دنوں کے لئے مریم خاتون کے ساتھ چلی جاؤ اور وہاں انجوائے کرو۔ تمہارا دل بہل جائے گا۔'' کمال قریشی نے چائے کی پیالی ٹیبل پہ رکھتے ہوئے اسے مشورہ دیا۔

''ڈیڈ اٹھارہ سال ان سرد ممالک میں رہی ہوں۔ بارہا یورپ کی سیر کروا چکے ہیں آپ۔ اب وہاں جانے کو دل نہیں کرتا۔'' ذوناش کے انداز میں بیزاریت تھی۔

''تو بیٹا تم بھوربن چلی جاؤ، ناردرن ایریاز میں کچھ دن گزارو، فریش ہو جاؤ گی۔ کل مرسل بھی آرہا ہے واپس، میں اسے کہتا ہوں ایک دو دن میں وہ تمہیں ناردرن ایریا لے جائے گا۔ دونوں ایک ساتھ کچھ دن ٹائم اسپینڈ کرو گے تو تمہارا مائنڈ بھی فریش ہو جائے گا اور تم دونوں میں مزید انڈراسٹینڈنگ بھی ڈیولپ ہو گی۔ کیا خیال ہے تمہارا؟'' کمال قریشی نے اسے جواب طلب نظروں سے دیکھا تو ذوناش نے ایک طویل سانس لے کر چائے کی پیالی سامنے ٹیبل پہ رکھ دی۔

''مرسل جیسے بورنگ انسان کے ساتھ نہ تو میرا مائنڈ فریش ہو گا اور نہ ہی اس کے ساتھ میری مزید انڈراسٹینڈنگ ڈیولپ ہو گی۔ اس بات کا یقین ہے مجھے ڈیڈ۔ بٹ اینی وے اگر آپ اصرار کر رہے ہیں تو ٹھیک ہے، میں چلی جاؤں گی۔'' ذوناش نے جواب دیا۔ اسی اثناء میں کمال قریشی کا موبائل بج اٹھا تھا۔

''ایکسکیوزمی میری جان! جرمنی سے ایک ڈیلر کی کال آرہی ہے۔'' کمال قریشی موبائل لئے وہاں سے اٹھ گئے تھے۔

مریم خاتون بھی ملازمہ کی معیت میں چائے کی ٹرالی کے ساتھ اندر چلی گئی تھیں۔ اب وہ وہاں اکیلی بیٹھی تھی۔ اس کی نظروں نے بے اختیار کومیل کے کوارٹر کا طواف کیا تھا۔ وہ صبح سے اسے نظر نہیں آیا تھا۔ ابھی اس کی نظریں اس کے کوارٹر کی جانب ہی مرکوز تھیں جب وہ دشمن جاں جینز شرٹ میں ملبوس اسی جانب آتا دکھائی دیا تھا۔

''السلام علیکم!'' دھیرے سے سلام کا جواب دے کر ذوناش نے اسے اگنور کرنے کے لئے بلاوجہ ہی ٹیبل سے اپنا موبائل اٹھا لیا تھا۔

''اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' کومیل نے اس کا حال پوچھا۔

''میرا حال مت پوچھو مجھ سے، جیسی بھی ہوں میں۔'' اس نے اضطراب کی کیفیت میں اپنی جینز کی پاکٹ سے سگریٹ کی ڈبیا نکالی اور سگریٹ سلگانے لگی۔

''آپ کو یہ چیزیں استعمال نہیں کرنی چاہئیں۔ عورت کو ایسی چیزیں زیب نہیں دیتی ہیں۔'' بے اختیار وہ اس سے کہہ بیٹھا تھا اور وہ اس کی بات پہ کتنے ہی لمحے اسے دیکھتی رہی تھی۔

''کس رشتے سے تمہید باندھ رہے ہو میرے سامنے؟'' اس کے چبھتے ہوئے سوال نے کومیل کو نظریں اٹھا کر اسے دیکھنے پر مجبور

کر دیا تھا۔

"انسانیت کے ناطے کہہ رہا ہوں، چھوڑ دیں ان چیزوں کو اور عورت کے اصل مقام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ ہماری زندگی کا اصل مقصد کیا ہے اور ہم نے اپنی زندگی کا مقصد کیا بنا رکھا ہے۔ اس نقطے کو سمجھنے کی کوشش کریں گی تو آپ کو سلیپنگ پلز نہیں کھانی پڑیں گی۔ ڈپریشن کے دورے نہیں پڑیں گے آپ کو۔" کومیل آج بلا خوف و خطر اس سے اپنے دل کی باتیں کہہ گیا تھا جو اکثر زبان پہ آتے آتے رک جاتی تھیں۔

ذوناش غصے میں سلگا ہوا سگریٹ ایش ٹرے میں پھینکتے ہوئے چیئر سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تمہیں کس نے اجازت دی کہ تم انسانیت کے یہ درس مجھ پہ جھاڑو؟ ایک مولانا کی طرح مجھے میری زندگی کو بدلنے کی ہدایت کرو۔"

"میرے دل نے۔" کومیل نے بغور اس کے چہرے پہ چھائی خفگی کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا، تو چند لمحے وہ اسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھتی رہی۔

"اپنے دل کو اچھی طرح سے سمجھا دو، وہ اگر کسی کی ضروری باتوں پہ کان نہیں دھرتا تو کسی کو غیر ضروری نصیحتیں کرنا بھی چھوڑ دے۔" وہ اپنا موبائل اٹھا کر تن تن کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی۔

"یہ نوکری اور لڑکی......" کومیل کی زندگی کا ایک مشکل امتحان بن گئی تھی وہ تاسف سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

اگلے دن مرسل جرمنی سے واپس آگیا تھا اور آتے ہی اس نے ذوناش کو کال کی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں تھی اور ٹی وی پہ کوئی انگلش مووی دیکھ رہی تھی۔ می می نے اس کے لئے اس کی پسند کا ایک اٹالین سوپ بنوایا تھا جو وہ مووی دیکھنے کے دوران پی رہی تھی کہ اس کے موبائل کی بپ بج اٹھی تھی۔

"ہیلو۔" اس نے کال پک کی۔

"ہائے ہنی، مائے ڈارلنگ کیسی ہو تم؟" مرسل کی پر جوش آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ مگر ذوناش کو اس کے لفظوں میں بناوٹ سی فیل ہو رہی تھی۔ ایک پھیکا پن تھا اس کے انداز میں۔

"ٹھیک ہوں مرسل تم کیسے ہو؟" اس نے عام سے لہجے میں پوچھا۔

"بالکل فٹ ہنی، اب تمہارا ٹمپریچر کیسا ہے؟"

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ مجھے ٹمپریچر تھا؟" ذوناش حیران ہوئی۔

"آفٹر آل میری ہونے والی بیوی ہو تم۔ تمہارے متعلق ہر خبر رکھتا ہوں میں۔" دوسری طرف شوخ سے انداز میں بتایا گیا۔

"ہاں خبر رکھتے ہو میری مگر خبر لیتے نہیں ہو تم میری۔" ذوناش کے طنزیہ انداز پہ وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

''کم آن میری جان، ایسی چھوٹی چھوٹی اسٹوپڈ سی باتیں مت سوچا کرو آئی ریلی لو یو۔ شاید مجھے محبت کا اظہار کرنا نہیں آتا اور تم سمجھتی ہو کہ مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔'' مرسل نے اسے مطمئن کرنا چاہا۔

''او کے تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں۔'' ذوناش نے بھی جان چھڑانے کے لئے کہا تو وہ مزید بولا۔

''اچھا ایسا ہے کہ رات مجھے ایک بہت بڑے آفیشل ڈنر پہ جانا ہے اور تم میرے ساتھ چل رہی ہو۔'' مرسل نے اسے اطلاع دی۔

''مرسل میں وہاں جا کر کیا کروں گی؟ تم اکیلے چلے جانا، میں وہاں بور ہو جاؤں گی۔'' ذوناش نے انکار کیا۔

''کم آن ذونا، وہاں سب کپلز ہوں، میں اس ڈنر میں اکیلا جا کر کتنا اسٹوپڈ لگوں گا؟'' وہ جھنجھلایا۔

''تو تم صرف اسٹوپڈ نہ لگنے کی وجہ سے مجھے اپنے ساتھ ڈنر پہ لے کر جانا چاہتے ہو؟'' ذوناش نے بیزاریت سے استفسار کیا تو مرسل مسکرا دیا۔

''او ہو فلش گرل، بال کی کھال مت اتارا کرو۔ تم میرے ساتھ جاؤ گی تو مجھے بہت اچھا لگے گا۔''

''مگر مرسل۔'' وہ بے زار ہوئی۔

''تم بس میرے ساتھ چل رہی ہو، ڈیٹس اٹ، مجھے اور کچھ نہیں سننا۔'' مرسل نے اپنا فیصلہ سنا کر کال بند کر دی تھی۔

اور پھر رات نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ڈنر کے لئے تیار ہونا پڑا تھا۔ قیمتی سیاہ سلیولیس ساڑھی میں ملبوس، آنکھوں پہ موٹا سا لائنر لگائے ہونٹوں پہ ڈیپ ریڈ لپ اسٹک لگائے کسی قیامت سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے کانوں اور گلے میں ڈائمنڈ کی قیمتی جیولری تھی۔ ہاتھوں اور پیروں کے نیل پہ ڈیپ ریڈ ہی نیل پالش لگائے وہ بہت ڈیسنٹ لک میں پہلے سے بہت منفرد اور حسین دکھائی دے رہی تھی۔

وہ اپنی ڈائمنڈ کی رنگز پہن رہی تھی جب مریم خاتون اس کے کمرے میں آئی تھیں اور اسے یوں بنا سنوا دیکھ کر خوشی سے بولی تھیں۔

''بیوٹی فل مائے ڈارلنگ، آج تم بہت حسین لگ رہا ہے مرسل صاحب تمہیں دیکھے گا تو اس کا ہوش اڑ جائے گا۔'' مریم خاتون کی بے ساختہ تعریف پہ وہ بے دلی سے مسکرا دی تھی۔

''پتہ نہیں می می مرسل کے ہوش اڑیں گے یا میرے؟ یہ تو اس کے ساتھ جا کر ہی پتہ چلے گا۔''

''مرسل صاحب کے ساتھ تم زبردستی کا رشتہ استوار کرے گی تو اس کا کوئی بھی بات تمہیں اچھا نہیں لگے گا، مائی چائلڈ۔''

''زبردستی اپنی زندگی میں شامل کر لیا ہے میں نے اسے، اپنے دل میں زبردستی جگہ دینا میرے بس میں نہیں ہے، جو بس میں تھا وہ کر لیا، جو بس میں نہیں وہ نہیں کر سکتی۔'' اب وہ خود پہ کلون اسپرے کر رہی تھی۔ مریم خاتون نے اب خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔

''او کے می می، میں چلتی ہوں ابھی راستے سے مرسل کو بھی پک کرنا ہے۔''

''او کے مائی بے بی۔'' انہوں نے ذوناش کا ماتھا چوما اور جب وہ تیر ہو کر باہر آئی تو گارڈز اپنی گاڑی میں اسلحہ لئے تیار بیٹھے

تھے۔کومیل بھی گاڑی میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔مرر سے اسے گاڑی کی جانب آتا ہوا دیکھ کر وہ گاڑی سے باہر نکل آیا تھا۔اس کے آئیڈیل سراپے اور پرفیکٹ ہائٹ پہ ساڑھی بہت جچ رہی تھی۔کومیل کی نظریں سامنے سے آتی ذوناش پہ مرکوز تھیں وہ بڑی تمکنت سے چلتی ہوئی اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔

''مجھے مرسل کے ساتھ ایک ڈنر پہ جانا ہے، مگر اس سے پہلے ہم مرسل کو پک کریں گے۔'' ذوناش کا چہرہ سپاٹ تھا اور لہجہ دوٹوک۔

''اوکے میم!'' کومیل نے مؤدبانہ انداز میں اس کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولا۔

ذوناش ساڑھی کا پلو سنبھالتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔اس کے بیٹھتے ہی کومیل بھی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔اگلے چند لمحوں کے بعد گاڑی کمال پیلس سے نکل کر مختلف سڑکوں پہ دوڑنے لگی تھی۔ان کی گاڑی کے ساتھ ساتھ گارڈز کی گاڑی بھی موجود تھی۔

ذوناش کے قیمتی کلون کی مخصوص مہک گاڑی کو معطر کیے ہوئے تھی۔کومیل آفریدی کو یہ مہک ایک بار پھر دوبئی کی سڑک پہ چلنے والی اس ٹیکسی تک لے گئی تھی جب وہ اس کے کندھے سے آلگی تھی۔کومیل کی نظریں آج بے اختیار اسے بار بار مرر سے دیکھنے کی گستاخی کر رہی تھیں۔

وہ اپنا موبائل ہاتھ میں لئے مرسل کو میسج ٹائپ کر رہی تھی جب اچانک اس نے سر اٹھا کر کومیل کو دیکھا تھا اور اس کی چوری پکڑے ہوئے کہا تھا۔

''کیا آج میں واقعی اتنی خوبصورت لگ رہی ہوں کہ تمہاری آنکھیں بار بار مجھے دیکھنے کی جسارت کر رہی ہیں؟''

''نن......نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔'' کومیل نے شرمندہ ہوتے ہوئے انکار کیا۔

''اچھا تو پھر ابھی چند منٹ پہلے تم نے ایک غلط جگہ پہ یوٹرن کیوں لیا؟'' وہ کسی تفتیشی افسر کی طرح اسے کرید رہی تھی۔

''میں انسان ہوں فرشتہ نہیں اور غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں سو مجھ سے بھی ہو گئی۔'' کومیل اب بھی انکاری تھا۔

''جھوٹ تمہارے چہرے پہ جچتا نہیں ہے۔'' وہ مسکرائی تو وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔

''غلط فہمی ہے آپ کی۔'' وہ اب بھی کمال ڈھٹائی سے اپنے جھوٹ پہ ڈٹا ہوا تھا۔

''غلط فہمی۔'' وہ لفظ غلط فہمی کو دہراتے ہوئے ہنسی۔

''تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں۔تم تو جانتے ہو تمہاری غلط باتیں بھی مان لیتی ہوں میں۔'' اس کی بات پہ جواباً وہ خاموش ہی رہا تھا۔

پھر کچھ ہی دیر کے بعد مرسل کو پک کر لیا گیا تھا۔گاڑی میں بیٹھتے ہی مرسل نے بے ساختہ اس کی تعریف کی تھی۔

''ہائے ہنی! یو آر سو بیوٹی فل۔'' مرسل نے جذب سے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔

''زندگی میں پہلی بار یوں ڈھنگ سے تم نے میری تعریف کی ہے۔'' اس کی بات پہ مرسل مسکرا دیا تھا۔

''کم آن ہنی، اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے میں اکثر تمہاری تعریف کرتا ہوں۔'' مرسل نے محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

تو نہ جانے کیوں کومیل کو ان دونوں کو ایک دوسرے کے اتنے قریب بیٹھے ہوئے دیکھ کر جیلسی سی ہونے لگی تھی۔

''یہ بتاؤ کیسا لگ رہا ہوں میں؟'' مرسل نے خوشگوار موڈ میں اپنی ٹائی کی ناٹ درست کرتے ہوئے پوچھا۔

''سو ہینڈسم مرسل۔'' ذوناش نے بھی اس کی تعریف کی تو وہ مسکرا دیا۔

''تھینکس ہنی، یہ بتاؤ میرے بعد کیسا گزرا تمہارا ٹائم؟'' مرسل کے سوال پہ اچانک کومیل اور ذوناش کی نظریں ملی تھیں۔ کومیل کی نظروں میں اضطراب اور بے چینی دیکھ کر اس نے اپنا ہاتھ مرسل کے کندھے پہ رکھتے ہوئے کہا۔

''بہت بورنگ اور بکواس گزرا، بہت مس کیا میں نے تمہیں۔''

''اوریلی، سو سویٹ مائے ڈارلنگ۔'' مرسل نے اس کے بال سہلاتے ہوئے محبت سے اسے دیکھا تو وہ بھی مسکرا دی۔ کومیل کو پہلو بدلتے ہوئے دیکھ کر اس کے چہرے پہ بے چینی کے اثرات دیکھ کر، ذوناش کے تڑپتے دل کو سکون مل گیا تھا۔

''مرسل تمہاری ٹائی کی ناٹ ٹھیک سے نہیں لگی۔'' ذوناش نے اسے اطلاع دی۔

''یار لگائی تو ٹھیک تھی۔'' مرسل نے اپنی ٹائی کی ناٹ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

''لاؤ میں ٹھیک سے لگاتی ہوں۔'' ذوناش نے آفر کی تو مرسل نے اپنا رخ ذوناش کی طرف موڑ لیا۔

ذوناش اب اس کی ٹائی کی ناٹ ٹھیک کرنے لگی تھی جو غالباً پہلے ہی ٹھیک تھی وہ خواہ مخواہ کومیل کو تنگ کرنے پہ اتر آئی تھی۔ کومیل کی بے ساختہ نظروں نے مرر سے اس کے خوبصورت ہاتھوں کو دیکھا جو مرسل کی ٹائی کی ناٹ لگانے میں مصروف تھے۔ کومیل کو اپنے دل پہ ایک بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا۔ نہ جانے وہ مرسل سے یوں محبت کا دکھاوا کیوں کر رہی تھی۔

''تھینکس مائے ڈارلنگ۔'' مرسل نے اس کے ہاتھ تھام کر دبائے تھے اور وہ مسکرا دی تھی۔

اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد گاڑی اس فائیو اسٹار ہوٹل کی ویلوٹ پارکنگ میں رک گئی تھی جہاں اس ڈنر کا اہتمام کیا گیا تھا۔ کومیل نے گاڑی سے نکل کر ان دونوں کے لئے دروازہ کھولا تھا۔ مرسل ذوناش کا ہاتھ تھامے اسے گاڑی سے باہر لے آیا تھا۔

اب وہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ کومیل ان کے بالکل پیچھے چل رہا تھا اردگرد دائیں بائیں کا جائزہ لیتا ہوا ہال کے اندر آتے ہی بہت سے شناسا چہرے مرسل کی جانب بڑھے تھے، جن سے مرسل ذوناش کا تعارف کروا رہا تھا۔

اس کے دوست احباب اس کی فیانسی کو دیکھ کر اس کی قسمت پہ رشک کر رہے تھے اور کئی اسے باربی ڈول کہہ رہے تھے۔ اس ہال کی مکس گیدرنگ میں تقریباً سب مردوں اور عورتوں کے ہاتھوں میں مختلف قسم کی شراب کے گلاس تھے۔ مرسل نے بھی ہاتھ میں ٹرے پکڑے ایک ویٹر کو روک کر دو گلاس ٹرے سے اٹھا لئے تھے۔ ایک گلاس اس نے ذوناش کی جانب بڑھایا تھا۔

''میرا موڈ نہیں ہے پینے کا۔'' ذوناش نے اس کے ہاتھ سے گلاس نہیں پکڑا تھا۔

''مگر کیوں ہنی؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

''بس ایسے ہی۔'' مختصر جواب۔

'ہنی پی لونا، سب پی رہے ہیں۔'' مرسل نے اصرار کیا تھا۔

''میں نے کہا ناں مرسل میرا موڈ نہیں ہے پینے کا، تم میرے لئے کوئی سوفٹ ڈرنک منگوالو'' ذوناش نے قدرے بیزاریت سے کہا تو مرسل نے شانے اچکاتے ہوئے گلاس واپس رکھ دیا اور ویٹر کو اس کے لئے سوفٹ ڈرنک لانے کو کہا اور خود اس برانڈڈ شراب کے گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔ کومیل ان سے قدرے فاصلے پر کھڑا تمام منظر دیکھ رہا تھا۔

دنیا کے انواع واقسام کے کھانوں کو اس ڈنر میں شامل کر کے مہمانوں کی خوب تواضع کی گئی تھی۔ کھانے کے بعد ہال میں ایک انگلش رومانٹک دھن گونجنے لگی تھی۔ کپلز ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ڈانسنگ فلور کی جانب بڑھے۔ مرسل بھی اس کا ہاتھ تھامے اسے ڈانسنگ فلور پہ لے آیا تھا اور اس کی کمر کے گرد بازو ڈالے کپل ڈانس کرنے لگا۔ کومیل ایک ڈمی کی طرح کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔ آج اس کے دل پہ ایک عذاب بیت رہا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے میں مگن رومانٹک دھن پہ کپل ڈانس کر رہے تھے۔ پھر اس ڈانس میں پارٹنر چینج ہونے لگے۔ مرسل اب کسی دوسری لڑکی کے ساتھ ڈانس کر رہا تھا۔ کئی مردوں نے ذوناش کے ساتھ ڈانس کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا جنہیں مسکراتے ہوئے اپنی تھکن کا بہانہ بنا کر ذوناش نے انکار کر دیا تھا۔

وہاں کھڑے کومیل کو بے اختیار دوبئی کے نائٹ کلب کا وہ منظر یاد آیا تھا جب وہ بار بار کومیل کو اپنے ساتھ ڈانس کرنے کی آفر کرتی رہی تھی آج نہ جانے کیوں اس کے ساتھ قربت میں گزرے لمحات کومیل کو کیوں یاد آ رہے تھے۔

شاید محبت نے اس سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا تھا، جبھی وہ خود کو آج بے بس سا محسوس کر رہا تھا، جیسے اپنے آپ سے ہی ہار رہا ہو۔ ذوناش کا اس کو یکسر نظرانداز کرنے اسے نہ جانے کیوں تکلیف دے رہا تھا حالانکہ وہ خود بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ اسے نظرانداز کرے اس میں دلچسپی نہ لے اور مرسل کو اپنے دل سے اپنی زندگی کا ساتھی مان لے پھر نہ جانے کیوں اسے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

اس کے سینے میں ایک تکلیف جاگ اٹھی تھی۔ ایک بے سبب رفاقت کی خواہش نے اس کے اندر ایک وحشت بپا کر دی تھی، جیسے واقعی بہت تھک گئی ہو۔ مرسل کے کئی دوست اسے اکیلا دیکھ کر اس کے قریب آئے تھے اور انہوں نے اس کی بوریت دور کرنے کے لئے اپنی کمپنی دینی چاہی تھی۔ اس پارٹی میں ہر کوئی اس باربی ڈول کے پاس آنا چاہتا تھا۔ اس بیوٹی کوئین کے ساتھ ٹائم گزارنا چاہتا تھا۔ اس کے حسین و دلکش سراپے کو سراہنا چاہتا تھا۔ اس کے حسن پہ قصیدے پڑھنا چاہتا تھا۔

مگر وہ لڑکی اپنی عزت نفس روند کر خود جس مرد کے پاس محبت کی بھیک مانگنے گئی تھی اس مرد نے اسے کیسے چند لمحوں میں دھتکار دیا تھا، اپنے اور اس کے بیچ حیثیت، اسٹیٹس کی دیواروں کو مجبوری بنا کر اس پہ ایک زبردستی کا رشتہ مسلط کر دیا تھا اور زبردستی کا وہ رشتہ ذوناش نے زبردستی اس لئے تسلیم کر لیا تھا کہ وہ اس دشمن جاں کو اپنی نظروں سے دور نہیں کرنا چاہتی تھی۔

وہ بظاہر پرسکون نظر آنے کی لاجواب ایکٹنگ کر رہی تھی مگر یہ صرف اسی کا دل جانتا تھا کہ وہ اندر سے کس قدر ڈسٹرب تھی۔ کس قدر بے سکون تھی۔ اسے کومیل پہ شدید غصہ تھا۔ اس نے گویا ذوناش کو دو کوڑی کا کر دیا تھا۔ وہ ایک ایسا پتھر تھا جس پہ ذوناش کے نازک اور خوبصورت جذبات کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اس کا پتھر دل ٹس سے مس نہیں ہوا تھا اور اسی بات کا اسے غصہ تھا۔ افسوس تھا اور آج شاید وہ اسی غصے اور افسوس کی زد میں آ کر کومیل کو ٹارچر کر رہی تھی۔

اس کے چہرے پہ اضطراب دیکھ کر ذوناش کو ایک کمینی سی خوشی محسوس ہو رہی تھی اور اسی لئے وہ اسے بار بار زچ کرنے کے لئے مرسل کے قریب آ رہی تھی جان بوجھ کر اس پہ اپنی محبت جتا رہی تھی۔ ورنہ اسے مرسل میں نہ دلچسپی تھی اور نہ کبھی ہو سکتی تھی۔ اسے اگر زندگی میں کسی مرد نے متاثر کیا تھا تو وہ کومیل آفریدی ہی تھا۔ کومیل کے لئے اس کے دل میں جو جذبات پیدا ہوئے تھے وہ دنیا کے کسی بھی مرد کے لئے نہیں ہو سکتے تھے۔

جیسے وہ بہت دھڑلے سے اس کے سامنے آیا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ذوناش کے دل کو ہائی جیک کر لیا تھا۔ اس کے دل کا تمام کنٹرول سنبھال لیا تھا۔ لہٰذا اسے دل سے نکالنا ذوناش کے لئے آسان نہیں تھا۔ اس کی ظاہری شخصیت کے ساتھ اس کی حد درجہ شرافت اور بہادری نہ جانے کب پسندیدگی کی سرحد عبور کر کے سیدھی اس کے دل میں گھس گئی تھی۔

اب تو اس نے ذوناش کے دل میں مستقل مورچے بنا لئے تھے۔ مرسل ڈانس کرنے کے بعد اس کے پاس آ گیا تھا اور اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

”ہنی مائے ڈارلنگ آر یو او کے؟ بور ہو رہی ہو کیا؟“

”نہیں ایسا نہیں ہے۔ میں نے کبھی ساڑھی نہیں پہنی۔ پہلی بار پہنی ہے اس لئے اسے سنبھالتے سنبھالتے تھک گئی ہوں۔“

ذوناش نے زبردستی مسکراتے ہوئے دھیرے سے مرسل کے گال چھوئے۔

”تو سویٹ ہارٹ تم کچھ اور پہن لیتی۔“ مرسل نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

اور پھر جتنی دیر بھی وہ دونوں اس پارٹی میں رہے ذوناش اسی طرح مرسل پہ اپنی محبت جتا کر کومیل کو پریشان کرتی تھی۔ یہاں تک کہ رات کے دو بج گئے۔

”میرے خیال میں اب ہمیں چلنا چاہیے۔ میں تھک گئی ہوں۔“ ذوناش نے بالآخر ٹائم دیکھا اور مرسل سے کہا۔

''ہاں چلتے ہیں، ٹائم واقعی زیادہ ہوگیا ہے۔کل کینیڈا سے ذوئے (مرسل کی خالہ زاد) بھی آرہی ہے۔صبح اسے بھی ریسیو کرنا ہے مجھے۔'' مرسل نے اٹھتے ہوئے اسے بتایا۔

''ویری گڈ، کوئی کام ہے اسے یہاں یا؟'' ذوناش نے اسے جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

''نہیں کوئی خاص کام نہیں ہے اسے، بس ویسے ہی وہ آج کل فری تھی Hang out کے لئے۔'' مرسل نے مسکراتے ہوئے بتایا تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

پھر مرسل اپنے تمام ملنے ملانے والوں سے اجازت لے کر ذوناش کے ساتھ ہال سے باہر نکل آیا تھا۔واپسی پہ مرسل اس کے ساتھ بیٹھا اس سے پوچھ رہا تھا۔

''ہنی تم میرے ساتھ آج بور تو نہیں ہوئی؟''

''بالکل بھی نہیں اور ویسے بھی میں تمہارے ساتھ بور کیسے ہوسکتی ہوں؟ تم میرے ہونے والے لائف پارٹنر ہو، میرا فیوچر ہو تم۔'' ذوناش نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، تو مرسل دھیرے سے مسکرا دیا۔

''سو سویٹ ہنی، آئی لو یو سویٹ۔'' مرسل نے جذب سے کہا تو ذوناش مسکرائی۔

''تم رومانٹک نہیں ہو گئے۔'' جواباً مرسل نے کہا۔

''ایک عورت کی عزت کرنا اس کو خوبصورت کہنے سے زیادہ خوبصورت ہوتا ہے۔مگر تم یہ بات نہیں سمجھو گی کہ میرے دل میں تمہارے لئے کتنی محبت ہے۔'' وہ خوشگوار موڈ میں بتا رہا تھا اور وہ کہے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''آج تم مجھے بہت بدلے بدلے سے لگ رہے ہو۔'' ذوناش نے اسے چھیڑا۔

''بدلی ہوئی تو آج تم بھی مجھے بہت لگ رہی ہو۔'' مرسل نے اپنے کوٹ کی پاکٹ سے سگریٹ نکالی اور سلگانے لگا۔

''کیا مطلب میں کچھ سمجھی نہیں؟''

''چھوڑو ان باتوں کو یہ لو۔'' مرسل نے سگریٹ سلگا کر اسے دیا۔

''ضرورت محسوس نہیں ہورہی مجھے۔'' اس نے انکار کردیا۔

''لے لو، تم تھک گئی ہو بہت۔'' اس نے دوبارہ آفر کی۔

''نہیں موڈ نہیں ہے۔'' پھر سے انکار۔مرر سے کومیل نے اسے دیکھا۔

''ہنی کیا ہوگیا ہے آج تمہارے موڈ کو؟''

''چھوڑو ان باتوں کو ڈیڈ بتا رہے تھے کہ تمہارے کچھ بزنس کے پروجیکٹ ہیں، تم کم از کم پانچ چھ ماہ تک شادی نہیں کرسکو گے۔''

ذوناش نے بات بدلتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"ہاں اگلے پانچ چھ مہینے بہت بزی ہوں میں۔ کینیڈا میں بزنس اسٹارٹ کرنے والا ہوں میں۔ لہٰذا نئی جگہ پہ بزنس کو ٹائم تو دینا پڑے گا۔" مرسل نے کش لگاتے ہوئے تفصیل بتائی۔

"اگر تم بزی نہ ہوتے تو ہم انگیج منٹ کی بجائے ڈائریکٹ شادی کر لیتے۔" ذوناش نے کومیل کے جلتے دل پہ تیل پھینکا۔

"پانچ چھ مہینے کا گیپ زیادہ تو نہیں؟" مرسل مسکرایا۔

"مگر مجھے زیادہ لگ رہا ہے۔" دھیرے سے جواب دیا گیا۔

"مانتا ہوں، محبت میں انتظار بہت تکلیف دیتا ہے۔ مگر مجبوری ہے نا اگر ہم ابھی شادی کر لیتے ہیں تو میں تمہیں زیادہ ٹائم نہیں دے پاؤں گا اور یہ میں چاہتا نہیں ہوں۔" مرسل نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اعتراف کیا۔

"ہاں مجبوری ہے اب، یہ بتاؤ ہنی مون پہ کہاں جائیں گے ہم؟" ذوناش کے انداز میں اشتیاق تھا۔

"بھئی یہ تو تم ڈیسائیڈ کرو گی کہاں جاؤ گی تم؟"

"پیرس یا اٹلی۔" اس نے جھٹ سے بتایا تو مرسل مسکرا دیا۔

"اوکے ڈارلنگ تم جہاں کہو گی لے جاؤں گا تمہیں۔" مرسل کا موڈ آج ضرورت سے کچھ زیادہ ہی اچھا ہو رہا تھا اور پھر باقی کا تمام راستہ ان دونوں کی ایسی ہی پلاننگ میں گزر گیا تھا۔ مرسل کو گھر ڈراپ کرنے کے بعد ذوناش نے گاڑی کی سیٹ سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لی تھیں۔ جیسے وہ بہت تھک گئی ہو۔ وہ واقعی تھک گئی تھی۔ مرسل سے بناوٹی آرٹی فیشل باتیں کر کر کے۔ کچھ دیر کے بعد گاڑی کمال پیلس میں انٹر ہو گئی تھی۔

گاڑی پورچ میں لگانے کے بعد وہ ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر اس کی سمت آیا تھا اور اس نے اپنی ڈیوٹی کے مطابق اس کے لئے دروازہ کھولا تھا اور وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ گاڑی سے اتر کر اندر بڑھ گئی تھی۔

اس رات کومیل ساری رات بے چین رہا تھا۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ کبھی وہ بستر سے اٹھتا اور کبھی لیٹ جاتا۔ کبھی کمرے میں چکر کاٹتا اور کبھی وہ کھڑکی میں جا کھڑا ہوتا۔ اسے کسی بھی پل چین نہیں آ رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے کیا ہو رہا تھا۔ اس کے اندر کی کیفیت کیوں بدل رہی تھی۔ ایسی کون سی بے چینی تھی جو اسے بے چین کر رہی تھی؟

☆......☆......☆

اگلے دن بھی ذوناش نے اپنی روٹین کے سارے کام کئے تھے۔ دوپہر میں لنچ کے بعد مرسل کی کال آ گئی تھی۔ ذوناش کو حیرت ہوئی تھی۔ وہ کل سے ایک بدلے ہوئے مرسل کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کبھی بھی ایسا نہیں تھا جیسے وہ کل اسے دکھائی دیا تھا۔ محبتوں سے لبریز۔

"ہائے مرسل ہاؤ آر یو؟" اس نے کال پک کی۔

"فائن ڈارلنگ تم کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں، بتائی ماں کیسی ہیں اور زوئے وہ کیا آ گئی ہے؟"

"مما بالکل ٹھیک ہیں اور زوئے کی فلائٹ لیٹ ہو گئی تھی۔ اب وہ کل صبح نو بجے کی فلائٹ سے آ رہی ہے۔" مرسل نے اسے اطلاع دی۔

"میں نے تمہیں یہ بتانے کے لئے کال کی ہے کہ آج شام ہم تمہارے فیورٹ ڈیزائنرز کی آؤٹ لٹ پہ جا رہے ہیں۔ تمہارے لئے انگیج منٹ کا جوڑا سلیکٹ کرنے اور پھر واپسی پہ تمہارے فیورٹ ریسٹورنٹ میں ڈنر بھی کریں گے۔"

"مرسل خود ہی پلان بھی بنالیا تم اب بتا رہے ہو مجھے؟"

"تو یار شام ہونے میں ابھی چار گھنٹے باقی ہیں اور ویسے بھی زوئے کی فلائٹ لیٹ ہو گئی تو میں نے سوچا کہ یہ کام بھی آج ہی کر لیا جائے۔ پھر اگلے دو تین دن تک ویسے بھی ہم نادرن ایریا موو کر جائیں گے۔" مرسل نے جواز پیش کیا۔

"چلو ٹھیک ہے میں شام سات بجے تک ریڈی ہو جاؤں گی تم مجھے پک کر لینا۔" ذوناش نے اس سے کہا اور پھر تھوڑی دیر دونوں کے درمیان ہلکی پھلکی گپ شپ کے بعد مرسل نے کال بند کر دی تھی اور وہ موبائل ہاتھ میں پکڑے بیڈ پہ لیٹ گئی تھی اور مرسل کے بارے میں سوچنے لگی۔ نہ جانے وہ کون سا احساس تھا جس نے مرسل کو یوں بدلنے پہ مجبور کیا تھا؟

شام سات بجے وہ ڈھیلی ڈھالی سی سیاہ پٹیالہ شلوار پہ چھوٹی سی پرنٹ شرٹ پہنے بالوں کو چوٹی کی شکل میں باندھے ہلکے پھلکے میک اپ کے ساتھ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

مرسل اپنی مرسڈیز پہ کمال پیلس اسے پک کرنے آیا تھا۔ لہذا اس نے گاڑی کی چابی کومیل کو تھما دی تھی۔ کومیل ذوناش کا پرسنل ڈرائیور اور باڈی گارڈ تھا۔ اس کی سکیورٹی کا انچارج۔ اس کے بغیر ذوناش کو باہر کہیں بھی جانے کی اجازت نہ تھی۔ مرسل اور ذوناش گاڑی کی پچھلی نشست پہ بیٹھ گئے تھے۔ وہ اس کے بہت قریب سے گزری تھی۔

اس کی لمبی اور سفید گردن سے چپکی وائٹ گولڈ کی چین اور اس کی بیوٹی بون کے ساتھ چپکا ہوا ہارٹ شیپ کا ڈائمنڈ لاکٹ اور اس کی گردن پہ موجود سیاہ تل دیکھ کر کومیل کو ٹیکسی میں اس کے ساتھ گزرے وہ پل یاد آ گئے تھے جب وہ اس کے بے حد قریب بیٹھا تھا۔ اسے یکدم اپنے اندر ایک بے چینی سی محسوس ہونے لگی تھی۔

گاڑی اب کمال پیلس سے نکل چکی تھی۔ ذوناش کے فیورٹ ڈیزائنرز کی آؤٹ لٹ پہ پہنچ کر وہ بھی اپنی ڈیوٹی کے مطابق ان کے ساتھ اندر آ گیا تھا۔ وہ ڈیزائنر انہی کا انتظار کر رہا تھا۔ ذوناش نے وہاں بہت سے ڈریسز دیکھے تھے جنہیں وہ کوئی نہ کوئی وجہ بتا کر ریجیکٹ کر رہی تھی۔

بالآخراس ڈیزائنر نے ایک وائٹ اور پنک کلر کے کمبی نیشن کا نہایت خوبصورت، نفیس اور نہایت قیمتی نیل فراک دکھایا۔

"یہ کیسا لگے گا مجھ پہ؟" ذوناش نے ڈمی پہ لگا وہ خوبصورت ڈریس دیکھ کر اپنے ساتھ کھڑے مرسل سے پوچھا۔

"ہنی تم پہ تو ہر کلر ہی سوٹ کر جاتا ہے یقیناً یہ بھی بہت اچھا لگے گا۔" مرسل کے تبصرے پہ اس نے اب بغیر کسی بحث کے وہ ڈریس پسند کر لیا تھا۔

آؤٹ لٹ سے نکلتے نکلتے رات ہو گئی تھی۔ مرسل نے کومیل سے ذوناش کے فیورٹ ریسٹورنٹ جانے کو کہا تھا، جہاں مرسل نے اسے ریسٹونٹ میں ایک کینڈل لائٹ ڈنر کے لئے ٹیبل ریزرو کروا رکھا تھا۔

"او ڈیٹس گریٹ مرسل۔" ذوناش تازہ پھولوں اور کینڈلز کے ساتھ سجا ٹیبل دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔ مرسل نے مسکراتے ہوئے اسے چیئر پیش کی تھی، جس پہ وہ دھیرے سے بیٹھ گئی تھی۔

"لگتا ہے جرمنی سے رومانس جھاڑنے کا کوئی تازہ کورس کر کے آئے ہو تم۔" اس کے قیاس پہ مرسل ہنستے ہوئے اس کے مقابل بیٹھ گیا تھا۔

"تم لڑکیاں بھی عجیب ہوتی ہو، محبت کا اظہار نہ کرو تو خوش نہیں ہوتی اور محبت کو اظہار بناؤ تو شک میں پڑ جاتی ہو۔"

"نہیں ایسا نہیں ہے۔ میں صرف مذاق کر رہی تھی۔" ذوناش نے مسکراتے ہوئے مینیو کارڈ اٹھا لیا تھا اور پھر اس دوران ویٹر بھی آ گیا تھا اور پھر ذوناش نے ویٹر کو اپنا فیورٹ کھانا آرڈر کیا تھا۔ ان سے فاصلے پہ تنہا الگ سے ٹیبل پہ بیٹھا کومیل آفریدی اندر سے کٹ رہا تھا۔ لحہ بہ لحہ مر رہا تھا۔

ویٹر آرڈر لے کر چلا گیا تھا۔ مرسل نے کومیل کو بھی اپنے لئے کچھ آرڈر کر کے منگوا لینے کی ہدایت کی تھی مگر کومیل نے اپنے لئے صرف کافی منگوائی تھی۔ کینڈلز کی روشنی میں ذوناش کا چہرہ دمک رہا تھا۔ مرسل نے ذوناش کے ہاتھ تھام رکھے تھے۔

کومیل کو بے اختیار ذوناش کا اظہار محبت یاد آیا۔ اس سے پہلی ملاقات یاد آئی اور پھر قسمت کا کھیل بھی۔ جب وہ اپنی ڈیوٹی پہ گیا تو سامنے وہی ذوناش تھی جس کی اس نے جان بچائی تھی آج اسے لگ رہا تھا اس کی جان کی حفاظت کرتے کرتے وہ خود اس کی جان لینے پہ آ گئی تھی۔ اسے پلین میں ذوناش کی وہ پہلی بے تکلفی بھی یاد آئی۔ اسے دبئی میں گزرا ہوا وہ وقت بھی یاد آیا، اسے وہ سستا سا ہوٹل بھی یاد آیا جہاں ذوناش اس کے روبرو بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ اسے میٹرو بس میں وہ سفر بھی یاد آیا جب اس کے بال ہوا میں لہرا کر کومیل کے چہرے کو چھو رہے تھے۔

اسے نائٹ کلب کا وہ منظر بھی یاد آیا جب وہ نشے میں وحشت کومیل پہ برس پڑی تھی اور پھر نشے میں بے بس ہو کر ہوش و خرد کی دنیا سے بیگانہ ہو گئی تھی اور وہ اسے تھام کر اس کلب سے نکلا تھا۔ اسے ٹیکسی میں وہ منظر بھی یاد آیا جب وہ اس کے قریب تھی بے حد قریب۔ اسے اس پل اپنی بے قراری بھی یاد آئی تھی۔

اس وقت اس نے اپنی بے قراری پہ قابو پالیا تھا خود کو سنبھال لیا تھا خود کو روک لیا تھا۔

مگر اب وہ بے بسی کی اس انتہا پہ تھا کہ چاہتے ہوئے بھی خود کو روک نہیں پا رہا تھا۔ خود کو سنبھال نہیں پا رہا تھا۔ مرسل کے ساتھ اس کی بے تکلفی کومیل سے برداشت نہیں ہو پا رہی تھی اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ مر جائے گا۔ اس کینڈل لائٹ ڈنر کے دوران کئی بار کومیل کی نظر بھٹک کر ذوناش کی جانب اٹھی تھی اور اس کا دل چیر گئی تھی۔ اپنی چیزیں دوسروں کو دینا آسان ہوتا ہے مگر اپنا دل دل میں بسنے والے لوگ اور لوگوں کے دل میں دھڑکنے والی محبت آسانی سے نہیں دی جا سکتی کسی کو۔

اس نے بہت پہلے کہیں پڑھا تھا محبت کوئی سہ رنگا پوسٹر نہیں کہ کمرے میں لگا لیا۔ سونے کا کوئی تمغہ نہیں کہ سینے پہ سجا لیا۔ پگڑی نہیں کہ خوب کلف لگا کر باندھ لی۔ محبت تو روح ہے آپ کے اندر کا بھی اندر آپ کی جان کی جان، اس کے اندر کا اندر بھی اب اسے تنگ کر رہا تھا اس کے اندر کی دنیا کو برباد کر رہا تھا۔ اس کی جان اب خود کومیل کی جان لینے کے درپے تھی۔ وہ نہ جانے کتنی دیر اس ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے۔ کومیل کو کچھ خبر نہ تھی وقت کی سوئیاں اس کے لئے ٹھہر گئی تھیں۔

واپسی پہ ذوناش اور مرسل میں کیا کیا باتیں ہوئی تھیں وہ نہیں جانتا تھا۔ اس وقت کومیل اور ایک بے جان روبوٹ میں کوئی فرق نہ تھا۔ یہاں تک کہ گاڑی کمال پیلس میں انٹر ہو گئی تھی۔ کومیل نے گاڑی سے نکل کر ذوناش کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا اور پھر مرسل کے لئے مرسل پچھلی سیٹ سے اٹھ کر ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھ گیا تھا۔ ذوناش مرسل کو سی آف کرنے کے بعد پورچ میں آئی تو کومیل کو وہیں کھڑا دیکھ کر اسی طرح اجنبیت سے اس کے قریب سے گزر کر اندر کی طرف بڑھی۔

وہ ابھی اپنے کوارٹر میں نہیں گیا تھا۔ ذوناش ایک پل کے لئے حیران ہوئی تھی مگر اگلے ہی پل وہ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

''ویسے ایکٹنگ آپ آج کل خاصی اوور کر رہی ہیں۔'' عقب سے اس کا طنزیہ جملہ ذوناش کے کانوں سے ٹکرایا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' اس نے پلٹ کر حیرانگی سے کومیل کو دیکھا۔

''آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔'' درشت اور سپاٹ چہرے کے ساتھ باور کروایا گیا، تو ذوناش دھیرے سے چلتی ہوئی اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

''یہ ایکٹنگ نہیں حقیقت ہے اور ویسے بھی تم ہی نے تو کہا تھا کہ میری منزل مرسل قریشی ہے۔ تمہارے اور میرے بیچ رتبے اور حیثیت کی بہت اونچی اونچی دیواریں کھڑی ہیں جنہیں تم کبھی نہیں توڑ سکو گے اور یہ بھی کہ ہمارے بیچ کبھی محبت نہیں آئے گی۔ تم مجھے جیت سکتے تھے مگر نہ جانے کیوں تم نے مجھے ہار دیا۔ تم نے مجھ سے عہد لیا تھا بس سمجھ لو میں وہی عہد نبھا رہی ہوں۔ میں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا ہے کہ میری زندگی کا کوئی بھی راستہ تم تک نہیں جاتا اور رہی بات مرسل سے محبت جتانے کی تو اس سے چاہے میں اوور ایکٹنگ ہی کیوں نہ

کروں، تمہیں اس بات سے ہرگز بھی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔" ذوناش کے انداز میں بے حسی تھی، سفاکی تھی۔ وہ پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔ نہ جانے کیوں اور کس حق سے اس نے ذوناش سے باز پرس کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اب شرمندہ ہو رہا تھا۔ اس کے بعد وہ وہاں رکی نہیں تھی اور اندر بڑھ گئی تھی۔

اپنی زندگیوں میں ہم سب سے زیادہ قتل اپنی زبانوں سے کرتے ہیں۔ کبھی بہت سے الفاظ کے ساتھ اور کبھی بناء کچھ کہے۔ ذوناش نے اس سے اپنے الفاظ سے اپنی رجیکشن کا بدلہ لے لیا تھا۔ مگر وہ اپنے دل میں موجود کومیل کے لئے ان جذبات کا کیا کرتی جو اس کی بے عزتی کر کے سسک رہے تھے۔ ایک کسک بن رہے تھے۔ وہ مزید بے سکون ہونے لگی تھی اور اسی بے سکونی میں وہ کپڑے چینج کیے بغیر گلاس وال کے پردے ہٹا کر صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔

سیاہ رات پہ چمکتا ہوا چودھویں کا تنہا چاند اس کے دل کی طرح بالکل تنہا اور اکیلا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دبے پاؤں پھر سے ذوناش کے دل میں اترنے لگا تھا۔ اس کے چہرے پہ چھائی بے چینی، جو تھوڑی دیر پہلے اسے خوشی دے رہی تھی، اب اسے بے چین کرنے لگی تھی۔ وہ اسے اپنے دل میں کہیں رکھ کر بھول جانا چاہتی تھی مگر وہ کوئی پھول نہیں تھا جسے ڈائری میں رکھ کر وہ بھول جاتی۔ وہ پہلی نظر کی پہلی محبت تھا اس کے لئے وہ اس کی آنکھوں میں جاگنے والی رات کی طرح تھا۔ اس کی تمناؤں اور خوشیوں کا مرکز تھا۔

اس کی زندگی میں رونما ہونے والے ایک ناگہانی حادثے کی طرح تھا جس نے ذوناش کو بچا تو لیا تھا مگر وہ زندہ نہیں رہی تھی۔ اپنی بے رخی سے ذوناش کو جینے والا ایک تکلیف دہ ہار بن کر کبھی نہ ختم ہونے والی خلش بن گیا تھا وہ ساری رات اس نے شدید ڈپریشن میں گزاری تھی۔ یہاں تک کہ صبح فجر کی اذان ہونے لگی تھی۔

صبح کی پرنور اور خاموش فضا میں اللہ کا بلاوا اس کے اندر کی دنیا کو زیر کرنے لگا۔

اللہ اکبر

اللہ سب سے بڑا ہے

اشھد ان لا الہ الا اللہ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

اشھد ان محمد الرسول اللہ

میں گواہی دیتا ہوں محمد اللہ کے رسول ہیں

حی علی الصلوۃ

آؤ نماز کی طرف

حی علی الفلاح

آؤ کامیابی کی طرف

حی علی الفلاح

آؤ کامیابی کی طرف

اس کے آس پاس اس کے اندر اور باہر یہ الفاظ گونج رہے تھے۔ اس کے قدم لاشعوری طور پہ واش روم کی طرف اٹھے تھے۔

اسے یاد نہیں تھا کہ جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا اس نے کبھی وضو کیا تھا کہ نہیں۔ کوئی ان دیکھی طاقت تھی جو اس سے وضو کروا رہی تھی۔ وضو کرنے کے بعد اس نے جائے نماز ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے کبھی نماز پڑھی ہوتی تو اسے جائے نماز ملتا۔ اچانک اسے یاد آیا، گھر کا بٹلر اکثر نماز پڑھا کرتا تھا اور نماز پڑھ کر کچن میں آیا کرتا تھا۔ وہ بلا جھجک اس کے کوارٹر میں گئی تھی اور جائے نماز لے کر آئی تھی۔

نہ جانے اس نے آخری بار نماز کب پڑھی تھی۔ پڑھی تھی بھی کہ نہیں اسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔ اس نے اپنے اردگرد اچھی طرح سے دوپٹہ لپیٹ رکھا تھا جائے نماز بچھا کر وہ اس پہ کھڑی ہوگئی تھی۔ پھر نہ جانے کیسے اس نے نماز پڑھی تھی۔ کون سا رکن ادا کرتے ہوئے اس نے غلطی کی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ نماز ٹھیک سے پڑھ بھی رہی تھی کہ نہیں بس اللہ جانتا تھا اور وہی اپنے حکم کے مطابق اس سے سب کچھ کروا رہا تھا۔ اسی کے حکم سے وہ کامیابی کے راستے کی طرف گئی تھی۔ اب اسی ذوناش کو ہدایت کے راستے پہ بھی لے کر جانا تھا۔ ہدایت، بھلائی اور کامیابی کے راستے کی طرف۔ جب اس نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کیے تھے تو آنسو خود بخود اس کی آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر بہنے لگے تھے۔

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اللہ سے کیا مانگے؟ کیسے مانگے؟ بس وہ زار و قطار روئے جا رہی تھی اسے اپنی مرحومہ ماں شدت سے یاد آئی تھی۔ اسے اپنا لاڈلہ بھائی ذونین کمال قریشی بھی شدت سے یاد آیا تھا۔ اس کے بعد اس کی آنکھوں میں کومیل آفریدی کا چہرہ آن بسا تھا اس کے رونے میں اور بھی شدت آگئی تھی۔ یہاں تک کہ اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔ پتہ نہیں وہ کیوں رو رہی تھی ایسا کون سا احساس تھا جو اسے اللہ کی بارگاہ میں یوں گڑگڑانے پہ مجبور کر رہا تھا۔

آہستہ آہستہ اس کے رونے میں کمی آنے لگی تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے مسائل کی فہرست اللہ نے پڑھ لی تھی۔ اللہ کے آگے رونے سے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔ ایک عجیب سے سکون نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ وہ خاموش اب بھی تھی مگر اب اس کے چہرے پہ ایک اطمینان تھا سکون تھا۔ صبح ناشتہ اس نے کمال قریشی کے ساتھ کیا تھا۔ آج اس نے ایکسرسائز اور یوگا نہیں کیا تھا۔ کمال قریشی کے آفس جاتے ہی اس نے کومیل کو موبائل پہ کال کر کے گاڑی ریڈی رکھنے کی ہدایت کر دی تھی اور جب وہ پورچ میں آئی تھی تو وہ گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

''السلام علیکم!'' اس نے ذوناش کو ٹراؤزر شرٹ پہ دوپٹہ لئے دیکھ کر حیرت سے اسے سلام کیا اور اس کے لئے دروازہ کھولا۔

''وعلیکم السلام!'' وہ مختصر جواب کے ساتھ خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

''میم کہاں جائیں گی آپ؟'' کومیل نے مرر سیٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''Al huda international۔'' ہنوز مختصر جواب کے اطلاع دی گئی۔

اور پھر اس نے Al huda جوائن کر لیا تھا، جہاں ڈاکٹر فرحت ہاشمی نے اس کی رہنمائی کی تھی۔ پہلی کلاس اٹینڈ کر کے اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے دل و دماغ پہ چھائے ہوئے بوجھ ہٹا دیئے تھے۔ چار گھنٹے کے بعد جب وہ انسٹی ٹیوٹ سے باہر آئی تھی تو اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں جیسے وہ بہت روئی ہو۔ واپسی کا سفر بھی وہ اسی طرح خاموشی بیٹھی رہی تھی اور کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی تھی۔

کومیل نے کئی بار مرر سے اسے دیکھا تھا۔ وہ اس کی حد درجہ خاموشی سے خائف ہونے لگا تھا۔

''میم آپ ٹھیک تو ہیں نا؟'' بالآخر اس نے تشویش سے پوچھ ہی لیا تھا۔

''ہاں ٹھیک ہوں۔'' مختصر جواب۔

''مگر آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی ہیں؟'' کومیل نے ایک جگہ یوٹرن لیا۔ ہنوز اس کے لہجے میں ذوناش کے لئے فکرمندی تھی۔

''اور مجھے لگ رہا ہے جیسے میں آج ہی ٹھیک ہوئی ہوں۔ ایک طویل بیماری سے۔'' اس نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

''آپ میں ایک عجیب چینج سا فیل ہو رہا ہے مجھے۔'' اس نے اعتراف کیا۔

''کبھی کبھی زندگی بدلنے میں وقت نہیں لگتا۔ وقت کسی چور کی طرح دبے پاؤں آ کر ہمارے ذوق زندگی کو ہماری ترجیحات کو حتیٰ کہ ہم کو بھی بدل جاتا ہے جیسے کوئی بھولی بسری ہوئی دعا اچانک قبول ہو کر عقیدتوں کے سفر پہ گامزن ہو جاتی ہے۔''

وہ کوئی رائٹر نہیں تھی اور نہ ہی کوئی فلاسفر تھی مگر اس کی باتیں اور ان باتوں کی گہرائی کومیل کے دل میں کھب جاتی تھیں۔

''کیا مطلب؟ میں سمجھ نہیں پا رہا؟'' وہ کچھ نا سمجھی میں بولا، تو وہ بات بدل گئی۔

''کیا کرو گے میری باتیں سمجھ کر؟ چھوڑو یہ بتاؤ گھر میں سب خیریت ہے تمہارے؟''

''جی سب ٹھیک ہیں ماں اور ابا اکثر آپ کا حال پوچھتے ہیں مجھ سے اور ابرش تو بہت یاد کرتی ہے آپ کو۔'' اب وہ گھر کے قریب پہنچ چکے تھے۔ کومیل کے بتانے پہ ایک دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ ٹھہر گئی۔

''تمہارے گھر والے بہت اچھے ہیں۔ بہت محبت کرنے والے۔ یقیناً تمہاری بیوی بہت خوش قسمت ہو گی۔ وہ ان محبتوں سے گندھے رشتوں کے درمیان رہے گی۔'' ذوناش کی بات پہ بے اختیار اس نے مرر سے اسے دیکھا تھا۔ اس کی نظریں جم سی گئی تھیں ذوناش پہ۔ مگر وہ شیشے کے پار دیکھ رہی تھی۔ اس کے بعد دونوں میں کوئی بات نہ ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ وہ کمال پیلس میں داخل ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆

''کبھی کبھی بے موسم ہی بارشوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے انسان کے اندر بھی اور باہر بھی۔'' وہ بھی تھوڑی دیر پہلے ایک مشہور مذہبی سکالر کا توبہ پہ بیان سن کر ہٹی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے رواں تھے۔ وہ کیسی گمراہی کی زندگی گزار رہی تھی اب تک۔

اس نے تو کبھی اللہ کی نعمتوں کا اس کی دی ہوئی آسائشات کا اس کی دی ہوئی تندرستی کا کبھی شکر تک ادا نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنی کسی غفلت، کوتاہی اور کسی گناہ پہ کبھی توجہ استغفار تک نہ کیا تھا۔

یہ اس کی اپنی غفلت بھری زندگی گزارنے پہ ندامت کا احساس ہی تھا جو اسے توبہ کرنے پہ اور راہ ہدایت پہ چلنے کے لئے اللہ کے آگے رونے پہ مجبور کر رہا تھا۔

وہ بے ہودہ لباس پہنا کرتی تھی۔ نائٹ کلبوں میں جایا کرتی تھی۔ جن چیزوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے ان کا استعمال کیا کرتی تھی۔ رونا تو اس کو آنا ہی تھا۔ وہ ہنوز اسی طرح بے آواز روتی ہوئی گلاس وال کے قریب آ گئی تھی۔ اس نے پردے ہٹا دیئے تھے۔

باہر بارش ہو رہی تھی۔ گلاس وال پہ پانی کے قطرے جمتے جا رہے تھے۔ باہر ہونے والی بارش کے ساتھ اس کے آنسو بھی شامل تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ باہر اب بھی آسمان پہ گہرے بادل بنے ہوئے تھے مگر بہت سا رو لینے کے بعد اس کے اندر چھائے بے سکونی اور ندامتوں کے بادل چھٹتے جا رہے تھے۔ ایک ان دیکھا سکون اور راحت اس کے دل میں بسیرا کرنے لگی تھی۔ اس کا دھیان جیسے ہر چیز سے ہٹ گیا تھا۔ کومیل کے لئے اس کے دل میں موجود محبت جیسے سات پردوں میں کہیں چھپ گئی تھی اس کے دل میں اگر کوئی بسا ہوا تھا تو وہ صرف اللہ تھا۔ اس کے دل میں اگر کوئی نام گونج رہا تھا تو وہ بھی صرف اللہ کا ہی تھا۔ ان چند دنوں میں ہی اس کے لباس میں ایک چینج آ گیا تھا۔ اس نے بے ہودہ لباس پہننا چھوڑ دیا تھا وہ باقاعدگی سے الہدیٰ جانے لگی تھی۔

اس کی آنکھوں میں وحشت بن کر ناچتی ہوئی بے سکونی اب ایک راحت میں بدل گئی تھی۔ مرسل اپنی خالہ زاد زونی کو بھرپور ٹائم دے رہا تھا جو آج کل کینیڈا سے دو ہفتوں کے لئے آئی تھی۔ مرسل ایک ہفتے کے بعد کمال پیلس آیا تھا اور اس کا حلیہ دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں نماز عصر پڑھ کر ہٹی تھی جب وہ بلا جھجک اس کے روم میں آ گیا تھا۔ وہ شلوار قمیض میں ملبوس تھی اور اس کے سر پہ ابھی تک دوپٹہ تھا جو اس نے نماز کی ادائیگی کے لئے ماتھے تک اوڑھ رکھا تھا۔

''What have you done with your appearance Zunash?'' مرسل نے ازحد حیرت سے اسے سرتاپاؤں دیکھتے ہوئے پوچھا تھا اور اس نے ہنوز پرسکون انداز سے الٹا اس پہ سوال داغ دیا تھا۔

''What happend to my appearance?'' زوناش کے پرسکون سوال نے اسے حیرت میں ڈال دیا تھا۔

''میں نے زندگی میں پہلی بار تمہیں یوں شلوار قمیض اور اس طرح کے اسٹوپڈ سے حلیے میں دیکھا ہے۔ اس لئے حیرت ہو رہی ہے مجھے۔'' وہ حیرت سے اسے سرتاپاؤں دیکھتا ہوا اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

''اب اس حلیے میں تم مجھے انشاء اللہ ہمیشہ دیکھو گے۔ اس لئے پلیز اب میرے لباس کو اس طرح کے حقیر الفاظ مت دینا۔'' وہ اس کے سامنے سے ہٹتی ہوئی بولی تو مرسل نے اسے کلائی سے تھام کر پھر سے اپنے مقابل لا کھڑا کیا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو ہنی؟ کسی نے برین واش تو نہیں کر دیا تمہارا؟'' مرسل کی آنکھوں میں اب بھی حیرت تھی۔

''کاش اللہ میرا بچپن ہی میں برین واش کر دیتا۔ مجھے گمراہی اور ہدایت کے بیچ کا اصل راستہ بتا دیتا تو میں اپنی زندگی کے باقی کے سال اس طرح نہ گزارتی جس طرح سے گزارتی آئی ہوں۔'' وہ اطمینان سے بولتی ہوئی اس کے ہاتھ سے اپنی کلائی چھڑاتے ہوئے دھیرے سے پرسکون انداز میں بولی، تو کتنے ہی لمحے مرسل اسے دیکھتا رہ گیا۔

''یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو میری جان؟'' مرسل نے اسے بے ساختہ حیرت سے دیکھتے ہوئے اسے شانوں سے تھام کر اپنے مقابل کر لیا۔

ابھی دو ہفتے پہلے تو وہ بالکل نارمل تھی اور اپنے ہوشربا حسن کے ساتھ مرسل کے ساتھ ایک آفیشل ڈنر پہ گئی تھی جہاں اس کے حسن اس کے پرفیکٹ فگر اور گلیمر کے چرچے زبان زد عام ہوئے تھے۔

''میں کوئی انہونی باتیں نہیں کر رہی ہوں تم اتنے حیران کیوں ہو رہے ہو اور پلیز جب تک ہماری شادی نہیں ہو جاتی مجھے ٹچ مت کرنا۔'' ذوناش نے دھیرے سے اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹاتے ہوئے کہا تھا۔

''کم آن ذونا ڈارلنگ! یہ کس قسم کی دقیانوسی باتیں کر رہی ہو تم۔ یہ سب فضول قسم کی باتیں کس نے بھری ہیں تمہارے برین میں؟ کیوں اچانک نیک پروین بننے کا بھوت سوار ہو گیا تم پہ؟''

''فار گاڈ سیک مرسل! میرے خیالات اور بدلے ہوئے احساسات کو اتنے توہین آمیز الفاظ مت دو، بس یوں سمجھ لو کہ اللہ نے مجھے گمراہی کے راستے سے ہٹا کر نیکی، ہدایت اور بھلائی کا راستہ ڈھونڈ دیا ہے، جہاں پاؤں رکھتے ہی ایک روحانی خوشی اور اطمینان نے مجھے وہ سکون عطا کر دیا ہے جو مجھے کبھی نائٹ کلبوں، شراب اور سلیپنگ پلز کھا کر بھی نہیں ملا۔'' وہ آہستگی سے اسے بتاتی گئی تھی اور وہ حیرت و تاسف سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

ذوناش نے میوزک کلاس لینی چھوڑ دی تھی۔ کچھ دنوں سے وہ ایروبک بھی نہیں کر رہی تھی۔ وہ فجر کی نماز پڑھ کر باہر لان میں آ گئی تھی، جہاں کومیل مارشل آرٹس کی مشق کر رہا تھا۔ وہ اس پہ ایک سرسری سی نگاہ ڈال کر بینچ پہ بیٹھ گئی تھی۔

کومیل کو اس کا یوں نظر انداز کرنا اب بے چین کر دیا کرتا تھا۔ پہلے وہ اس سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈا کرتی تھی مگر آج کل وہ اس پہ ایسے نگاہ ڈالتی جیسے وہ اس کے لئے غیر اہم ہو گیا تھا۔ اس قسم کی توقع ذوناش سے لگانا سراسر بے وقوفی تھی۔ کومیل نے خود اسے

دھتکارا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ ذوناش مرسل کو دل سے اپنی زندگی کا ساتھی مان لے۔ مگر اب نہ جانے کیوں کومیل کا دل ایسی بے وقوفیوں پہ اتر آیا تھا؟ وہ کیوں لاشعوری طور پہ ذوناش سے توقعات لگا رہا تھا کہ وہ ہمیشہ اس کے پیچھے بھاگے، اس سے محبت کی فریاد کرے۔

وہ خاموش ہوگئی تھی اور بہت حد تک پرسکون بھی اور اس کی یہی خاموشی اور سکون، کومیل کو بے سکون کر رہا تھا۔ اس کی ظاہری شخصیت میں بھی ایک چینج آ گیا تھا۔ ایک عجیب سی کشش تھی جو کومیل کو اس کی طرف کھینچنے لگی تھی۔ محبت شاید اس سے انتقام لینے پہ اتر آئی تھی۔

اب بھی وہ لان چیئر پہ بیٹھی تھی اور درختوں پہ شور مچاتی ہوئی چڑیوں کو دیکھ رہی تھی جب وہ اپنی مشق چھوڑ کر اس کے پاس آ گیا تھا۔

''السلام علیکم میم!'' مودبانہ انداز میں سلام کیا گیا۔

''وعلیکم السلام!'' مختصر جواب۔

''کیسی ہیں آپ میم؟''

''ٹھیک ہوں بالکل، شکر ہے اللہ کا، تم کیسے ہو؟'' کومیل کا جی چاہا کہ وہ اسے بتائے۔

''میں ٹھیک نہیں ہوں میم، آپ سے دور رہوں یا آپ کے قریب دونوں صورتوں میں ایک جیسے دکھ نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے۔ میرے دل کی دھڑکنیں مجھ سے بغاوت کرنے لگی ہیں۔ آپ کی آرزو میری جستجو بنتی جا رہی ہے آپ کی ذات میرے دل کا عنوان بنتی جا رہی ہے۔ میری آنکھوں کا چراغ بنتی جا رہی ہیں آپ۔''

وہ یہ ساری باتیں اس سے کہنا چاہتا تھا مگر وہ کہہ نہیں پایا تھا اور نہ ہی وہ کہنا چاہتا تھا، اب اسے اپنی یہ محبت اپنے یہ احساسات اس سے چھپا کر رکھنے تھے۔

☆......☆......☆

ذوناش کی شخصیت میں رونما ہونے والی تبدیلی نے کمال قریشی سے لے کر کبیر قریشی، عالیہ بیگم اور مرسل کو نہ صرف حیران کیا تھا بلکہ پریشان بھی کر دیا تھا۔ ان سب کا تعلق جس سوسائٹی سے تھا وہاں دین سے ایسا رجحان لگاؤ اور پھر شخصیت کا ایسا نمایاں بدلاؤ، نہایت حیرت انگیز، فکر انگیز بات تھی۔ سب یہی سمجھ رہے تھے کہ کسی مذہبی سکالر نے اس کا برین واش کر دیا تھا۔ اب وہ اپنی کلاس اپنی سوسائٹی میں موو کرنے یا ایڈجسٹ ہونے کے قابل نہیں رہی تھی اور یہ بات سب سے زیادہ مرسل کے لئے تشویش کا باعث بن رہی تھی کیونکہ وہ ایک نہایت لبرل اور الٹرا ماڈرن قسم کا انسان تھا۔ ذوناش اور اس کے بیچ شخصیت کا نمایاں تضاد مرسل کے لئے پریشان کن ہی تھا۔ مرسل نے اسے سمجھانے کی بھرپور کوشش کی تھی مگر ذوناش نے دین اسلام کے خوبصورت دلائل دے کر مرسل کو ان کوششوں کو ترک کرنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سب نے ذوناش کو اس کے حال پہ چھوڑ دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے بجائے منگنی کے مرسل اور ذوناش کو نکاح کے بندھن میں باندھنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور رخصتی چھ ماہ کے بعد دھوم دھام سے کرنے کا پروگرام طے پایا تھا۔

سوکمال پیلس میں آج کل ذوناش اور مرسل کے نکاح کی تیاریاں ہونے لگی تھیں۔

اس کے نکاح کی خبر سن کر کومیل اندر ہی اندر ریت کی دیوار کی طرح گر رہا تھا۔اس نے آسانی سے ذوناش کو اپنی زندگی میں داخل ہونے سے روک دیا تھا مگر وہ اسے اپنے دل پہ قابض ہونے سے نہیں روک پایا تھا۔

وہ چھ فٹ کا مرد اندر ہی اندر بے بسی کی تصویر بنتا جارہا تھا۔اسے ذوناش سے اس وقت محبت ہوئی تھی جب وہ کسی کے نکاح میں بندھنے جارہی تھی۔اس کے اندر کی دنیا تہہ بالا ہو رہی تھی صرف اس احساس سے کہ وہ ہمیشہ کے لئے مرسل قریشی کی ہونے جارہی تھی۔وہ دل ہی دل میں جل کر خاک ہو رہا تھا۔ایک گلیشیئر سے موم ہو رہا تھا یہ اس کے اندر کی بے چینی اضطراب اور تکلیف ہی تھی جس نے کومیل لائبریری جانے پہ مجبور کر دیا تھا۔اس کے نکاح میں فقط دو دن باقی تھے اور آج کومیل نے اسے بہت دنوں کے بعد لائبریری کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔وہ بک ریکس کے پاس کھڑی تھی اور کوئی کتاب ڈھونڈ رہی تھی جب وہ دھڑلے سے اندر آیا تھا۔

ذوناش نے ایک لمحے کے لئے حیرت سے اسے دیکھا تھا کہ اس نے کومیل کو کسی کام کے لئے نہیں بلایا تھا تو وہ کیوں آیا تھا اس کے پاس؟

”کیا بات ہے کومیل؟ تم کچھ پریشان لگ رہے ہو؟ تمہارے گھر میں سب خیریت ہے ناں۔تمہارے ابا، ماں اور ابرش سب ٹھیک تو ہیں ناں؟“ اس کے چہرے پہ اڑتی ہوائیاں دیکھ کر وہ واقعی پریشان ہو گئی تھی۔

”سب ٹھیک ہیں مگر میں ٹھیک نہیں ہوں۔“ وہ اس پہ نظریں مرکوز کئے چلتا ہوا اس کے قریب آیا جو اس وقت بلیک ٹراؤزر پہ پرپل شرٹ پہنے شانوں پہ بلیک دوپٹہ ڈالے اس کے دل کی دنیا کو تہہ و بالا کر رہی تھی۔

”کیوں کیا ہوا تمہیں؟“ وہ ہاتھ میں پکڑی کتاب واپس ریک میں رکھتی ہوئی پوچھنے لگی۔

”میں...... میں آپ کو کسی اور کا ہوتا ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔آپ کی محبت نے مجھے بے بس کر دیا ہے ذوناش، آئی ریئلی لو یو، مجھے ایسا لگ رہا ہے اگر آپ مجھے نہ ملیں تو میرا سانس بند ہو جائے گا۔“ کومیل بے ساختگی اور دیوانے پن سے اسے شانوں سے تھام کر اپنے دل کی بے قراری اس پر عیاں کر رہا تھا۔

اس کا اعتراف سن کر آنسو ٹپ ٹپ ذوناش کی آنکھوں سے گرنے لگے تھے۔وہ دیوانوں کی طرح اس سے محبت کا اظہار کر رہا تھا اور اس وقت کر رہا تھا جس وقت وہ نکاح جیسے مقدس بندھن میں بندھنے والی تھی۔اس شخص کی زوجیت میں آنے والی تھی جس سے اسے کبھی محبت نہیں تھی۔دفعتاً اس نے کومیل کے ہاتھ اپنے شانوں سے جھٹک دیے تھے۔

”اٹس ٹو لیٹ کومیل، میرا نکاح طے کر دیا ہے ڈیڈ نے اب یہ باتیں بے معنی ہو گئی ہیں۔“

”کیوں...... کیوں بے معنی ہو گئی ہیں یہ باتیں آپ...... آپ تو مجھ سے محبت کرتی ہیں اور محبت میں تو آخری سانس تک آس

رہتی ہے، امید رہتی ہے۔" وہ آج اپنے اختیار میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کی بے تابی دیکھ کر ذوناش کے اندر کی دنیا مسمار ہونے لگی تھی۔

تم

جانتے ہو مجھے کیا پسند ہے؟

برستی بارش

سمندر کی لہریں

پھولوں کی خوشبو

چاندنی راتیں

اچھی شاعری

اور جانتے ہو؟

سب سے زیادہ

مجھے کیا پسند ہے؟

اس تحریر کا پہلا لفظ

ذوناش کے لہجے میں ٹوٹے اور بکھرے ہوئے خوابوں، جذبوں اور مرجھائی ہوئی محبت کا ماتم تھا وہ شخص اس کو اپنی حیات کی طرح لگتا تھا مگر اب یہی حیات اس کے لئے عمر بھر کا روگ بن گئی تھی۔ ایک ایسی تکلیف بن گئی تھی جسے اس نے اپنے دل کے نہاں خانوں میں چھپا لیا تھا۔ وہ اس کی زندگی کا پہلا اور آخری عنوان تھا وہ عنوان جو اسے اب خود سے بھی چھپا لینا تھا۔

"اگر آپ مجھ سے اتنی محبت کرتی ہیں تو پھر، فیصلہ کرنا کیوں مشکل ہو رہا ہے آپ کے لئے؟" وہ ایک بار پھر اسی بے تابی سے اس سے استفسار کر رہا تھا۔

"پہلے فیصلہ تم نے کیا تھا، مجھے ریجیکٹ کرنے کا فیصلہ۔ اب ایک فیصلہ میں نے کیا ہے، اپنے ڈیڈ کی خوشی کے لئے۔ میرا نکاح طے ہو چکا ہے۔ ڈیڈ میرے نکاح کے دعوت نامے بانٹ چکے ہیں۔ گھر میں تیاریاں ہو رہی ہیں میرے نکاح کی اور تم...... تم مجھے کہہ رہے ہو کہ میرے لئے فیصلہ کرنا مشکل کیوں ہو رہا ہے؟ تم بہت ظالم ہو کومیل۔ تم نے میری محبت کا بہت بڑا امتحان لیا ہے۔ مجھے سمندر کے بیچ لا کھڑا کیا ہے۔ نہ مجھے منزل نظر آ رہی ہے اور نہ واپسی کا راستہ دکھائی دے رہا ہے۔ کاش تم اپنے اندر کا ادھورا سچ کم از کم آج مجھ سے نہ کہتے۔ میرا ویران اور اجڑا ہوا دل تمہاری محبت کی آس میں جب دیمک بن گیا تو تمہیں میرے آسیب زدہ دل کے دروازے پہ دستک کا خیال آیا۔ اٹس ٹو لیٹ کومیل اٹس ٹو لیٹ۔" وہ روتی ہوئی لائبریری سے باہر نکل گئی تھی۔

کومیل کتنے ہی لمحے اس دروازے کو دیکھتا رہ گیا تھا جہاں سے وہ تھوڑی دیر پہلے چلی گئی تھی۔
یہ دروازہ اس نے خود اپنے ہاتھوں سے بند کیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وقت کا کوئی ریورس گیئر نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا تو وہ واپس جا کر ذوناش سے اپنے عہد و پیمان واپس لے لیتا اور اس کے اظہار محبت کے جواب میں اس کی حوصلہ افزائی کرتا۔ مگر وہ سب ماضی کا حصہ بن چکا تھا۔ اس کے چاہنے یا نہ چاہنے سے اب کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا۔

☆......☆......☆

آج وہ اپنے دل کے ہاتھوں ہار گیا تھا۔ محبت کسی گہرے زخم کی طرح اسے نڈھال کر گئی تھی۔ آج اسے احساس ہوا تھا کہ ذوناش کے دل پہ اس وقت کیا گزر رہی ہوگی، جب وہ بار بار اس کے پاس امید و بیم کے ساتھ محبت کے بادبان کھولنے آئی تھی۔ مگر محبت کے سمندر میں نہ اسے کشتی ملی تھی اور نہ بادبان کھلے تھے۔ اسے ذوناش کی بددعا لگ گئی تھی۔ آج ذوناش کا نکاح تھا صبح ہی سے کمال پیلس کو سجانے سنوارنے کا سلسلہ جاری تھا۔ صبح سے شام ہو گئی تھی کومیل کو تھوڑی دیر بعد ہونے والی رات سے ڈر لگ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کا مرسل سے نکاح ہونے والا تھا۔ کمال پیلس میں مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ وہ ایک بے جان وجود کے ساتھ اپنی ڈیوٹی نبھا رہا تھا۔

ذوناش خوبصورت عروسی لباس پہنے تیار ہو چکی تھی۔ کومیل کے اندر اور باہر سناٹا چھایا ہوا تھا۔

کمال قریشی کومیل سے ذوناش کی سکیورٹی کے حوالے سے نہایت فکرمندی سے ڈسکشن کر رہے تھے اور کومیل نے ہر لحاظ سے انہیں بے فکر رہنے کی یقین دہانی کروائی تھی۔

کمال پیلس کے چاروں طرف گارڈز کو ہائی الرٹ کر دیا گیا تھا۔ وسیع لان میں خوبصورت فریش فلاورز کا اسٹیج بنایا گیا تھا۔

کبیر قریشی، عالیہ بیگم اور مرسل بھی کمال پیلس پہنچ گئے تھے۔ کومیل کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ جب زوئے تیار ہوئی ذوناش کو لے کر لان میں اسٹیج کی طرف بڑھی تھی، جہاں مرسل پہلے سے براجمان تھا۔ فوٹوگرافر دھڑا دھڑ اس کی تصویریں لے رہا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اسٹیج کی طرف آ رہی تھی۔

مرسل نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ذوناش کا ہاتھ تھام لیا تھا اور اسے اسٹیج تک آنے میں مدد دی تھی۔ لان میں بہترین ساؤنڈ سسٹم کی بدولت مشہور سونگ "اب تم ہی ہو" کی دھن گونج رہی تھی۔

اسٹیج کے پاس کھڑے کومیل آفریدی کا دل ڈوب رہا تھا وہ جانتا تھا اگر وہ لمحہ بہ لمحہ مر رہا تھا تو زندہ وہ بھی نہیں تھی۔ وہ یہ سب یقیناً مجبوراً کر رہی تھی۔ اچانک اس کی بے بس نظریں کومیل کی جانب اٹھی تھیں اور پھر اگلے ہی لمحے ان میں پانی تیر گیا تھا۔

مرسل اب اس کا ہاتھ تھامے فوٹوگرافرز کو پوز دے رہا تھا۔ کمال قریشی اسٹیج کے ساتھ بنے ڈائس پہ آ کر لان میں موجود تمام مہمانوں کو اس تقریب میں شرکت کے لئے آنے پہ شکریہ کہنے والے تھے۔ مرسل اور ذوناش اب خوبصورت صوفے پہ ایک ساتھ بیٹھ چکے

تھے۔ کبیر قریشی، مولوی صاحب کو لے کر اسٹیج کی طرف آ رہے تھے۔ کومیل کو ایسا لگا جیسے تھوڑی دیر کے بعد اسے کوئی سزائے موت سنانے والا تھا۔ اس کا سانس اس کے سینے میں دب رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ کنگال ہونے والا ہے۔ کچھ لمحوں کے بعد اس کے پاس کچھ نہیں رہنا تھا۔

☆......☆......☆

ابرش کا رشتہ اس کی رضامندی سے طے کر دیا تھا۔ آج کل اس کے تھیسس کا کام ہو رہا تھا۔ اسی وجہ سے آج اس کا یونیورسٹی پوائنٹ مس ہو گیا تھا اور وہ اپنی فرینڈ کے ساتھ لوکل بس میں سفر کر رہی تھی جو کہ مسافروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ بس میں سیٹ خالی نہ ہونے کے باعث وہ اپنی فرینڈ کے ساتھ کھڑی تھی۔ ایک ہاتھ سے اس نے بس کے درمیان لگے پائپ کو تھام رکھا تھا۔ کچھ ہی دیر کے بعد ایک جگہ بس رکنے پہ اس بس میں ایک خوش شکل اور ویل ڈریس نوجوان سوار ہوا تھا اور اتفاقاً وہ ابرش اور اس کی فرینڈ کے قریب کھڑا ہو گیا تھا۔ ایک تو بس کھچا کھچ بھری ہوئی تھی دوسرا روڈ خراب ہونے اور دھکم پیل کے باعث غیر ارادی طور پہ دو تین بار اس نوجوان کا کندھا ابرش سے ٹکرایا تھا۔ جب تیسری بار ایسا ہوا تو ابرش نے اس نوجوان کو سخت سست سنانے کے لئے اپنے لب کھولے ہی تھے کہ دفعتاً ایک اسپیڈ بریکر کی بدولت اس نوجوان کو اپنے عقب سے ایک زوردار دھکا پڑا تھا اور وہ اپنا توازن کھو کر بے ساختہ اپنے قریب کھڑی ابرش پہ گر گیا تھا۔ ابرش نے ایک ہاتھ اس کے سینے پہ رکھ کر اگلے ہی لمحے اسے خود سے ہٹایا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ، ایک زوردار تھپڑ اس نوجوان کے منہ پہ دے مارا تھا۔ وہ جو اس اچانک افتاد پہ اس سے ایکسکیوز کرنے ہی والا تھا کہ اس کے ہولناک تھپڑ نے اس نوجوان کے لبوں سے الفاظ ہی چھین لئے تھے۔ شرمندگی، نہایت غصے اور بے یقینی کی ایک لہر اس کے بدن میں دوڑ گئی تھی اور وہ تھی کہ تھپڑ کے ساتھ ساتھ اس پہ مزید برس رہی تھی۔

"لڑکیوں کو چھیڑنے کے یہ طریقے بہت پرانے ہو چکے ہیں مسٹر، اب نہ یہ طریقے رہے ہیں اور نہ وہ بزدل لڑکیاں رہی ہیں جو آپ جیسے چیپ اور آوارہ لڑکوں کی ایسی بے ہودہ حرکتوں پہ خاموش ہو جایا کرتی تھیں، لہٰذا آئندہ کسی بھی لڑکی کو یوں چھیڑنے اور ٹچ کرنے سے پہلے اس تھپڑ کو یاد ضرور کر لیا کرنا۔" ابرش کی جرأت اور غصے پہ پوری بس میں سکوت چھا گیا تھا۔ بس میں موجود تمام خواتین و حضرات اس نوجوان کو حقارت دلچسپی اور قابل رحم نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اتنے لوگوں کے درمیان ایک لڑکی نے اسے ایک تماشہ بنا کر رکھ دیا تھا۔

وہ نوجوان از حد حیرت، بے یقینی اور نہایت غصے سے ابرش کو یوں گھور رہا تھا جیسے اسے کچا چبا جائے گا۔ اس نوجوان کی نظروں میں اس کے لئے خون اترنے لگا تھا۔ ابرش کی فرینڈ نے اسے کہنی مار کر خاموش رہنے کو کہا تھا۔ اگلے چند لمحوں کے بعد ابرش اور اس کی فرینڈ کا پوائنٹ آ گیا تھا اور وہ ہنوز غصے سے اپنی فرینڈ کے ساتھ بس سے نیچے اتری تھی۔ وہ ایک دلیر اور بہادر بھائی کی بہن تھی۔ اپنی حفاظت کرنا بھی جانتی تھی۔ کلاس میں کسی لڑکے کو اس سے بات چیت کرنے یا دوستی کی خواہش اس پہ ظاہر کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوئی تھی۔ لہٰذا ابرش کے لئے بس میں ہونے والا یہ واقعہ نہایت معمولی نوعیت کا تھا، جسے یاد رکھنا اس کے لئے ضروری نہ تھا۔

مگر اس نوجوان کے لئے یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ ایک راہ چلتی لڑکی نے محض ایک غلط فہمی کے باعث اسے لوگوں سے بھری بس میں ذلیل کر دیا تھا۔ اس کی عزت اسے تھپڑ مار کر دو کوڑی کی کردی تھی۔ وہ اپنے آپ سے شرمندہ ہو رہا تھا اور سر اٹھانے کے قابل نہ رہا تھا۔ لڑکیاں اس سے دوستی کی خواہش کیا کرتی تھیں اور اس لڑکی نے اسے چند لمحوں میں بے عزت کر دیا تھا۔ اس کا خون کھول رہا تھا۔

☆......☆......☆

مولوی صاحب اسٹیج پہ آ چکے تھے۔ وہ نکاح پڑھوانے کی تیاری کر رہے تھے۔ وہ اسٹیج پہ عین ذوناش کے پیچھے کھڑا تھا۔ مرسل نے ایک لمحے کے لئے گردن موڑ کر اپنے اور ذوناش کے پیچھے کھڑے کومیل کو ناگواری سے دیکھا تھا۔ جواباً کومیل نے اس کی ناگواری بھانپ کر دھیرے سے اسے جواب دیا تھا۔

''سوری سر! اٹس مائے ڈیوٹی۔ میم کی سکیورٹی کے لئے میرا یہاں کھڑے رہنا ضروری ہے۔'' کومیل نے پروفیشنل انداز میں کہا تو مرسل سیدھا ہو بیٹھا۔ مولوی صاحب نے نکاح پڑھوانا شروع کیا۔

''بیٹی ذوناش ہم سنت رسول e کے مطابق آپ کا نکاح بعوض پچاس لاکھ روپے حق مہر معجل عزیزم مرسل قریشی ولد کبیر قریشی کے ساتھ پڑھوانا چاہتے ہیں کیا آپ کی طرف سے اجازت ہے؟'' مولوی صاحب نے ذوناش سے اجازت لی۔

کومیل کا دل اچھل کر جیسے حلق میں آ گیا تھا۔ اسے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا، توقف کے بعد وہ آہستگی سے بولی تھی۔

''جی اجازت ہے۔'' اس کے بعد مولوی صاحب مرسل سے مخاطب ہوئے۔

''عزیزم مرسل قریشی ہم آپ کا نکاح بعوض پچاس لاکھ روپے حق مہر معجل ذوناش بنت کمال قریشی سے کروا رہے ہیں۔ کیا آپ کو قبول ہے؟'' اس سے پہلے کہ مرسل مولوی صاحب کے سوال پہ قبول ہے کہتا، کومیل نے ایک جھٹکے سے ذوناش کو عقب سے پکڑ کر دائیں جانب صوفے پہ گرا دیا تھا۔ اس اچانک اور غیر متوقع افتاد پہ ذوناش کے لبوں سے چیخ نکل گئی تھی۔

اگلے ہی لمحے ایک اندھی گولی کومیل کے کندھے کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ خون تیزی سے بہتے ہوئے اس کی شرٹ کو بھگو رہا تھا۔ صرف ایک لمحے کا کھیل تھا اگر وہ ایک لمحہ بھی تاخیر کر دیتا تو وہ اندھی گولی ذوناش کے سر میں پیوست ہو کر اس کا کام تمام کر دیتی۔

کومیل کے کندھے سے بہتا ہوا خون دیکھ کر ذوناش کی چیخیں نکل گئی تھیں۔ ہر طرف بھگدڑ مچ گئی تھی۔

کومیل اگلے چند لمحوں کے بعد عقب سے نکل کر لان کے اس حصے کی جانب بھاگا تھا جہاں فائر کرنے والے کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔

''کومیل رک جاؤ، آگے مت جاؤ۔'' عقب سے ذوناش نے چیختے ہوئے اسے پکارا تھا۔ وہ شدید خوف و ہراس میں مبتلا تھی۔ مرسل اس ہنگامی صورتحال میں اسٹیج سے نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے کومیل نے گردن موڑ کر چلاتے ہوئے ذوناش کو

"Zonash go to your room hurry up your life is in danger hurry up" ہدایت دی تھی

کومیل اسے ہدایات دے کر اپنے کندھے سے بہتے خون کی پرواہ نہ کرتے ہوئے لان کے اس حصے کی جانب فائر کرتے ہوئے بڑھ گیا تھا، جہاں سے ذوناش پہ گولی چلائی گئی تھی۔کمال قریشی حواس باختہ سے ذوناش کے پاس آئے تھے اور خوف و حیرت سے کانپتی ذوناش کا ہاتھ تھام کر تقریباً بھاگتے ہوئے مین انٹرنس کی جانب بڑھے تھے۔ ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔نکاح کی تقریب میں مدعو مہمان شدید خوف و ہراس میں جتلا ادھر بھاگ رہے تھے۔اس دوران گھر کے کسی ملازم نے قریبی پولیس اسٹیشن میں فون کر کے اس واقعہ کی اطلاع دے دی تھی۔

کومیل فائر کرنے والے شخص کو زندہ پکڑنا چاہتا تھا تاکہ اس شخص تک رسائی ممکن ہو سکے جس کے تھرو وکرم سنگاپور سے پاکستان میں ذوناش پہ یوں حملے کروا رہا تھا۔

کومیل اب آہستہ آہستہ چھپ چھپا کر درختوں کے جھنڈ کے قریب جا رہا تھا۔فائر کرنے والا اپنی پوزیشن بدلنے کے لئے ایک درخت کی اوٹ سے نکل کر بھاگا تھا مگر اگلے ہی لمحے کومیل نے اس کی ٹانگوں پہ فائر داغ دیا تھا۔اب وہ شخص زمین بوس ہو کر کراہنے لگا تھا۔

کومیل درخت کی اوٹ سے نکل کر اس شخص کی جانب لپکا تھا لیکن وہ شخص بھی خاصا ٹرینڈ قسم کا قاتل تھا۔اس نے کومیل پہ ہی فائر کر دیا۔کومیل اس کی گولی سے بچنے کے لئے کسی گوریلے کی طرح قلابازی مار کر ایک سائیڈ پہ ہو گیا تھا۔

اس پھرتی کے باوجود اس شخص کا دوسرا فائر اس کی کمر میں پیوست ہو گیا تھا۔اپنے بچاؤ کے لئے جواباً کومیل نے اس پہ فائر کیا تو وہ جانبر نہ ہو سکا۔گولی اس شخص کے سینے میں جا لگی تھی۔اب وہ بے حس و حرکت زمین پہ گرا ہوا تھا۔کومیل کے جسم سے خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔شدید نقاہت کے باوجود وہ اپنی ہمت جمع کئے رینگتے ہوئے اس نامعلوم شخص کے پاس آ گیا تھا۔فضا میں پولیس کی گاڑی کے سائرن بجنے کی آواز آ رہی تھی۔دفعتاً کومیل کو اس شخص کے قریب موبائل کی بپ سنائی دی۔کوئی مسلسل اس مجرم کو کال کر رہا تھا۔

کومیل نے اپنا پسٹل گھاس پہ پھینکا اور ہنوز رینگتا ہوا مزید اس شخص کے پاس آیا اور اس کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔بالآخر اس کی دائیں پاکٹ سے اسے موبائل مل گیا تھا۔کومیل نے جلدی سے موبائل اس کی جیب سے نکال کر کال پک کی اور موبائل کان سے لگا لیا۔کسی عجلت میں سرگوشی بھری آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''جیدے کہاں ہو تم ؟ ابھی تک باہر کیوں نہیں نکلے، جلدی یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو، جلدی، میں نے اس گھر کے عقبی گیٹ پہ موجود گن مین کو ہدایت کر دی ہے اس نے گیٹ پہ موجود سی ٹی وی کیمرہ آف کر دیا ہے، جلدی یہاں سے بھاگو۔وہ گن مین پچھلے گیٹ سے تمہارے فرار ہونے میں مدد کرے گا میں فون بند کر رہا ہوں۔'' اور پھر کال بند ہو گئی۔کومیل پتھر کا ہو گیا تھا اس کی نظریں ہاتھ میں پکڑے موبائل پہ مرکوز تھیں۔

اس کا وجود سوکھے پتے کی طرح کانپ اٹھا تھا۔وہ مرسل قریشی کی آواز با آسانی پہچان سکتا تھا۔اس انکشاف نے کومیل کا رہا سہا

خون بھی نچوڑ لیا تھا۔شدید نقاہت طاری ہو رہی تھی اس پہ۔

پولیس کی بھاری نفری اب کمال پیلس کے اندر داخل ہو چکی تھی۔عجلت میں کومیل نے کیاری کے قریب رکھی کھرپی اٹھا کر کیاری کھودنی شروع کی اور پھر وہ موبائل آف کر کے اس نے کیاری میں دبا دیا تھا۔اس کے کندھے اور کمر سے زیادہ خون بہہ جانے کے باعث بالآخر وہ کیاری کے قریب ہی گر گیا تھا۔

کمال پیلس میں رونما ہونے والا یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔اپنے تعلقات استعمال کرتے ہوئے کمال قریشی نے پوری پنجاب پولیس کو الرٹ کر دیا تھا۔

تمام گارڈز کو حراست میں لے لیا گیا تھا،جن سے تفتیش کے باوجود کوئی سراغ نہ مل سکا تھا۔گھر کے عقبی گیٹ کا سی سی ٹی وی کیمرہ بند کیا گیا تھا۔اس گیٹ پہ موجود گارڈ کی پولیس حراست میں ڈیتھ ہو گئی تھی۔اس واقعہ کے پیچھے اصل مجرم کون تھا؟ دو ہفتے گزر جانے کے باوجود یہ معمہ حل نہ ہو سکا تھا۔

☆......☆......☆

ذوناش نے زندگی میں اتنی رو رو کر کسی کے لئے دعائیں نہ مانگیں تھیں جتنی اس نے کومیل کی صحت،تندرستی اور زندگی کی دعائیں مانگیں تھیں۔ایک بار پھر اس نے اپنی جان پہ کھیل کر اللہ کے حکم سے ذوناش کو بچا لیا تھا۔بہترین علاج اور سب کی دعاؤں سے اب وہ تیزی سے صحت یاب ہو رہا تھا۔یہی وجہ تھی کہ اسے ڈسچارج کر کے گھر بھجوا دیا گیا تھا۔وہ جتنے دن ہاسپٹل میں رہا تھا ذوناش اسے دن میں کئی کئی بار فون کر کے اس کی خیریت پوچھتی تھی۔کومیل نے فون پہ ذوناش کو خفیہ طور پہ اس کیاری سے موبائل نکال کر اپنے پاس چھپا لینے کی ہدایت کر دی تھی اور ذوناش نے اس کے حکم کے مطابق ویسا ہی کیا تھا۔

ذوناش اس کو دیکھنے اس سے ملنے کے لئے سخت بے تاب تھی مگر اس کی سکیورٹی کے باعث کمال قریشی اسے کمال پیلس سے نکلنے کی اجازت نہ دے رہے تھے۔دوسری طرف کومیل نے اس مجرم شخص کے موبائل پہ آنے والی فون کال کا ذکر کسی سے نہ کیا تھا۔

وہ مرسل قریشی کے خلاف مزید کسی ٹھوس ثبوت کے ساتھ ایکشن لینا چاہتا تھا۔وہ بہت با اثر تھا۔اس اثر و رسوخ کی بنیاد پہ ہی تو اس نے گارڈ کو پولیس حراست کے دوران مروا دیا تھا تاکہ وہ شخص اپنی زبان نہ کھول سکے۔اس انکشاف نے کومیل کو گھما کر رکھ دیا تھا۔اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ ذوناش کو کیوں مروانا چاہتا تھا؟ اس کا وکرم سے کیا تعلق تھا؟ ذوناش اس کی کزن تھی اس کی ہونے والی بیوی تھی۔کروڑوں کی جائیداد کی مالک تھی بے پناہ حسین و جمیل لڑکی تھی۔پھر وہ ایک بے ضرر لڑکی کو کیوں مروانا چاہتا تھا؟ ایسے بہت سے سوال تھے جو اس کے ذہن میں کلبلا رہے تھے۔وہ جلد از جلد صحت یاب ہو کر دوبارہ اپنی ڈیوٹی جوائن کرنا چاہتا تھا۔اس معاملے کو ذوناش کے روبرو بیٹھ کر ڈسکس کرنا چاہتا تھا۔

اس کے علاج معالجے کا تمام خرچ کمال قریشی نے اٹھا رکھا تھا۔ اس نے اپنی جان پہ کھیل کر ایک بار پھر کمال قریشی کی عزیز از جاں بیٹی کو بچالیا تھا جو زندگی بن کر اس کی زندگی میں سانس لینے لگی تھی۔

ابھی بھی وہ اپنے کمرے میں اپنے بیڈ پہ لیٹا انہیں سوالوں میں الجھا ہوا تھا، جب اس کے موبائل کی بپ سنائی دی تھی۔ اس نے بے دلی سے موبائل اٹھایا مگر اس کی اسکرین پہ آنے والے نمبر نے کومیل کے لبوں پہ مسکراہٹ کھلا دی تھی۔

"ہیلو السلام علیکم!" کومیل نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام، کیسے ہو کومیل؟" دوسری جانب سے بے چینی سے پوچھا گیا تھا۔

"بہتر ہوں، ابھی میں آپ کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا" بے ساختہ وہ کہہ بیٹھا۔

"میں اتنی خوش نصیب کب سے ہو گئی کہ تم میرے بارے میں سوچنے لگو؟" دھیرے سے پوچھا گیا۔

"یہ سچ ہے کہ میں آپ کی محبت کے آگے ہار گیا ہوں۔ میرا دل اب میری بات نہیں مانتا، آپ کی طلب کرتا ہے اور کسی نافرمان اولاد کی طرح ہر وقت مجھے ستاتا رہتا ہے۔" کومیل کے اظہار نے اس کے جملوں نے اس کی آنکھیں بھگو دی تھیں۔ جواباً وہ کچھ بول ہی نہیں سکی تھی۔

"آپ رو رہی ہیں؟" سوال کیا گیا۔

"ہاں کبھی کبھی محبت ایسے ہی رلا دیتی ہے بلاوجہ۔"

"پلیز مت روئیں مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔" کومیل نے تڑپ کر التجا کی تو دوسری طرف ذوناش نے اپنے آنسو صاف کر لئے۔

"تم ایک بہترین اور عظیم انسان ہو کومیل۔" ذوناش نے اعتراف کیا۔

"پلیز آپ ایسی باتیں کر کے مجھے شرمندہ مت کیا کریں، انسان بہت خطا کار ہوتا ہے، مجھے فرشتہ سمجھنا چھوڑ دیں۔" وہ بہت عاجزی پسند تھا، چیزوں کا کریڈٹ لینا اسے ہرگز نہیں آتا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے کومیل تمہیں زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔" ذوناش نے شکر ادا کیا۔

"جی بالکل آپ سب کی دعائیں ہیں۔" اس نے اعتراف کیا۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟ کیسا فیل کر رہے ہو؟" ذوناش کے انداز میں بے قراری تھی۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ ذوناش کا فکر مند سا چہرہ اس کی نگاہوں میں گھوم گیا تھا۔

"آپ کی فون کالز کی بدولت اب تیزی سے بہتر ہو رہا ہوں اور جس دن آپ کو دیکھ لوں گا اس دن مکمل صحت یاب ہو جاؤں گا۔" کومیل نے گمبھیر آواز میں اپنے اندر کا سچ بتایا تو دوسری طرف ذوناش بلش ہو گئی تھی۔

"بیماری میں خوب رومانس جھاڑ رہے ہو مجھ پہ، زخمی ہو کر کچھ زیادہ ہی رومانٹک نہیں ہو گئے تم؟"

"یہ سچ ہے ذوناش آپ میری ضرورت ہیں۔ زندگی بن کر میری رگوں میں دوڑنے لگی ہیں۔ دھڑکن بن کر میرے دل کو زندہ رہنے کا احساس دلاتی رہتی ہیں آپ اور یہ سب کب کیسے اور کیوں ہوا؟ میں نہیں جانتا۔ محبت خاموشی سے دبے پاؤں ایک مکڑی کی طرح کب اور کیسے میرے گرد آپ کی محبت کا جالا بنتی رہی مجھے کچھ خبر نہ ہو سکی اور میں کسی اسٹوپڈ مکھی کی طرح نہ جانے کیسے اور کیوں اس جالے میں پھنس گیا؟" کومیل آج اعتراف کر لینا چاہتا تھا، دل کی باتیں دل میں رکھ کر اس نے بہت تکلیف اٹھائی تھی۔

"محبت ایسی ہی ہوتی ہے کومیل، چھپکے چپکے دیمک بن کر کھا جاتی ہے۔ اپنی ذات سے کسی دوسرے کی ذات تک کی رسائی کا جو سفر ہوتا ہے ناں، یہ عمر بھر کے لئے کافی ہوتا ہے۔ بہت کرب سہنا پڑتا ہے اس محبت میں۔ بہت ستم سہنے پڑتے ہیں اس کم بخت محبت میں۔" ذوناش دھیرے دھیرے بول رہی تھی۔ آج اس کا حرف حرف کومیل کو سچ لگ رہا تھا۔

"ویسے اب تو تمہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ محبت کتنی پین فل چیز ہے؟" ذوناش کے سوال پہ وہ مسکرانے لگا تھا۔

"ہاں جان چکا ہوں۔"

دل کی رگ رگ نچوڑ لیتا ہے
عشق میں یہ بڑی مصیبت ہے

اس کی بے چارگی پہ ذوناش ہنسنے لگی تھی۔ آج وہ کتنے ہی دنوں کے بعد یوں ہنسی تھی۔

"چلو اس بہانے تمہیں یہ اندازہ ہو گیا کہ کسی کو محبت میں تڑپانے کی سزا کیا ہوتی ہے؟"

"آپ اندازے کی بات کر رہی ہیں، میرے چودہ طبق روشن کر دیے ہیں اس محبت نے۔" اس کے انداز میں بے بسی تھی۔ ذوناش کے لبوں پہ ایک دلفریب مسکراہٹ ٹھہر گئی تھی۔

"بس تم جلدی سے ٹھیک ہو کر واپس آ جاؤ۔ میں تمہیں بہت مس کر رہی ہوں اور تمہارے بغیر خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہی ہوں۔" ذوناش نے بے ساختہ اسے بتایا۔

"انشاء اللہ آپ کی دعاؤں سے میں بہت جلد ٹھیک ہو جاؤں گا۔ آپ اپنا بہت خیال رکھیے گا اور پلیز جب تک میں واپس نہیں آ جاتا آپ لان، ٹیرس میں نہیں بیٹھیں گی اور نہ ہی اکیلے مرسل صاحب کے ساتھ کہیں باہر جائیں گی۔" کومیل نے اسے تنبیہ کی۔

"اوکے بابا نہیں جاؤں گی۔ تم سو بار مجھے یہ نصیحت کر چکے ہو اور ہاں وہ کون سی ایسی خاص بات ہے جو تم مجھے بتانا چاہتے ہو؟" ذوناش نے پوچھا۔

"وہ میں آپ کو فون پہ نہیں بتا سکتا۔ واپس آؤں گا تو آپ کو بتاؤں گا۔" وہ ٹال گیا تھا۔

"اوکے بس جلدی سے ٹھیک ہو کر واپس آ جاؤ۔ میں اب فون رکھ رہی ہوں، ورنہ نماز قضا ہو جائے گی مجھ سے۔"

"آپ کے اندر آپ کی لائف میں آنے والی تبدیلی نے آپ کو صحیح معنوں میں خوبصورت بنا دیا ہے۔ مرد اگر دین دار ہو جائے تو دین گھر کی دہلیز تک پہنچ جاتا ہے اور اگر گھر کی عورت دین دار ہو جائے تو دین نسلوں تک پہنچ جاتا ہے۔" کومیل نے اس کو سراہا۔

"اور یہ سب تمہارے میری زندگی میں آنے کے بعد ہوا، ورنہ نہ جانے میں کب تک گمراہی کی زندگی گزارتی رہتی؟" اس نے تسلیم کیا۔

"اس میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہے، بس اللہ نے ہمیں ہدایت دینے کے لئے بھی ایک وقت مقرر کر رکھا ہوتا ہے۔" کومیل نے انکساری سے کہا۔

"اینی وے اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ جب تک میں واپس نہیں آ جاتا۔" کومیل نے بات کو مختصر کیا۔ اس کے کمرے کے دروازے پہ دستک ہو رہی تھی۔

"او کے ٹیک کیئر۔" دوسری طرف سے ذوناش نے بھی مسکراتے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔ اسی اثناء میں عائشہ بیگم ٹرے میں سوپ کا باؤل رکھے کمرے میں داخل ہوئیں۔

"کومیل میری جان میں سوپ بنا کر لائی ہوں تمہارے لئے۔" عائشہ بیگم نے ٹرے اس کے سامنے بیڈ پہ رکھی اور خود بھی اس کے سامنے بیڈ پہ بیٹھ گئیں۔

"ماں کیوں خواہ مخواہ خود کو ایسے کاموں میں تھکاتی ہیں۔ میں اب ٹھیک ہوں بالکل۔" کومیل نے عقیدت سے انہیں دیکھا۔

"کہاں ٹھیک ہو تم، دیکھو کیسا پیلا رنگ ہو رہا ہے تمہارا؟" عائشہ بیگم کی فکر اور تشویش دیکھ کر کومیل مسکرا دیا۔

"ماؤں کو نہ جانے کیوں اپنی اولاد کے لئے ایسے وہم ہو جاتے ہیں؟ میں اب ٹھیک ہوں ماں۔ آپ بلاوجہ پریشان ہو کر اپنا بی پی ہائی کر لیں گی۔" کومیل کو ان کی فکر ہوئی۔

"مائیں بلاوجہ پریشان نہیں ہوتی ہیں۔ پر تجھے کیا پتہ ماں کے اندیشوں کا ماں کی فکروں کا؟ ماں کی سوچیں، ماں کی فکریں تو ساری دنیا سے نرالی ہوتی ہیں میرے بچے۔" عائشہ بیگم کی آنکھوں میں پانی چھلک گیا تھا اور انہوں نے چمچ بھر کر سوپ کومیل کے لبوں کی طرف بڑھایا، تو وہ انہیں عقیدت اور محبت سے دیکھے گیا۔

"اللہ آپ کا اور ابا کا سایہ ہم پہ سلامت رکھے۔ ماں آپ کے دم سے ہی یہ گھر گھر ہے۔" کومیل نے محبت سے ان کے ہاتھ تھام لئے تھے۔ عائشہ بیگم دھیرے سے مسکرا دیں۔

"اللہ ہمیں بھی کبھی تمہارا اور ابرش کا کوئی دکھ نہ دکھائے میرے بچے۔" عائشہ بیگم نے اسے سوپ پلاتے ہوئے دعا دی۔

"ماں ابرش سے یاد آیا، کہاں ہے ابرش آئی نہیں ابھی؟" کومیل نے استفسار کیا۔

''بس آنے ہی والی ہے۔ یونیورسٹی سے فون کر کے تمہارا حال پوچھ رہی تھی مجھ سے۔ اس وقت تم سو رہے تھے۔'' عائشہ بیگم نے اسے بتایا تو وہ اثبات میں سر ہلا گیا۔

''ماں آپ نے بتایا نہیں اسلم چاچا اور ثریا خالہ کب آ رہے ہیں شادی کی تاریخ لینے۔'' کومیل نے پوچھا تو عائشہ بیگم پرسوچ انداز میں بولیں۔

''آج کل میں انہوں نے آنا تو تھا، مگر کچھ دنوں سے ان کی طرف سے خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ اپنی آمد کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا ثریا نے اور نہ ہی اب وہ زیادہ فون کرتی ہے۔ پہلے تو ہر دوسرے دن فون کر کے ابرش کا اور میرا حال پوچھتی تھی۔'' عائشہ بیگم کے انداز میں تجسس اور فکرمندی جھلک رہی تھی۔

''مصروف ہوں گی ماں اور بھلا کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''

''اللہ کرے کومیل ایسا ہی ہو۔'' عائشہ بیگم کا انداز اب بھی تشویش بھرا تھا۔

☆......☆......☆

بریگیڈیئر جواد چوہدری ابھی ابھی آفیسر کلب سے گھر آئے تھے۔ ان کے فوج کے کچھ پرانے دوستوں نے انہیں مدعو کر رکھا تھا۔ وہ بہت خوش گوار موڈ میں گھر داخل ہوئے تھے، مگر لاؤنج میں اپنی بیگم ثمرین کو پریشان بیٹھا دیکھ کر ان کے لبوں سے تھوڑی دیر پہلے عود آئی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔

''ثمرین کیا بات ہے؟ اس طرح سے پریشان کیوں بیٹھی ہو؟ تمہیں تو بنٹی کے ساتھ کہیں جانا تھا ناں؟'' جواد چوہدری ان کے مقابل بیٹھتے ہوئے بولے۔

''دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے آپ کے بیٹے نے، اپنی حرکتوں سے کسی دن پاگل کر دے گا مجھے۔'' ثمرین بیگم نے تفکر سے سر تھام لیا۔

''ارہم کسی دن ہم دونوں میں سے کسی کی جان لے کر ہی رہے گا۔ بہت ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے یہ لڑکا ہماری محبت کا۔ فوج اس نے جوائن نہیں کی۔ جاب یہ نہیں کرنا چاہتا۔ امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس شروع کروا کر دیا ہے، یہ نالائق بزنس پہ بھی توجہ نہیں دے رہا۔''

''ضدی اور خودسر تو اتنا ہے کہ حد نہیں۔ پچھلے دنوں میں اس کی ضد کے مطابق اسے نئی گاڑی نہیں دلوا سکا تو ہمارا یہ اکلوتا لخت جگر ایک ہفتہ بسوں اور ویگنوں میں دھکے کھا کر سفر کرتا رہا ہے ہماری سات پشتوں میں کبھی کسی نے بسوں میں دھکے نہیں کھائے۔'' جواد چوہدری ارہم کے پرانے کھاتے کھول کر بیٹھ گئے تھے۔

''ان باتوں کو چھوڑیئے۔ اب جو اس نے نئی ضد پکڑ رکھی ہے وہ سنیں گے تو آپ کا بھی خون کھول اٹھے گا۔'' ثمرین رو دینے کو تھیں۔

"اب کیا کہتا ہے یہ نالائق، کچھ بتاؤ گی تو پتہ چلے گا ناں مجھے۔" جواد چوہدری جھنجلائے۔

"اب یہ لڑکا مجھے میری بہن کے سامنے ذلیل وخوار کروانے پہ تل گیا ہے۔"

"خدا کے لئے ثمرین مجھے کچھ بتاؤ کیوں پہیلیاں بجھوا رہی ہو تم۔" جواد چوہدری کے لہجے میں اب کے بے پناہ تشویش تھی۔

"آپ کے بیٹے کو کوئی لڑکی پسند آ گئی ہے۔ کہتا ہے وہاں اس کے لئے رشتہ مانگنے جائیں۔" ثمرین بیگم کے انکشاف پہ وہ حیرت اور غصے سے اپنی نشست سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"واٹ ربش؟ دماغ خراب ہو گیا ہے اس لڑکے کا؟ دو سال پہلے اس اسٹوپڈ نے اپنی پسند سے رینا سے منگنی کروائی ہے، سال ڈیڑھ تک اس کی رینا سے شادی ہونے والی ہے اس کے لئے پاگل رہتا ہے یہ لڑکا۔"

"پھر یہ...... یہ نیا عشق کہاں سے آ گیا اس کی زندگی میں؟" غصے سے جواد چوہدری کا سانس پھول گیا تھا انہیں اس انکشاف پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔

"بہت سمجھایا ہے میں نے ارحم کو، مگر وہ اپنی ضد پہ اڑا ہوا ہے کہتا ہے اگر آپ لوگ میرا رشتہ مانگنے نہ گئے تو میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔" ثمرین بیگم غم سے رو پڑی تھیں۔ کیونکہ دو سال پہلے ارحم نے ان کی چھوٹی بہن کی لاڈوں میں پلی اکلوتی بیٹی رینا سے افیئر کے بعد منگنی کروائی تھی۔

"جاتا ہے تو چلا جائے، عذاب بنا کر رکھی ہے اس لڑکے نے ہماری زندگی۔ کیا منہ دکھاؤں گا میں فاروق اور بنٹی کو؟ کس منہ سے انکار کروں گا میں اس رشتے سے؟" غصے سے جواد چوہدری کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"ارحم کے پاس تو جیسے ہر سوال کا جواب موجود ہے۔ کہتا ہے بنٹی خالہ اور رینا سے میں خود بات کرلوں گا۔" ثمرین بیگم نے اپنا ماتھا مسلا۔ اس دوران گھر کی ملازمہ چائے کی ٹرے اٹھائے اندر آئی اور انہیں چائے سرو کرنے لگی۔

"اینی وے اس بار چاہے یہ لڑکا کچھ بھی کہے، اس کی یہ ضد کسی بھی صورت نہیں مانی جائے گی۔" بریگیڈیئر جواد چوہدری نے جیسے اپنا فیصلہ سنا کر بات ختم کر دی تھی۔

"اور میری ایک بات یاد رکھنا یہ لڑکا عنقریب پاگل ہو جائے گا اور اپنے ساتھ ساتھ ہمیں بھی، پاگل خانے لے کر جائے گا۔ اسے فی الحال بیوی کی نہیں کسی سیکاٹرسٹ کی ضرورت ہے۔" جواد صاحب کا پارہ ہائی ہو چکا تھا سو وہ دل کی خوب بھڑاس نکال رہے تھے۔

☆......☆......☆

کومیل کو دو دن کے بعد واپس کمال پیلس چلے جانا تھا۔ سو عائشہ بیگم نے کومیل کی فرمائش پہ ناشتے میں آلو کے پراٹھے بنائے تھے۔

آج چونکہ اتوار تھی تو ابرش بھی گھر ہی تھی اور کچن میں عائشہ بیگم کے ساتھ ہیلپ کروا رہی تھی۔ قریب ہی کومیل کچن میں چھوٹے

سے ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا۔

"ماں آپ بھی ناشتہ کرلیں، باقی کے پراٹھے میں بناتی ہوں۔" ابرش نے عائشہ بیگم کے ہاتھ سے پیڑا لیا۔

"بس اب دو تین ہی پراٹھے بنانا، ورنہ پڑے رہیں گے یونہی۔" عائشہ بیگم قریب ہی لگے سینک میں ہاتھ دھوتے ہوئے بولیں تو ابرش اثبات میں سر ہلا گئی۔

"ماں ابا کہاں ہیں؟ آئے کیوں نہیں ابھی تک؟" کومیل نے فکرمندی سے پوچھا تو عائشہ بیگم اپنے دوپٹے کے پلو سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی کومیل کے پاس بیٹھ گئیں۔

"فجر کی نماز کے بعد بھائی اسلم کی طرف گئے ہیں۔ بھائی اسلم نے تمہارے ابا کو فون کر کے بلایا تھا۔"

"اچھا خیریت؟" کومیل نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے حیرت سے ماں کو دیکھا۔

"اللہ کرے خیر ہی ہو۔ اب یہ تو تمہارے ابا آ کر ہی بتائیں گے۔" عائشہ بیگم نے اپنے سامنے رکھے پراٹھے کا نوالہ توڑا۔

اسی دوران کچن میں متفکر سے اکرام صاحب داخل ہوئے۔ ان کے چہرے پہ پریشانی درج تھی۔

"آ گئے آپ؟ اب جلدی سے آ جائیں اور ناشتہ کرلیں۔" عائشہ بیگم نے لحظہ بھر ان کے چہرے کو دیکھا تو اپنا اگلا جملہ بھول گئیں۔

"بھوک نہیں ہے مجھے عائشہ، بس ایک گلاس پانی پلا دو مجھے۔" وہ ہنوز پریشانی سے چیئر گھسیٹ کر کومیل کے پاس بیٹھتے ہوئے بولے۔

اکرام صاحب خیر تو ہے آپ اتنے پریشان کیوں دکھائی دے رہے ہیں؟" عائشہ بیگم نے ٹیبل سے جگ اٹھا کر پانی گلاس میں انڈیلا اور اکرم صاحب کی طرف بڑھایا۔

"نہیں خیر نہیں ہے۔" انہوں نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے گلاس عائشہ بیگم کے ہاتھ میں تھمایا۔

"ابا بتایئے ناں، سب ٹھیک تو ہے آپ اسلم چچا کی طرف گئے تھے؟ آج کل انہوں نے شادی کی تاریخ لینے آنا تھا۔" کومیل نے رخ موڑ کر اکرام صاحب کو دیکھا۔

"اب نہیں لینے آئیں گے وہ شادی کی تاریخ۔" اکرام صاحب نے پانی کا گھونٹ بھر کر گلاس ٹیبل پہ رکھ دیا۔ عائشہ بیگم کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ گیا تھا۔

"مگر کیوں؟

"اعجاز نے انکار کر دیا ہے اس رشتے سے۔" اکرام صاحب کے انکشاف پہ ابرش کے ہاتھ سے بھی آٹے کا پیڑا چھوٹ کر خشک آٹے میں گر گیا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں ابا؟" کومیل کو جیسے اپنے کانوں پہ یقین نہ آیا تھا اور یہی حالت ابرش اور عائشہ بیگم کی تھی۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں، اسلم نے اسی لئے مجھے بلایا تھا۔ وہ بہت شرمندگی سے مجھ سے معذرت کر رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اعجاز نے اس رشتے سے انکار کیا ہے۔ اسلم خود بھی بہت پریشان تھا اس نے اعجاز سے بہت باز پرس کرنے کی کوشش کی کہ آخر کس وجہ سے وہ اس شادی سے انکاری ہوا ہے مگر اعجاز نے وجہ نہیں بتائی۔" اکرام صاحب کے لہجے میں بے بسی تھی، کرب تھا۔

کومیل کی غصے سے بھنویں سکڑ گئی تھیں۔ ابرش توے سے روٹی اتار کر کچن سے باہر نکل گئی تھی۔ اسے اعجاز سے کوئی عشق و محبت نہ تھا۔ اس نے اپنے ماں باپ کی پسند پہ فرمانبرداری سے اعجاز کے لئے ہاں کہہ دی تھی، مگر یوں اچانک ریجیکشن کا احساس اس کی آنکھوں میں آنسو بن کر چھلک گیا تھا۔

کومیل نے لحظہ بھر نظریں چراتی کچن سے نکلتی ابرش کو دیکھا اور غصے سے بولا۔

"نہیں مانتا اعجاز تو بھاڑ میں جائے۔ اگر اس کو یہ شادی قبول نہیں تھی تو اس کے گھر والے رشتہ مانگنے ہی کیوں آئے؟ کوئی ضرورت نہیں آپ لوگوں کو ابرش کے لئے پریشان ہونے کی۔ میری بہن کو رشتوں کی کمی نہیں ہے۔ صرف ایک وہی لڑکا نہیں تھا میری بہن کے لئے۔ آپ ان کی منگنی پہ دی ہوئی چیزیں واپس کر دیں، کوئی ضرورت نہیں اسلم چاچا ثریا خالہ سے مزید کوئی سوال کرنے کی۔" کومیل غصے میں چیئر سے اٹھ کر کچن سے باہر نکل گیا تھا۔ عائشہ بیگم کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔

لوگ طرح طرح کی باتیں کریں گے سو سوال کریں گے کہ آخر یہ رشتہ ٹوٹا تو کیوں ٹوٹا؟ کیا جواب دوں گی میں لوگوں کو؟" عائشہ بیگم آبدیدہ لہجے میں بولیں تھیں۔

"پریشان مت ہو عائشہ اور اللہ کے لئے لوگوں کی پرواہ مت کیا کرو۔ اللہ بہتر لے کر بہترین سے نوازنے والا ہے۔ اس کی ذات پاک پہ بھروسہ رکھو۔ یقیناً اس ذات پاک نے ہماری ابرش کے لئے کچھ اچھا ہی سوچ رکھا ہوگا اور ویسے بھی کومیل ٹھیک کہتا ہے ہماری ابرش میں کیا کمی ہے؟ ہماری بیٹی کی کون سی عمر نکلی جا رہی ہے۔ اس کی روٹی بھاری نہیں ہے مجھ پہ۔ انشاء اللہ وہ بابرکت ذات بہتر کرے گی۔" اکرام صاحب نے عائشہ بیگم کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ کر دھیرے سے دبایا۔

☆......☆......☆

اور پھر ایک انہونی ہو گئی تھی اور وہ انہونی یہ تھی کہ ارحم نے ریناٹل کو راضی کر لیا تھا۔ اسے منا لیا تھا۔ اس سے اجازت لے لی تھی شادی کی اور اس سلسلے میں ریناٹل نے خود بریگیڈیئر جواد اور اپنی خالہ ثمرین سے بات کی تھی کہ وہ ارحم کا رشتہ مانگنے اس لڑکی کے گھر ضرور جائیں جہاں ارحم شادی کرنا چاہتا تھا تاہم بنتی خالہ اور فاروق میاں کا رویہ خفگی لئے ہوئے تھا مگر رینا نے انہیں اس معاملے میں سختی سے خاموشی اختیار کرنے کی ہدایت کر رکھی تھی۔ جواد چوہدری اور ثمرین کے لئے اس معمے کو سمجھنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ نہ جانے ارحم کیا کر رہا تھا اور کیا کرنے والا تھا؟

بریگیڈیئر جواد لان میں اخبار پڑھ رہے تھے اور ان کے قریب ثمرین بیگم بیٹھی اپنے نیل فائل کر رہی تھی۔

''میں تو سمجھ رہی تھی کہ ریٹا اور بنٹی ارہم کے اس محبت کے بخار کا قصہ سن کر بھڑک اٹھیں گی۔ انہیں فیس کرنا میرے لئے مشکل ہو جائے گا۔ مگر ایسا کوئی سین نہیں ہوا اور تو اور فاروق نے بھی کوئی لمبی چوڑی بحث نہیں کی۔'' ثمرین بیگم کے لہجے میں بے پناہ حیرت تھی۔

''ہاں حیران تو میں بھی بہت ہوں اس اچانک کایا پلٹ پہ۔ مگر پھر جب تمہارے صاحبزادے کے پچھلے کرتوت دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ ہمیں حیران اور پریشان کرنا تو اس لڑکے کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ کوئی گیم چلا کر کوئی کہانی ڈال کر راضی کر لیا ہو گا اس لڑکے نے انہیں۔'' جواد چوہدری نے اخبار تہہ کرتے ہوئے ٹیبل پہ رکھی اور اپنی رائے دی۔

ارہم چوہدری ان کی اکلوتی اولاد تھا۔ ثمرین اور جواد کی لو میرج تھی جب شادی کے بعد پانچ سال تک ان کے ہاں اولاد نہ ہوئی تو مختلف ڈاکٹرز سے چیک اپ اور علاج کروانے کے بعد ثمرین بیگم پہ یہ انکشاف ہوا کہ وہ کبھی ماں نہیں بن سکیں گی۔

مایوسی کے اندھیرے نے جواد اور ثمرین کی زندگی کو جیسے اندھیر کر دیا تھا پھر شادی کے بارہ سال کے بعد معجزاتی طور پہ ان کے ہاں ارہم کی ولادت ہوئی اور ان کی زندگی خوشیوں سے بھر گئی۔ ثمرین اور جواد اس کے معاملے میں بے انتہا کریزی تھے اور ہر جائز و ناجائز خواہش صرف ارہم کی خوشی کی خاطر پوری کی جاتی تھی، یہی وجہ تھی کہ ارہم کو اپنی بات ضد، ہٹ دھرمی سے منوانے کی عادت ہو گئی تھی۔ وہ جس چیز کے بارے میں ٹھان لیتا وہ کام کر کے ہی چھوڑتا۔

مگر اب ثمرین اور جواد اس کی ان عادتوں سے نالاں رہنے لگے تھے۔ تنگ آ گئے تھے اس کے رویئے سے اس کی غیر سنجیدگی سے۔

''نہ جانے کیسی ہے وہ لڑکی؟ کس فیملی سے تعلق رکھتی ہے وہ؟'' ثمرین بیگم اب اپنے ناخنوں پہ نیل پالش لگانے لگی تھیں اور انہوں نے قیاس کیا تھا۔

''اس بات کا فیصلہ تو اب ان لوگوں سے ملنے کے بعد ہی ہو گا۔'' جواد چوہدری نے ثمرین کی بات کا جواب دیا۔

اسی اثناء میں ارہم مین انٹرنس کا دروازہ کھول کر لان میں داخل ہوا اور پھر ان کے پاس ہی لان چیئر پہ بیٹھ گیا۔

''ہائے مام اینڈ ڈیڈ ہاؤ آر یو؟''

''تمہاری حرکتوں سے کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس لئے ہمارا حال مت پوچھا کرو۔'' جواد صاحب نے قہر آلود نگاہ اس پہ ڈالتے ہوئے جواب دیا تو ارہم نے مسکراتے ہوئے ٹیبل سے اخبار اٹھا لیا۔

''کم آن ڈیڈ کیوں اتنا غصہ کرتے ہیں آپ؟ کبھی تو نارمل انداز میں بات کر لیا کریں۔'' ارہم نے اخبار کھول کر اخبار کی سرخیوں پہ نظر دوڑائی۔

''تمہاری حرکتیں جس دن نارمل ہو جائیں گی، میں بھی اس دن نارمل ہو جاؤں گا۔'' ہنوز غصہ۔

”لگتا ہے آپ ابھی تک مجھ سے ناراض ہیں؟“ ارحم نے لحظہ بھر باپ کا خفگی بھرا چہرہ دیکھا۔

”تم نے مجھے اور اپنے ڈیڈ کو بنٹی فاروق اور رینا کے سامنے جتنا شرمندہ کروایا ہے اس کے بدلے میں ناراضگی بہت چھوٹا لفظ ہے۔“ ثمرین بیگم نے نیل پالش ٹیبل پہ رکھتے ہوئے ارحم کو خفگی سے دیکھا تو ارحم نے جھنجھلا کر اخبار تہہ کی اور دوبارہ ٹیبل پہ رکھی۔

”مجھے سمجھ نہیں آ رہا جب رینا اور بنٹی خالہ کو میرے اس رشتے پہ کوئی اعتراض نہیں ہے تو آپ لوگوں کو کیا پرابلم ہے؟“

”اگر تمہیں رینا سے شادی نہیں کرنی تھی تو اس سے منگنی کروانے کی کیا ضرورت تھی تمہیں؟“ ثمرین بیگم کے چبھتے سوال پہ جھنجھلا گیا تھا وہ۔

”فارگاڈ سیک مام، پچھلے پانچ دن میں پانچ سو بار آپ یہ سوال مجھ سے کر چکی ہیں، میں نے کہا ناں، آپ کے اس سوال کا جواب میں ابھی نہیں دے سکتا ہوں۔“

”ثمرین کیوں اس لڑکے سے الجھ کر اپنا دماغ کھپا رہی ہو؟ اس کو تو بس اب اللہ ہی ہدایت دے سکتا ہے، تم اور میں اس کو ہدایت نہیں دے سکتے۔“ جواد صاحب کا غصہ ہنوز قائم تھا۔

”کم آن ڈیڈ، بددعائیں نہ دیں مجھے اور یہ ایڈریس ہے اس لڑکی کا، جسے میں آپ کی بہو بنانا چاہتا ہوں۔“ ارحم نے اپنی جینز کی پاکٹ سے ایک چٹ نکالی اور جواد صاحب کے آگے ٹیبل پہ رکھی۔

جسے بے دلی سے انہوں نے اٹھا کر دیکھا تھا اور پھر اگلے ہی لمحے انہوں نے ازحد حیرت سے ارحم کو دیکھا تھا۔

”یہ...... یہ ایڈریس تو صوبیدار اکرام کے گھر کا ہے کومیل کا ایڈریس ہے یہ۔“

”صوبیدار اکرام؟ آپ جانتے ہیں انہیں؟“ ثمرین بیگم نے جواد صاحب سے استفسار کیا۔

”ہاں بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ کومیل میری سیکیورٹی کمپنی کا سب سے بہادر اور جینئس گارڈ رہ چکا ہے آج کل اس مشہور ڈائمنڈ ڈیلر کمال قریشی کے گھر جاب کر رہا ہے مگر ان میں اور ہمارے اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔“ جواد صاحب نے چٹ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے بتایا۔

”اگر لڑکی پسند کرنی ہی تھی تو خاندان تو ڈھنگ کا ڈھونڈ لیتے؟ زندگی کے ہر معاملے میں ہمیں ذلیل کروانے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے جیسے تم نے، کیا کہیں گے خاندان والے اور ہمارے سوشل سرکل کے لوگ کہ ہمیں یہی لوگ ملے تھے ایسی رشتے داری کے لئے؟ جنرل فاروق کی اکلوتی بیٹی کو ٹھکرا کر ارحم چوہدری نے شادی کی تو وہ بھی ایک معمولی صوبیدار کی بیٹی سے۔ وہ ارحم واہ تمہارا ابھی جواب نہیں۔“ ثمرین بیگم غصے سے بھڑک اٹھی تھیں۔

”مام فارگاڈ سیک، ایسی فضول باتیں سوچیں گی تو دنیا کبھی جینے نہیں دے گی ہمیں۔ شادی ایک پرسنل میٹر ہے اس کے بارے

میں کسی کو اپنی رائے دینے کا حق ہمیں کسی کو بھی نہیں دینا چاہیے۔'' ارہم کی بات پہ جواد صاحب ایک طویل سانس لے کر رہ گئے۔

''تمہیں کیا ضرورت ہے دنیا کو فیس کرنے کی۔ ذلیل ہونے کے لئے ہم جو ہیں۔'' ثمرین بیگم نے ہنوز غصے سے ارہم کو دیکھا۔

''اوکے آپ جو مرضی سوچیں، میں آپ سے مزید بحث نہیں کرنا چاہتا۔ آپ دونوں کل میرا رشتہ لے کر ان کے گھر جا رہے ہیں ڈیٹس اٹ۔ ان کا لیونگ سٹائل کیا ہے۔ ان کا اسٹیٹس ہم سے ملتا ہے یا نہیں۔ میں کچھ نہیں جانتا۔'' ارہم چیئر سے اٹھ کر اپنا جملہ مکمل کر کے واپس گھر کے اندر بڑھ گیا تھا۔

''دن بہ دن ارہم کی ڈھائی بڑھتی جا رہی ہے نا جانے ہمارے بڑھاپے میں کیا سلوک کرے گا یہ ہم سے۔'' ثمرین بیگم کا صبح ہی صبح پارہ ہائی ہو گیا تھا۔

''اوکے چیئر اپ، تم زیادہ ٹینشن مت لو، ڈپریشن ہو جائے گا تمہیں۔ ویسے شریف اور باعزت گھرانے سے تعلق ہے صوبیدار اکرام کا اور کومیل بھی بہت اچھا لڑکا ہے۔'' جواد صاحب نے ثمرین کو گویا تسلی دی۔

''ایسی شرافت کا ہم کیا کریں گے؟ جن سے ہمارا اسٹیٹس ہی نہ میچ ہوتا ہو، ہم نے ان کی شرافت کا اچار نہیں ڈالنا۔'' ثمرین بیگم بھی غصے سے اٹھ کر اندر کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

اور پھر دوسرے دن ارہم کی ضد کے ہاتھوں مجبور ہو کر جواد صاحب اور ثمرین بیگم کو نہ چاہتے ہوئے بھی اکرام صاحب کے گھر جانا پڑا تھا۔ اکرام صاحب نے اپنی اوقات سے بڑھ کر ان کی خاطر خدمت کی تھی۔ جواد صاحب تو بالکل نارمل انداز میں اکرام صاحب اور کومیل سے گپ شپ لگاتے رہے تھے مگر ثمرین بیگم کا موڈ بہت لیا دیا سا تھا۔ انہوں نے زیادہ گفتگو میں حصہ نہیں لیا تھا جیسے مجبوراً وہاں بیٹھی ٹائم پاس کر رہی ہوں۔

ابرش کا بے پناہ حسن، اس کی سادگی، اس کی تعلیم و تربیت اور شرافت نے بریگیڈیئر جواد چوہدری کو بہت حد تک مطمئن کر دیا تھا کہ ارہم کا انتخاب ایسا غلط بھی نہیں تھا۔ جواد صاحب کا ارہم کے لئے ابرش کا رشتہ مانگنا، کومیل اور اکرام صاحب کے لئے خاصا حیران کن تھا۔ وہ تو سمجھ رہے تھے کہ جواد اور ثمرین یونہی ان کے گھر آئے تھے مگر ابرش کے رشتے کا سن کر اکرام صاحب کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی اور انہوں نے ایک دو دن کے بعد جواب دینے کی درخواست کی تھی۔ دو تین گھنٹے ان کے ساتھ خوش گوار موڈ میں گزارنے کے بعد جواد صاحب واپسی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

☆......☆......☆

''عائشہ میں نے کہا تھا ناں اللہ جو کرتا ہے، بہتر ہی کرتا ہے وہ بڑا رحمان و کریم ہے۔ وہ جب تک دوسرا در کھول نہیں دیتا پہلا در بند نہیں کرتا۔ اعجاز اور اسلم کے گھرانے سے کہیں اچھا گھرانہ ڈھونڈا ہے اللہ نے ہماری ابرش کے لئے۔''

اکرام صاحب اور کومیل، جواد صاحب اور ثمرین بیگم کو سی آف کرنے کے بعد دوبارہ کمرے میں آئے تو اکرام صاحب عائشہ بیگم کے پاس بیٹھتے ہوئے بولے، کومیل بھی وہیں ان کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

"میرے تو وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ہماری ابرش کے لئے اتنے اچھے خاندان کا رشتہ آجائے گا اور وہ بھی اتنی جلدی۔" عائشہ بیگم چائے کے برتن سمیٹتے ہوئے بولیں۔ان کے لہجے سے بھی خوشی عیاں ہو رہی تھی۔

"بس عائشہ بیگم یہ ہمارے ایمان کی کمزوری ہے۔ہم نے اللہ کی بجائے انسانوں سے امیدیں لگا رکھی ہیں۔اللہ کو راضی کرنے کے بجائے ہم ہر وقت انسانوں کو راضی کرنے کی کوشش میں اللہ سے دور ہو چکے ہیں۔اگر ہم اپنے دل میں یہ یقین پیدا کرلیں کہ اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی بہتری ہوتی ہے۔وہ جو کرتا ہے ہماری بھلائی کے لئے کرتا ہے تو ہماری زبان کبھی شکوہ نہ کرے۔ہم شکر ادا کرنے والوں میں شمار ہو جائیں تو ہماری زندگی سے مسائل خود بہ خود ختم ہو جائیں۔" اکرام صاحب کی بات پہ عائشہ بیگم اثبات میں سر ہلا گئی تھیں۔

"جی اکرام صاحب کہتے تو آپ بالکل ٹھیک ہیں۔اللہ ہم سب کو اچھا انسان اور بہترین مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔مجھے تو خود یہ رشتہ بہت پسند آیا ہے مگر ایک بات کا ڈر سا ہے جواد صاحب کہ مسز ثمرین بیگم کے مزاج اور انداز سے ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ مجبوراً ہمارے گھر آئی ہوں۔"

"میں نے دو تین بار ان سے گفتگو کرنا چاہی مگر ان کی خاموشی اور مختصر جوابات کے بعد میری تو ہمت نہ ہوئی ان سے مزید بات چیت کرنے کی۔" عائشہ بیگم خالی برتن ٹرے میں رکھتے ہوئے بولیں تو کومیل نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"ماں آپ وہم مت کریں اگر ان کا دل یہاں رشتہ طے کرنے پہ نہ ہوتا تو وہ جواد صاحب کے ساتھ آتی ہی کیوں؟"

"ہاں عائشہ کومیل ٹھیک کہہ رہا ہے۔تم اپنے دل سے خواہ مخواہ کے وسوسے نکال دو اور ابرش سے اس رشتے کے سلسلے میں رضامندی لو تا کہ اس بات کو آگے بڑھایا جائے۔" اکرام صاحب نے عائشہ بیگم سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر ٹرے اٹھائے کمرے سے نکل گئیں۔

☆......☆......☆

کمال قریشی نے کومیل کے لئے گاڑی بھیجی تھی اسے آج پھر سے اپنی ڈیوٹی جوائن کرنی تھی۔فی الحال ذوناش اور مرسل کے نکاح والی بات رک گئی تھی۔اس کی آمد کی خبر سن کر خوشی ذوناش کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی۔ڈرائیور جب کومیل کو لے کر کمال پیلس پہنچا تو وہ اپنے کمرے کی گلاس وال کے پردے ہٹائے وہاں کھڑی تھی۔پورچ میں گاڑی رک گئی تھی۔ذوناش نے خوشی سے اسے ہاتھ ہلایا تھا جوابا وہ اسے دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔

جب تک وہ مین انٹرنس سے گھر کے اندر آیا تھا ذوناش بھی کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

پنک سمپل سے ٹراؤزر شرٹ پہ سوٹ کے ساتھ ہی کا دوپٹہ سر پہ پھیلائے وہ بہت ڈیسنٹ اور کیوٹ لگ رہی تھی۔

اسے دیکھ کر کومیل کے بے چین سے دل کو جیسے قرار سا مل گیا تھا۔

''السلام علیکم!'' کومیل نے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام!'' ذوناش کی نظریں بے اختیار جھک گئی تھیں۔

''کیسے ہو کومیل تم؟'' ذوناش کے لہجے میں بے قراری تھی۔

''اب بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں۔'' کومیل کی نظریں اب بھی اس کے چہرے پہ مرکوز تھیں۔ پاکیزگی نے ایک عجیب سا سحر باندھ رکھا تھا ذوناش کے اردگرد۔ وہ کومیل کو پہلے سے کہیں زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ آج اسے دیکھنے سے دل نہیں بھر رہا تھا اس کا۔

''کومیل محبت کا سب سے خوبصورت اظہار نکاح ہے۔ اگر تمہیں واقعی مجھ سے محبت ہو گئی ہے تو مجھ سے نکاح کر لو۔ میں...... میں تمہارے علاوہ کسی اور کے ساتھ خوش اور مطمئن زندگی نہیں گزار سکوں گی۔ تمہارے علاوہ کوئی بھی مجھے خوش نہیں رکھ سکے گا۔'' وہ بے ساختہ اسے کہہ گئی۔

''میرا بھی آپ کی محبت میں ایسا ہی حال ہے مگر مجھے سمجھ نہیں آتی میں...... میں کیسے اس سلسلے میں کمال صاحب سے بات کروں گا؟ اور ان کا ری ایکشن کیسا ہو گا؟'' کومیل کے لہجے میں تشویش تھی۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا، میں خود ڈیڈ سے بات کروں گی۔'' ذوناش نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اسی دوران مریم خاتون کہیں سے ان کے قریب آئیں۔

''کومیل ویلکم ٹو ہوم مائے چائلڈ، تھینکس گاڈ تم گھر آ گیا ہے۔ ہم تمہارے لئے بہت پریشان تھا۔'' مریم خاتون نے آگے بڑھ کر کومیل کو گلے لگایا۔

''دیکھ لیجئے آپ سب کی دعاؤں نے مجھے بالکل ٹھیک کر دیا ہے۔'' کومیل دھیرے سے مسکرا دیا۔

''اب کیا یہیں کھڑا رہے گا تم۔ آؤ بیٹھو، ہم تمہارے لئے سوپ بنوا رہا ہے صاحب نے ہمیں تمہارا خاص خیال رکھنے کی ہدایت کر رکھا ہے۔'' مریم خاتون اپنی شفقت کا اظہار کر رہی تھیں۔ کومیل مسکراتے ہوئے، قریبی صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔

''آپ کا حکم سر آنکھوں پہ، دیکھ لیجئے بیٹھ گیا ہوں میں۔''

''اوکے تم یہاں بیٹھو گی۔ تمہارے لئے سوپ بھجواتا ہے۔'' مریم خاتون مسکراتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

''کل مرسل اور زوئے مجھے اپنے ساتھ ڈنر پہ لے جانا چاہتے تھے مگر تم نے مجھے اس کے ساتھ آنے جانے سے منع کر رکھا تھا تو میں نے اس سے ایکسکیوز کر لیا۔ ویسے وہ خود بھی اس دن ہونے والے اس واقعہ پہ خاصا اپ سیٹ ہے۔ بہت پریشان رہا ہے وہ۔'' ذوناش

اس کے مقابل صوفے پہ بیٹھتے ہوئے بولی، تو کومیل نے چونکتے ہوئے اس کو دیکھا اور پھر اگلے ہی لمحے اس کی بھنویں سکڑ گئی تھیں۔

"ہاں اپ سیٹ ہونا تو بنتا ہے مرسل صاحب کا، وہ اپنے مقصد میں کامیاب جو نہیں ہو سکے۔" کومیل کے چبھتے جواب نے اب کے ذوناش کو چونکا دیا تھا۔

"کیا مطلب میں کچھ سمجھی نہیں؟" ذوناش نے حیرت سے کومیل کو دیکھا۔

"وہ موبائل کہاں ہے جو میں نے آپ سے لان کی کیاری سے نکال کر سنبھالنے کو کہا تھا؟" کومیل کے سوال پہ وہ اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں وہ میرے پاس ہے میں ابھی لے کر آتی ہوں۔" ذوناش اٹھ کر اپنے روم کی طرف بڑھ گئی تھی اور پھر کچھ لمحوں کے بعد وہ ہاتھ میں وہی موبائل لئے اس کے سامنے موجود تھی۔

"یہ لو......اب بتاؤ اس موبائل کی اصل کہانی کیا ہے؟" وہ ایک بار پھر اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

"آپ کے نکاح والے دن آپ پر قاتلانہ حملہ کروانے والا کوئی اور نہیں آپ کا تایا زاد مرسل قریشی ہے۔" کومیل کا انکشاف تھا یا ذوناش کے اردگرد کوئی بلاسٹ ہوا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے کومیل کو دیکھنے لگی تھی۔

"نن......نہیں......کک......کومیل......ایسا......کک......کیسے ہو سکتا ہے؟ تم کو......کک......کوئی غلط......فہمی ہوئی ہے۔" وہ ورطہ حیرت میں مبتلا تھی۔ اس کے الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"میری بھی یہی حالت ہوئی تھی جب مرسل صاحب اس قاتل کو یہاں سے بھاگنے کی ہدایت دے رہے تھے، جس نے آپ پہ گولی چلائی تھی۔ اسی نمبر پہ مرسل صاحب نے اس قاتل سے رابطہ کیا تھا۔ میں نے خود سنی تھی وہ کال۔"

"کک......کومیل یہ......یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں ذوناش۔ پلیز میری بات کا یقین کریں، ہوا کچھ یوں کہ۔" اور پھر کومیل نے تمام قصہ اس کے گوش گزار کر دیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے لبوں پہ ہاتھ رکھے یک ٹک کومیل کو دیکھ رہی تھی۔ اس انکشاف پہ ذوناش کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔

"کومیل یہ......یہ بھی ہو سکتا ہے ناں کہ اس مجرم کو کال کرنے والے کی آواز مرسل سے ملتی ہو؟" ذوناش کو اب بھی یقین نہیں آرہا تھا۔

کومیل نے اس مجرم کا موبائل آن کیا۔

"اس میں یہ لاسٹ کالر کا نمبر چیک کریں اور دیکھیں یہ نمبر مرسل کا ہے؟" کومیل نے نمبر نکال کر ذوناش کو دکھایا تو اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"مجرم چاہے کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو ایک نہ ایک دن وہ اپنی ہی کسی غلطی سے پھنس جاتا ہے، اس کا جرم عیاں ہو جاتا ہے۔"

یہ...... یہ تو واقعی مرسل کا پرانا نمبر ہے جسے آج سے بیس دن پہلے اس واقعہ کے بعد اس نے چینج کر دیا تھا، او مائے گاڈ۔" ذوناش نے اپنا سر تھام لیا تھا۔

"آپ خود سوچیں، جس گیٹ سے وہ مجرم کمال پیلس میں داخل ہوا تھا اس گیٹ پہ موجود گارڈ کو پولیس حراست میں مروا دیا گیا تاکہ وہ اپنی زبان نہ کھول دے۔"

"میں نے یہ موبائل اس لئے چھپا دیا تھا اور اپنے بیان میں اس موبائل کا اس لئے ذکر نہیں کیا تھا کہ مرسل پولیس کو بھاری رشوت دے کر موبائل غائب نہ کروا لے۔ اب یہ بات یقینی ہو چکی ہے کہ مرسل کا تعلق وکرم سے بھی ہے۔ ذوناش اس سلسلے میں اب ہمیں نہایت خاموشی اور چالاکی سے مزید ثبوت اکٹھے کرنے ہوں گے۔ اگر مرسل یہ سب آپ کی تمام پراپرٹی حاصل کرنے کے لئے کر رہا تھا تو کمال صاحب تو ویسے بھی آپ کی شادی مرسل سے طے کر چکے ہیں۔ وہ اپنی تمام پراپرٹی بقول آپ کے، آپ کے نام کر چکے ہیں اور انہوں نے اس سلسلے میں اپنی وصیت بھی تیار کروا رکھی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ سے شادی کر کے تو ویسے بھی مرسل کو سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے پھر وہ آپ کی جان کا دشمن کیوں بنا؟ جب اسے ہر چیز آسانی سے حاصل ہو رہی ہے تو پھر آپ پر قاتلانہ حملہ کیوں کروایا اس نے؟ یہ راز جاننا بہت ضروری ہے۔" کومیل پرسوچ انداز میں اپنی رائے دے رہا تھا اور ذوناش ہنوز حیرت و پریشانی سے کومیل کو دیکھ رہی تھی اس کے اردگرد جھکڑ سے چل رہے تھے۔ اس کے پاس الفاظ ختم ہو گئے تھے۔ وہ جیسے پتھر کی ہو گئی تھی۔ کمال قریشی مرسل پہ اندھا اعتماد کرتے تھے۔ بھتیجا ہونے کے ناطے اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ اپنا تمام بزنس انہوں نے مرسل کے سپرد کر رکھا تھا۔ اپنی اکلوتی لاڈلی بیٹی کی شادی اس سے طے کر چکے تھے اور اسی شخص نے ان باپ بیٹی کو ڈسنے کی کوشش کی تھی؟

☆......☆......☆

اور پھر ابرش کا رشتہ ارہم سے طے ہو گیا تھا۔ بات پکی ہوتے ہی ارہم نے شادی کا شور مچا دیا تھا۔ یوں دونوں گھرانوں کی باہمی رضامندی سے جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ والا معاملہ بن کر ان دونوں کی شادی کی تاریخ طے کر دی گئی تھی۔ نکاح کی رسم تو نہایت سادگی سے ادا کی گئی تھی۔ ثمرین بیگم کا چہرہ بیٹے کی شادی پہ بھی سپاٹ ہی تھا۔ انہوں نے ایک رتی بھی خوشی کا اظہار نہ کیا تھا۔ بالآخر ابرش کو رخصت کروا کر کاشانہ ارہم لے آیا گیا تھا۔ تمام راستے وہ روتی ہوئی آتی تھی۔ ماں باپ کا گھر چھوڑنے کا فطری غم آنسو بن کر اس کی آنکھوں سے بہتا رہا تھا۔ مگر کسی نے بھی اسے چپ کروانے یا تسلی دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہاں تک کہ گاڑی کاشانہ ارہم میں داخل ہو گئی تھی۔ ڈرائیور نے گاڑی پورچ میں روک دی تھی اور باہر نکل کر ان کے لئے دروازہ کھولا تھا۔

جواد صاحب اگلی نشست سے نکل کر پچھلے دروازے کے قریب ہی کھڑے ہو گئے تھے۔ ثمرین بیگم ساڑھی کا پلو سنبھالتی ہوئی گاڑی سے باہر نکلی تھیں اور اس کے بعد بھاری ریڈ عروسی لباس کے ساتھ ابرش اپنی مدد آپ کے تحت خود ہی گاڑی سے باہر نکلی تھی اس کے

ساتھ دوسری طرف بیٹھے ارہم نے اس کے گاڑی سے باہر نکلنے میں ایک رتی بھر بھی مدد نہ کی تھی۔ وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر کھڑا ہو گیا تھا۔

''خوش آمدید بیٹا۔ اللہ تمہیں اس گھر میں دائمی خوشیاں نصیب کرے اور تم دونوں کو نئی زندگی کا یہ نیا سفر مبارک ہو۔'' جواد صاحب نے شفقت سے ابرش کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے خوشگوار انداز میں انہیں دعا دی تو ثمرین بیگم پہلو بدل کر رہ گئیں اور ٹک ٹک کرتی اندر کی جانب بڑھ گئیں۔ ابرش نے ایک لمحے کے لئے سر اٹھا کر ثمرین بیگم کے انداز و اطوار دیکھے اور سر جھکا لیا۔

جواد صاحب کو عجیب سی شرمندگی نے گھیر لیا تھا اور وہ نظریں چرا گئے تھے۔

''ارہم بھئی ادھر آؤ، وہاں کیوں کھڑے ہو؟''

''جی ڈیڈ!'' ارہم ان کے قریب آیا۔

''بھئی ابرش کو اپنے روم میں لے جاؤ۔ اب کیا یہاں کھڑے رکھو گے اسے؟'' جواد صاحب نے اسے حکم دیا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔ ابرش بھی حیرت سے اردگرد نگاہ دوڑاتی ہوئی دونوں ہاتھوں سے اپنا عروسی لباس سنبھالتی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

جانے یہ کیسی شادی تھی؟ نہ گھر میں لائٹنگ لگائی گئی تھی اور نہ ہی اس کا استقبال کیا گیا تھا۔ شادی والے گھر میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ انہیں سوچوں میں گم حیران و پریشان ارہم کی معیت میں اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ یہاں تک کہ ارہم اسے اپنے کمرے میں لے آیا تھا۔ کمرہ دیکھ کر اسے مزید حیرت ہوئی تھی۔ نہ کوئی سجاوٹ نہ کوئی پھول اور نہ پھولوں کا کوئی بو کے وہاں موجود تھا۔

ارہم کمرے میں آتے ہی اپنی پاکٹ سے والٹ، موبائل اور گھڑی اتار کر واش روم میں گھس گیا تھا۔ اس نے ابھی تک ابرش سے کوئی بات نہ کی تھی۔ اسے بیٹھنے تک کو نہیں کہا تھا۔ وہ مکمل طور پہ جیسے اسے اگنور کر رہا تھا۔

وہ کمرے پہ ایک سرسری سی نگاہ دوڑاتے ہوئے خود ہی اپنا عروسی لباس سنبھالتی ہوئی بیڈ پہ بیٹھ گئی تھی۔ اچانک اس کی نظر سامنے دیوار پہ لگی بڑے سے سائز کی تصویر پہ پڑی تھی۔ ایک اچھی اور خوبصورت شکل و صورت کی لڑکی، ارہم کے بالکل ساتھ کھڑی تھی اور ارہم نے اس کے شانوں کے گرد بازو پھیلا رکھے تھے۔ وہ دونوں اس تصویر میں مسکرا رہے تھے۔ اس کا ذہن مزید الجھ گیا تھا۔ جانے وہ لڑکی کون تھی؟ اسی اثناء میں واش روم کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی اور ابرش نے اپنا سر جھکا لیا تھا۔

ارہم چینج کرنے کے بعد چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا بیڈ کے قریب آ گیا تھا اور چند لمحے سرخ عروسی لہنگے میں ملبوس سر جھکائے ابرش کو دیکھتا رہا اور پھر اس کے سامنے بیڈ پہ تکیے کے سہارے آڑھا ترچھا لیٹ گیا۔ اس کے یوں بے تکلفی سے بیٹھنے اور پھر آڑھے ترچھے اس کے بالکل سامنے لیٹنے سے وہ فطری شرم و حیاء کے پیش نظر سمٹ سی گئی تھی۔

دونوں ہاتھوں میں مہنگی لگائے کلائیوں میں چوڑیاں پہنے، دلہن کے روپ میں بلاشبہ وہ انتہا کی خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس پہ روپ بھی بلا کا آیا تھا کیونکہ وہ عام زندگی میں بہت سادہ رہا کرتی تھی۔ بس کبھی عید تہوار یا کالج یونیورسٹی کے کسی فنکشن میں تیار ہو جاتی۔ ارہم کی نظریں اس کے معصوم اور حسین چہرے پہ مرکوز تھیں۔ دفعتاً اسے بس میں بھرے مجمعے میں ابرش کا زوردار تھپڑ یاد آتا تھا اور پھر شدید غصے کی ایک لہر اس کے تن بدن میں آگ لگا گئی تھی اور پھر اگلے ہی لمحے ارہم کا ہاتھ بلند ہوا تھا اور اس نے ابرش کو اتنی زور سے تھپڑ مارا تھا کہ وہ دائیں جانب بیڈ پہ گر گئی تھی۔ اس کے لئے یہ صورتحال اتنی غیر متوقع تھی کہ وہ بے یقینی وحیرت سے پھٹی پھٹی نگاہوں سے ارہم کو دیکھنے لگی تھی۔ آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے رخساروں کو بھگو رہے تھے۔

''یہ تمہاری منہ دکھائی تھی اور اس تھپڑ کا جواب بھی، جو تم نے لوگوں سے بھری ہوئی بس میں محض ایک غلط فہمی کے نتیجے میں مجھے مارا تھا۔'' وہ نہایت پرسکون سے انداز میں اب اس کے سامنے ہنوز آڑھا ترچھا لیٹا ہوا تھا اور وہ حیرت ودکھ سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہو۔ پھر ارہم نے اس کے ماتھے پہ سجا ہوا ٹیکا نوچ کر کھینچا، تو اس کے لبوں سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

''کیا لگا تھا تمہیں اس وقت کہ میں تمہارے گلے لگنے کے لئے بے چین ہو رہا تھا؟ تم جیسی دو ٹکے کی لڑکیوں کی طرف میں دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا تھی تم۔'' ارہم نے آگے بڑھ کر اس کے کانوں سے بندے نوچتے ہوئے نفرت سے کہا۔ کھینچ کر بندے اتارنے سے اس کے کانوں سے خون رسنے لگا تھا اور اس نے روتے ہوئے اپنی چیخ کو روکنے کے لئے اپنا ہاتھ لبوں پہ رکھ لیا تھا۔ ابرش کو لگا جیسے کسی نے ساتوں آسمان سے زمین پہ پھینک دیا تھا۔

''تمہارے سابقہ منگیتر کو میں نے تم سے منگنی توڑ دینے پہ مجبور کیا تھا۔ تمہاری اپنے ساتھ کچھ فیک تصاویر بنوا کر اسے بھجوائی تھیں میں نے۔'' اب ارہم نے اس کے گلے میں سجا خوبصورت ہار کھینچا تھا۔ وہ اس کے انکشافات پہ بت بنی سے دیکھ رہی تھی، جیسے اسے اپنی نظروں پہ اپنے کانوں پہ یقین نہ آ رہا ہو، وہ ایک ٹرانس کی کیفیت میں تھی۔

''اور جانتی ہو تم سے نکاح کرنے کا مقصد، صرف اور صرف اس تھپڑ کا بدلہ لینا تھا۔ ویسے میں نے سوچا تھا کہ تمہیں اس تھپڑ کی سزا دے کر تم پہ طلاق کا لیبل لگا کر ویسے کی صبح تمہیں تمہارے گھر بھجوا دوں گا۔ لیکن ایک تھپڑ سے میرا غصہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا۔ میرے خیال میں کچھ دن اور اس کھیل کو کھیلا جائے۔ کچھ دن تمہیں اور ایسے تھپڑ مارے جائیں کیا خیال ہے تمہارا؟'' ارہم نے یکدم اس کی کلائی مروڑتے ہوئے پوچھا تو بے ساختہ اس کے لبوں سے چیخ نکل گئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''پلیز مجھے چھوڑ دیں۔''

''تمہاری بے بسی دیکھ کر بہت سکون مل رہا ہے مجھے۔'' وہ دھیرے سے مسکرایا۔

''میں تمہاری اکڑ اور تمہارا غرور، تمہارا اوور کانفیڈینس خاک میں ملانا چاہتا تھا۔ تمہیں اپنے سامنے گڑگڑاتے ہوئے دیکھنا چاہتا

تھا۔ مجھ پہ تھپڑ برسانے والا ابھی اس دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔ تمہیں یہ بات بتانا اور سمجھانا چاہتا تھا میں۔'' ارہم نے اس کی کلائی چھوڑ دی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تو جیسے خون اترا ہوا تھا۔ دفعتاً اس کے موبائل پہ بجنے والی بیل نے ارہم کی توجہ مبذول کروائی تھی اور وہ اس پہ ایک قہر آلود نگاہ ڈالتے ہوئے بیڈ سے اٹھ گیا تھا۔ رینا اسے کال کر رہی تھی۔

''ہاں سویٹی کیسی ہو؟'' اس نے کال پک کر کے موبائل کان سے لگایا۔

''ٹھیک ہوں، تم بتاؤ اس کے قریب تو نہیں گئے؟'' دوسری طرف رینا کی تشویش نے دھیرے سے اسے مسکرانے پہ مجبور کر دیا تھا۔

''میری زندگی میں آج تک رینا کے علاوہ ایسی کوئی لڑکی نہیں آئی جس کے قریب جانے کو میرا دل چاہا ہو اور یہ بات تم اچھی طرح سے جانتی ہو سویٹی۔'' ارہم کے محبت بھرے انداز پہ دوسری طرف رینا پھولے نہ سما رہی تھی۔

''تو پھر اپنے دل کو سمجھا لو، تم ہی میری پہلی اور آخری محبت ہو، میری ہونے والی بیوی۔'' اس کے لہجے میں رینا کے لئے بے پناہ محبت تھی۔ ابرش اسے دیکھ کر حیرت سے بے آواز رو رہی تھی۔

''تم آج ہی اسے طلاق دے دینا۔'' رینائل نے اسے یاد دلایا۔

''نہیں میری جان آج نہیں۔ اسے پانے کے لئے بڑے پاپڑ بیلے ہیں میں نے۔ صرف ایک تھپڑ مار کر اسے فارغ کرنے کو دل نہیں مان رہا میرا۔ اسے کچھ دن اور اس اذیت میں مبتلا رکھنا چاہتا۔ ورنہ مجھے سکون نہیں ملے گا۔''

''مگر ارہم تم نے تو کہا تھا کہ تم اس لڑکی کو آج ہی طلاق دے دو گے؟'' رینا نے تشویش سے اسے یاد دلایا۔

''ہاں میں نے کہا تھا مگر میں نے کہا ناں اتنی جلدی اسے فارغ کر دینے سے مجھے سکون نہیں ملے گا۔ میں اس کی وجہ سے ایک مہینہ اور دس دن بے سکون رہا ہوں۔ کم از کم اتنے ہی دن اسے سزا دینا تو بنتا ہے میرا۔'' اس نے گردن موڑ کر ایک بار پھر نفرت سے ابرش کو دیکھا۔

''او کے ارہم، اگر اس طرح سے تمہارا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو ایسے ہی سہی مگر تم پرامس کرو ٹھیک ایک مہینے اور دس دن کے بعد تم اس لڑکی کو فارغ کر دو گے۔ ورنہ ممی اور پاپا کو تمہارے لئے پھر سے شادی کے لئے منانا میرے لئے مشکل ہو جائے گا۔'' رینائل نے دوسری طرف اسے تنبیہہ کی تو وہ مسکرا دیا۔

''کیوں پریشان ہوتی ہو سویٹی؟ کیا تمہیں میرے وعدے پہ یقین نہیں ہے۔''

''یقین ہے ارہم۔ اسی لئے تو تمہیں اس لڑکی سے نکاح کی اجازت دی تھی میں نے۔ بس تم ایک بات کا خیال رکھنا۔''

''کیسی بات؟''

''تم اس کے قریب نہیں جاؤ گے۔'' رینا کی وارننگ پہ وہ مسکرا دیا۔

''کم آن سویٹی، اس طرح کی باتیں کر کے میری محبت کو بے یقین بنا رہی ہو تم۔'' ارہم نے شکوہ کیا۔

"محبت میں یقین اور بے یقینی کے درمیان ایک لمحہ ہی تو ہوتا ہے اور پھر مردوں کا کیا بھروسہ؟ وہ اس یقین کو کب اور کیسے بے یقینی میں بدل دیں۔" ریناب اسے چھیڑ رہی تھی۔

"تم اچھی طرح سے جانتی ہو میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں۔" ارہم نے احتجاج کیا۔

"جانتی ہوں بس ایسے ہی تمہیں تنگ کر رہی تھی۔ اینی وے صبح ملاقات ہوتی ہے۔ میں اب رکھتی ہوں۔" رینائل نے اجازت لی۔

"اوکے سویٹی ٹیک کیئر۔" ارہم نے بھی اس سے اجازت چاہی اور فون بند کر دیا۔

"اس بستر سے اٹھو اور اپنے سونے کا کہیں بندوبست کرو۔ اس قابل نہیں ہو تم کہ تمہیں اس بستر پہ سونے کی اجازت دی جائے۔" ارہم نے اسے بازو سے پکڑ کر بیڈ سے کھینچ کر اٹھایا اور خود بیڈ پہ لیٹ گیا۔ وہ ہنوز بے آواز روتی ہوئی واش روم کی طرف بڑھ گئی تھی اور آئینے کے سامنے کھڑی خود کو دیکھتے ہوئے ایک بار پھر زاروقطار رونے لگی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اپنی بے بسی پہ کیا کرے؟ ماں اور ابا کو اس ظلم کی داستان کیسے سنائے؟ وہ تو سن کر جیتے جی مر جائیں گے اس سوچ کے آگے ابرش کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

☆......☆......☆

ساری رات رونے اور اللہ سے شکوہ کرتے کرتے صبح نا جانے کس پر اس کی آنکھ لگی تھی۔ ارہم اپنی روٹین کے مطابق اٹھا تھا۔ خود پہ لیا ہوا کمبل ہٹا کر وہ اٹھ کر بیٹھا تو اس کی نظریں سامنے صوفے پہ سکڑی سمٹی سی سوئی ابرش پر پڑیں۔ اسے دیکھتے ہی ارہم کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔ وہ بے دلی سے بیڈ سے اٹھا اور واش روم میں جانے کے لئے اس کے قریب سے گزرا۔

نظروں نے بے اختیار اسے ایک بار پھر دیکھنے کی گستاخی کی تھی۔ وہ واش روم کی طرف بڑھتا بڑھتا ایک لمحے کے لئے اس کے قریب رکا تھا۔ اس کے گال پہ ارہم کے تھپڑ اور انگلیوں کا واضح نشان موجود تھا۔ بغیر کسی کمبل یا چادر کے وہ کسی بچے کی طرح سکڑی سمٹی ہوئی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ صوفے سے نیچے لٹک رہا تھا۔ وہ بے اختیار اس کا بازو اوپر کرنے کے لئے جھکا تھا اور اسی لمحے ابرش نے کروٹ لی تھی مگر اسے اپنے قریب دیکھ کر وہ خوف سے چیخ مار کر اٹھ گئی تھی اور گھٹنوں میں منہ دیئے بیٹھ گئی تھی۔ شاید وہ جھک کر اس کی گردن دبانا چاہ رہا تھا۔ اس سوچ نے ابرش پہ کپکپی طاری کر دی تھی اور وہ بھی جیسے ہوش میں آ گیا تھا۔ ایک غصے سے بھرپور نگاہ اس پہ ڈالتے ہوئے وہ واش روم کی طرف بڑھ گیا تھا اور جب وہ وش روم سے نکلا تھا تو وہ تب بھی ویسے ہی خوفزدہ سی صوفے پہ بیٹھی تھی۔ وہ اسے اگنور کرتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑا ہوا اور بال بنانے لگا۔ دفعتاً دروازے پہ دستک ہوئی۔

ارہم نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو گھر کی ملازمہ سامنے کھڑی تھی۔

"چھوٹے صاحب بیگم صاحبہ اور بڑے صاحب آپ کو اور دلہن بی بی کو ناشتے پہ بلا رہے ہیں۔" زرینہ نے اطلاع دی۔

"اوکے تم جاؤ آتے ہیں ہم۔" ارہم نے اسے جواب دیا اور دروازہ بند کر دیا۔

"مام اور ڈیڈ ہمیں ناشتے پہ بلا رہے ہیں۔ اپنی یہ رونی صورت درست کرو اور باہر آ جاؤ۔ اگر تم نے کسی کے سامنے میرے یا اپنے تعلق کی اصل کہانیاں بیان کرتے کرتے کوئی ڈرامہ کری ایٹ کرنے کی کوشش کی تو زندہ نہیں چھوڑوں گا میں تمہیں۔" ارہم نے اسے سختی سے تنبیہہ کرتے ہوئے دھمکی دی تو وہ سر ہلا کر واش روم میں گھس گئی۔

اور پھر وہ پرپل سوٹ میں شانوں پہ اور سر پہ دوپٹہ پھیلائے ڈائننگ ہال میں آئی۔۔

"السلام علیکم!" ابرش نے دھیرے سے جواد صاحب اور ثمرین بیگم کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا جیتی رہو۔" جواد صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا مگر ثمرین بیگم اس پہ اچٹتی سی نگاہ ڈال کر اپنے لئے چائے بنانے لگی تھیں۔

"بیٹھ جاؤ، تمہیں یہاں کھڑے رہنے کے لئے نہیں بلوایا تھا۔ ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" یہ پہلا جملہ تھا جو ثمرین بیگم نے براہ راست ابرش سے بولا تھا۔

"ہاں بیٹا رک کیوں گئی۔ یہاں بیٹھو اور ہمیں جوائن کرو۔" جواد صاحب نے ثمرین بیگم کے روکھے انداز پہ خفیف ہوتے ہوئے کہا تو وہ خاموشی سے ایک چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

"کم آن بیٹا کچھ لو۔" جواد صاحب نے ارہم اور ثمرین بیگم کو اس سے لاتعلق دیکھ کر ٹیبل پہ موجود ناشتے کی طرف اشارہ کیا تو وہ جھجک کر اپنے لئے چائے بنانے لگی۔

جواد صاحب نے باری باری ارہم اور ابرش کے چہرے پہ نظر دوڑائی دونوں کے چہروں پہ کسی بھی قسم کی کوئی خوشی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ابرش سر جھکائے خاموشی سے گھونٹ گھونٹ چائے پیتی رہی۔

"کیا بات ہے بیٹا تم کچھ کھا نہیں رہی ہو؟" بالآخر جواد صاحب نے ابرش سے پوچھ ہی ڈالا۔

"بابا وہ بس بھوک نہیں ہے۔" ابرش نے جھجک کر کہا تو جواد صاحب مسکرا دیئے۔

"جیتی رہو بیٹا۔ تمہارے منہ سے اپنے لئے بابا سن کر بہت خوشی ہوئی۔" ابرش دھیرے سے سر جھکا گئی۔ ثمرین بیگم کی بھنویں سکڑ گئی تھیں۔ انہیں جواد پہ غصہ آ رہا تھا وہ خواہ مخواہ اس دو ٹکے کی لڑکی کو اہمیت دے رہے تھے۔

ولیمے کی تقریب لان میں ہی منعقد کی گئی تھی جس میں صرف گنتی کے چند قریبی لوگوں کو ہی مدعو کیا گیا تھا۔

عائشہ بیگم، اکرام صاحب اور کومیل کو دیکھ کر ابرش کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا تھا۔ جنہیں وہ آنسوؤں کی صورت آنکھوں سے بہنے سے روکنے کے لئے مزید تکلیف اٹھا رہی تھی۔ ابرش کی نظریں ارہم پہ جمی ہوئی تھیں۔ وہ بہت بڑا ایکٹر تھا۔ مسکراتے ہوئے خوش دلی سے اس کے گھر والوں سے مل رہا تھا۔

"ابرش میری بچی تم خوش تو ہوناں؟" عائشہ بیگم نہ جانے کب اس کے پاس آ بیٹھیں تھیں۔

"ج...... جی ماں...... میں خوش ہوں بہت۔" اس کا دل دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔

"اللہ میری بیٹی کو ہمیشہ خوش رکھے۔" انہوں نے محبت سے ابرش کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ مگر اچانک اس کے چہرے پہ سرخ سا نشان دیکھ کر تفکر سے پوچھنے لگی تھیں۔

"ارے ابرش یہ تمہارے چہرے پہ کیا ہوا؟"

"وہ...... وہ ماں...... میں نے کبھی اتنا ہیوی میک اپ نہیں کیا ناں۔ شاید میک اپ سے الرجی ہو گئی ہے۔" اس نے گڑبڑا کر جھوٹ بولا۔

"نظر لگ گئی ہو گی میری بچی کو۔ کل روپ بھی تو بہت آیا تھا تم پہ۔" عائشہ بیگم نے ممتا سے لبریز لہجے میں کہا تو وہ سر جھکا گئی۔ اس کا دل دہائی دے رہا تھا کہ وہ اپنے ماں باپ اور بھائی کو ارہم کی اصلیت بتائے مگر اس کے لب خاموش تھے نہ جانے کیوں؟ اس کی ماں اس کے پاس بیٹھی تھی مگر اس کے دل کے حال سے انجان۔ ابرش سوچ رہی تھی اللہ نے انسان کو کتنا سخت جان بنایا ہے۔ جس بات کا وہ تصور بھی برداشت نہیں کر سکتا جب وہی حقیقت بن کر ٹوٹ پڑتی ہے تو کیسے چپ چاپ سہہ لیتا ہے۔

"ابرش تم تو جانتی ہو، ہمارے ہاں مکلاوے کی رسم ہوتی ہے ولیمے والے دن لڑکی میکے والوں کے ساتھ جاتی ہے۔ تم نے اس سلسلے میں ارہم سے اجازت لی؟" عائشہ بیگم نے اس سے استفسار کیا تو وہ غائب دماغی سے نفی میں ہلا گئی۔

"ن...... نہیں ماں مجھے خیال نہیں آیا ان سے پوچھنے کا۔"

"ابرش میری بچی تمہیں پوچھنا چاہیے تھا ناں۔ اب تم شادی شدہ ہو اپنے اندر کی لاپرواہی تمہیں اب دور کرنا ہو گی۔ ویسے بھی ایک اچھی بیوی وہی ہوتی ہے جس کی طرف اس کا شوہر دیکھے تو وہ اسے خوشی بخشے اور جب وہ اپنی بیوی کو کوئی حکم دے تو وہ اس کی تعمیل کرے اور جب وہ گھر سے باہر جائے تو اس کی غیر موجودگی میں وہ اس کے مال کی اور اپنے نفس کی حفاظت کرے۔" عائشہ بیگم اسے پیار سے سمجھا رہی تھیں۔ اسی دوران ارہم بھی اس کے قریب آ بیٹھا تھا۔

"ارہم بیٹا اگر تمہاری اجازت ہو تو ہم ابرش کو رسم کے لئے اپنے ساتھ لے جائیں؟" عائشہ بیگم نے براہ راست ہی ارہم سے پوچھ لیا تھا۔

"اتنی جلدی آنٹی ابھی کل ہی تو شادی ہوئی ہے ہماری اور آپ انہیں ساتھ لے جانے کی بات کر رہی ہیں؟"

"بیٹا یہ رسم ہے ہمارے ہاں۔ بلکہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ جتنے دن ابرش ہمارے پاس رہے گی تم بھی وہیں رہنا۔" عائشہ بیگم مسکرائیں۔

''نہیں آنٹی میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہوگا۔ہم پھر کبھی آ جائیں گے اور ویسے بھی میں ابرش کے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔''
اس کے محبت بھرے اظہار پہ عائشہ بیگم دھیرے سے مسکرا دیں تھیں۔

''چلو بیٹا جیسے تمہاری مرضی۔ہم تو تم دونوں کی خوشی میں خوش ہیں۔'' عائشہ بیگم نے اٹھ کر ارہم کے سر پہ ہاتھ پھیرا تھا اور پھر اس تقریب میں وہ ایسے ہی ڈرامے کرتا رہا، یہاں تک کہ باری باری سب مہمان رخصت ہوتے گئے۔ابرش وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ اس کا بہت دل تھا کہ وہ ماں اور ابا کے ساتھ واپس چلی جائے۔اس چھوٹے سے جنت نما گھر میں، جہاں بہت آسائشات نہ تھیں مگر سکون بہت تھا۔یہاں اس بڑے سے بنگلے میں شاید دنیا کی ہر آسائش تھی مگر سکون ہرگز نہ تھا۔اسے اپنے کمرے میں جاتے ہوئے خوف آ رہا تھا۔تھوڑی دیر بعد ہونے والی رات سے اسے ڈر لگ رہا تھا۔ارہم ابھی کمرے میں نہیں آیا تھا۔وہ ویسے کا لباس بدل کر وضو کر کے نماز پڑھنے لگی تھی۔

دوسری طرف جواد صاحب ثمرین بیگم اور ارہم لاؤنج میں بیٹھے کافی پی رہے تھے، جب جواد صاحب نے بات کا آغاز کیا تھا۔

''ثمرین میں جانتا ہوں ارہم کا یہ رشتہ تمہاری رضامندی کے خلاف ہوا ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم نے شروع ہی سے رینا ئل کو ہی ہمیشہ اپنی بہو کے طور پہ دیکھا ہے۔کبھی کبھی تقدیر ہمارے طے شدہ فیصلوں کو بھی بدل کر رکھ دیتی ہے۔ہمیں وہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے جو ہم نے کبھی سوچا تک نہیں ہوتا۔''

''جواد سیدھی طرح بات کریں ناں، یہ تمہید کیوں باندھ رہے ہیں آپ؟'' ثمرین بیگم نے مگ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے جواد صاحب کو ٹوکا۔قریب ہی ارہم موبائل کھولے بیٹھا تھا اور فیس بک پہ رینا سے چیٹ کر رہا تھا۔

''میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے گھر میں ابرش ہی نے بہو بن کر قدم رکھنا تھا۔اس کے نصیب تھے یہاں۔یہ اللہ کا فیصلہ ہے اور ہمیں اللہ کے اس فیصلے کو اب خوش اسلوبی سے تسلیم کر لینا چاہیے۔میں دیکھ رہا ہوں، تمہارا رویہ ابرش کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے۔ابرش کے ساتھ شادی کرنے کا فیصلہ تمہارے بیٹے کا تھا اور اپنے بیٹے کے فیصلوں کی سزا اس معصوم کو مت دو۔شریف ماں باپ کی اولاد ہے اور بہت سلجھی ہوئی بچی ہے۔تمہارا اس طرح کا اکھڑا رویہ مناسب نہیں ہے اس کے ساتھ۔'' جواد صاحب دھیرے سے ثمرین بیگم کو سمجھا رہے تھے۔

''بس ہو گیا ختم آپ کا لیکچر؟ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ دو دن میں آپ کو ابرش سے ہمدردی بھی ہو گئی؟ ایک آنکھ نہیں بھاتی مجھے وہ لڑکی اور میں اسے اپنی بہو کے روپ میں تسلیم کر لوں؟ دو ٹکے کا خاندان پسند کیا ہے اس لڑکے نے۔اس کی بیوی ہے یہ نبھائے اپنی رشتے داریاں۔'' ثمرین بیگم غصے سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔جواد صاحب تاسف سے انہیں دیکھتے رہ گئے تھے۔ارہم کے کانوں پہ جوں تک نہ رینگی تھی۔وہ موبائل ہاتھ میں لئے چیٹنگ میں مصروف تھا۔

ارہم تم ہی اپنی ماں کو کچھ سمجھاؤ، میری تو وہ سنے گی نہیں۔اس معاملے میں۔'' جواد صاحب اب ارہم سے مخاطب ہوئے۔

''سوری ڈیڈ۔ماما کی سوچوں کا اپنا ہی ایک ڈرائینگ روم ہے اس ڈرائینگ روم میں اپنی مرضی کی تصویر لگا کر میں اس تصویر سے

محبت کرنے پہ انہیں فورس نہیں کر سکتا۔ وہ جو بہتر سمجھتی ہیں انہیں کرنے دیں۔" ارہم لاپروائی سے کہتا ہوا اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"سوری اگین۔ میں یہ بھول گیا تھا کسی بھی حوالے سے تم سے بات کرنا فضول ہے۔" جواد صاحب ارہم پہ ایک قہر آلود نگاہ ڈالتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئے تھے اور وہ کندھے اچکا کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا جہاں ابرش جائے نماز پہ بیٹھی دعا مانگ رہی تھی۔ آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی ہتھیلیوں پہ گر رہے تھے۔ ارہم اس کے قریب سے گزر کر واش روم میں چلا گیا تھا۔ جب وہ واش روم سے چینج کر کے باہر نکلا تو وہ تب بھی جائے نماز پہ بیٹھی تھی اور اسی طرح سے رو رہی تھی۔

"تمہاری نماز ابھی ختم نہیں ہوئی۔ یہ ٹسوے بہانے بند کرو اور میری بات سنو۔" وہ اسے حکم دے کر بیڈ پہ بیٹھ گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ دعا مانگ کر جائے نماز تہہ کرتی اٹھ گئی تھی۔

"جی بلایا تھا آپ نے۔" وہ جائے نماز رکھنے کے بعد بیڈ کے قریب آ کر اس سے پوچھنے لگی۔

"پاؤں دباؤ تھک گیا ہوں میں۔" اس نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا تو ابرش خاموشی سے بیڈ کی پائنتی پہ بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانے لگی۔ اس کی نظریں کسی غیر مرئی نقطے پہ مرکوز تھیں۔ نرم نرم سے ہاتھوں کے ساتھ اس کا دبانا سکون دے رہا تھا ارہم کو۔ بے اختیار ٹی وی اسکرین سے اس کی نظریں ہٹ کر اپنے سامنے بیٹھی ابرش پہ مرکوز ہو گئی تھیں۔ وہ بہت خوبصورت تھی۔ نماز کے لئے اس نے اپنے گرد دوپٹہ لپیٹ رکھا تھا اس کے اردگرد ایک پاکیزگی نے اپنا حصار باندھ رکھا تھا۔ وہ ابھی ابھی نماز پڑھ کر ہٹی تھی۔ ارہم کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آج وہ کس طرح سے اس پہ اپنی بربریت کا اظہار کرے۔

"بس اب میرے سر میں مساج کرو۔" ارہم نے اپنے پاؤں سمیٹتے ہوئے دوٹوک انداز میں اپنا اگلا حکم جاری کیا تو وہ ہنوز خاموشی سے آئل اٹھا کر اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ بوتل سے آئل نکال کر اس کے سر پہ لگاتے ہوئے ابرش سے تھوڑا سا آئل ارہم کی شرٹ پہ اس کے کندھے پہ گر گیا تھا۔ بس اور کیا تھا۔ ارہم کا زوردار تھپڑ اسے لڑکھڑانے پہ مجبور کر گیا تھا۔

"اسٹوپڈ، نان سینس گھٹیا لڑکی، اندھی ہو گیا؟ میری ساری شرٹ گندی کر دی تم نے۔" وہ غصے میں اس پہ برس رہا تھا اور وہ اپنے گال پہ ہاتھ رکھے اسے دیکھ رہی تھی۔ دکھ اور تاسف سے۔

"اب یہاں کھڑی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ مساج کرو میرے سر میں تمہارے گھر والوں کے سامنے خوش نظر آنے کی ایکٹنگ کرتے کرتے سر میں درد ہو گیا ہے میرے۔" وہ غصے میں مزید دھاڑا تو وہ اپنے بے جان وجود کے ساتھ ایک بار پھر اس کے قریب اس کے عقب میں آ کھڑی ہوئی اور آئل اس کے بالوں میں لگا کر دھیرے دھیرے مساج کرنے لگی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک عجیب سکون تھا ارہم کی آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں۔ اس دوران کئی بار ابرش کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر ارہم کے بالوں میں جذب ہوتے رہے تھے۔

''بس چھوڑ دو نیند آ رہی ہے مجھے۔'' اب کے دھیرے سے کہہ کر وہ بیڈ پہ لیٹ گیا تھا۔

''ٹی وی اور لائٹ آف کر دو۔'' اگلا حکم دیا گیا۔ ابرش خاموشی سے ٹی وی اور لائٹ بند کر کے صوفے پہ آ گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ارہم گہری نیند سو گیا تھا۔ مگر اس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ زندگی ایک بھیانک روپ میں اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ ہر لڑکی کی طرح شادی کے حوالے سے جو اس کے دل میں ارمان تھے چاہے جانے کی جو خواہش تھی، وہ جذبے اس کے دل میں چیخیں مار رہے تھے۔ ساری رات یونہی روتے روتے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ دماغ ماؤف ہو گیا تھا اس کا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس معاملے کو کیسے حل کرے؟ کسی کو بتائے کہ نہ بتائے۔

دور کہیں سے فجر کی اذان سنائی دی تھی۔ وہ محض چند گھنٹے ہی سوئی تھی۔ اذان کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ عائشہ بیگم اور اکرام صاحب خود بھی نمازی تھے دین دار تھے اور انہوں نے اپنے دونوں بچوں کو باقاعدگی سے نماز کا پابند بنا رکھا تھا۔ مصیبت اور پریشانی میں تو ان کے گھر کثرت سے ذکر الٰہی کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ذکر الٰہی سے ان کا گھر سکون کا گہوارہ بن گیا تھا۔ کثرت سے ان کے گھر اللہ کو یاد کیا جاتا تھا۔ اذان کے بعد وہ صوفے سے اٹھ گئی تھی۔ نماز پڑھنے کے بعد لان میں آ گئی تھی۔ صبح کی تازہ اور ٹھنڈی ہوا کے پیش نظر وہ اپنے گرد شال لپیٹے لان میں ٹہل رہی تھی، جب عقب سے جواد صاحب کی آواز نے اسے چونکا دیا تھا۔

''ابرش بیٹا تم اتنی صبح یہاں کیا کر رہی ہو؟'' ابرش نے پلٹ کر دیکھا، جواد صاحب ٹریک سوٹ میں ملبوس جوگرز پہنے کھڑے تھے۔

''بابا وہ میں نماز پڑھ کر یہاں آ گئی فریش ایئر میں بیٹھنے کو دل چاہ رہا تھا۔'' ابرش نے احترام سے جواب دیا۔

''او کے ویری گڈ۔ میں ذرا جوگنگ کے لئے جا رہا تھا، تم انجوائے کرو۔'' جواد صاحب اس کے سر پہ شفقت بھرا ہاتھ پھیر کر آگے بڑھ گئے تھے۔ وہ کافی دیر لان میں ٹہلتی رہی تھی اور اب تھک ہار کر لان چیئر پہ بیٹھ گئی تھی۔ خاموش فضا میں پرندوں کی آوازیں اور سرسبز و شاداب پودے دیکھ کر وہ کسی حد تک ریلیکس فیل کر رہی تھی۔

جب وہ ایک گھنٹے کے بعد واپس آئے تو اسے لان میں ہی دیکھ کر حیران ہوئے۔

''ابرش بیٹا تم ابھی تک یہاں بیٹھی ہو؟''

''جی وہ بابا یہاں بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا۔''

وہ لان چیئر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور مسکرانے کی زبردستی کوشش کرتے ہوئے بولی، تو جواد صاحب اثبات میں سر ہلا گئے۔

''او کے بیٹا خوش رہو، تمہیں یہاں کسی بھی قسم کا کوئی پرابلم ہو تو مجھے ضرور بتانا میں تمہارے باپ کی جگہ ہوں اور ویسے بھی جب تم مجھے بابا کہتی ہو تو بہت اچھا لگتا ہے مجھے۔ اللہ نے مجھے بیٹی نہیں دی مگر اب لگتا ہے یہ کمی تم پوری کر دو گی۔'' جواد صاحب مسکرائے۔

''جی انشاءاللہ بابا میں آپ کی بیٹی ہی ہوں۔ آپ اندر چلیے میں آپ کے لئے ناشتہ بنواتی ہوں۔'' ابرش نے احترام سے جواب دیا

اور پھر وہ کچن میں آ گئی تھی۔ بٹلر کے ساتھ مل کر اس نے ناشتہ بنوایا تھا۔ کمرے میں جانے کی بجائے اسے یہ مصروفیت اچھی اور بہتر لگی تھی۔

ارہم جب سو کر اٹھا تو وہ کمرے میں موجود نہیں تھی۔ کہیں وہ صبح ہی صبح ڈرائیور کے ساتھ واپس تو نہیں چلی گئی اپنے گھر۔ اس سوچ نے اسے بستر سے اٹھ کر بیٹھنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ موبائل اٹھا کر ڈرائیور کو فون کر کے پوچھتا، کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ مگر اسے بیڈ پہ بیٹھا ہوا دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔

''کہاں تھیں تم؟'' دو ٹوک انداز میں پوچھا گیا۔

''کوئی کام تھا آپ کو؟'' ابرش نے پوچھا۔

''پہلے میرے سوال کا جواب دو مجھے۔'' وہ غصے میں بلند آواز کے ساتھ بولا تو وہ چند لمحے خاموش ہو گئی۔

''کچن میں تھی۔'' آہستگی سے بتایا گیا، وہ اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھا۔

''مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔'' عقب سے ابرش کی آواز آئی۔ وہ ایک لمحے کے لئے رکا مگر اس نے پلٹ کر نہ دیکھا۔

''بس میں...... میں نے آپ کو تھپڑ امارا، وہ ایک عمل کا ردعمل تھا۔ خاص آپ کو نشانہ بنانا آپ کو بے عزت کرنا میرا مقصد ہرگز نہیں تھا۔ آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا میرا ردعمل یہی ہوتا۔ آپ اس چھوٹے سے واقعہ کو لے کر ہماری زندگی کے اس مقدس رشتے کو خراب مت کریں۔ بھلے مجھ سے محبت نہیں کریں مگر فی الحال مجھے طلاق مت دیں۔ شادی کے ایک مہینے کے بعد ان کی بیٹی طلاق لے کر گھر گئی تو وہ جیتے جی مر جائیں گے۔ خاندان والے طرح طرح کی باتیں بنا کر انہیں زندہ درگور کر دیں گے۔ میرے ماں باپ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔ پلیز آپ کو آپ کی محبت کا واسطہ، مجھے فی الحال طلاق مت دیں۔'' دو دن میں یہ پہلی طویل بات تھی جو ابرش نے اس سے کی تھی۔ اس کے لہجے میں التجا تھی، فریاد تھی، مجبوری تھی۔

''بعد میں...... میں کوئی مناسب وقت دیکھ کر ماں اور ابا کو اپنے اور آپ کے رشتے کی حقیقت بتا دوں گی۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔ آپ...... آپ مجھ سے میرے تھپڑ کا جیسے چاہے انتقام لے لیں۔ میں احتجاج نہیں کروں گی۔ مگر خدارا میرے ماں باپ کی خوشی کو اتنی جلدی غارت مت کریں۔'' وہ روتی ہوئی اب اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ اپنے سامنے کھڑی اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا، جسے اپنی کوئی پرواہ نہیں تھی اسے اپنے ماں باپ کی خوشی اس قدر عزیز تھی کہ ان کی خوشی کی خاطر وہ ارہم کا ہر ظلم برداشت کرنے پہ تیار تھی۔ اس کے سوشل سرکل کی لڑکیاں اور لڑکے صرف اپنے لئے جیتے تھے۔ خود اس نے بھی کبھی اپنے ماں باپ کی پرواہ نہیں کی تھی۔ وہ اپنی زندگی کو اپنی مرضی سے اب تک گزارتا آیا تھا۔ اس نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس کی خوشی اس کے والدین کو کتنی تکلیف دے رہی ہے۔ اس کی باتوں نے ارہم کے ضمیر کو چند لمحوں کے لئے جھنجھوڑا تھا۔ مگر اگلے ہی پل ریناٹل سے کیا ہوا وعدہ ارہم کو زنجیر کر گیا تھا۔ جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ فی الحال ایسی باتیں طے کرنا قبل از وقت ہوگا۔ اس لئے اس ٹاپک پہ گفتگو کرنا فضول ہے وہ اسے جواب دے کر شاور

لینے واش روم میں گھس گیا تھا اور وہ بے بسی سے واش روم کے بند دروازے کو دیکھتی رہ گئی۔

☆......☆......☆

ثمرین بیگم کی طبیعت ناساز تھی۔ وہ ناشتے کی ٹیبل پہ نہیں آسکی تھیں۔ جواد صاحب ناشتے کے بعد اپنی سیکورٹی کمپنی کے آفس روانہ ہو گئے تھے اور ارہم اسے بغیر بتائے نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔

ابرش نے بٹلر سے ثمرین بیگم کے لئے ناشتہ بنوایا اور ٹرالی میں لگا کر خود ان کے کمرے میں لے آئی۔

''السلام علیکم! کیسی طبیعت ہے مما آپ کی؟'' ابرش نے ثمرین بیگم کا حال پوچھتے ہوئے ٹرالی صوفے کے قریب روک دی۔

''تمہیں کس نے اجازت دی مجھے مما کہنے کی؟'' ثمرین بیگم ابھی نائٹ گاؤن میں ہی ملبوس تھیں اور بیڈ سے ٹیک لگائے وہ اپنا موبائل دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے ابرش کے سلام کا جواب نہیں دیا تھا۔ الٹا اسی کو ڈانٹتے ہوئے سوال کر ڈالا تھا۔

''آپ ارہم کی مما ہیں تو اس حساب سے میرے لئے بھی نہایت قابل احترام ہیں اور۔'' وہ شرمندہ سی ہو کر رک گئی۔

''اینی وے میں آپ کے لئے ناشتہ لائی ہوں آپ کچھ کھا کر پھر میڈیسن لے لیجئے گا۔'' ابرش دوبارہ مخاطب ہوئی۔

''جواد کو تو متاثر کر ہی چکی ہو تم مگر یاد رکھنا، میں تمہاری ان چاپلوسیوں میں آنے والی نہیں ہوں۔ لہٰذا زیادہ نیک پروین بن کر مجھے متاثر کرنے کی کوشش مت کرو، تم میرا انتخاب ہرگز نہیں ہو۔ ارہم تمہیں زبردستی اس گھر میں لایا ہے۔ اس نے زبردستی تم کو ہم پہ مسلط کیا ہے۔ اس حقیقت کو اچھی طرح سے سمجھ لو۔ میں نے اپنی بہو کے طور پر ریتا کو منتخب کیا تھا اور وہی میرے اس گھر کی بہو بنے گی۔'' ثمرین بیگم کا لٹھ مار جواب اور انگارے جیسے الفاظ اسے جھلسا گئے تھے۔ اس نے تو کبھی زندگی میں یہ نہیں سوچا تھا کہ اس کی شادی شدہ لائف اس قدر بھیانک ہو گی؟

آنسو اس کی آنکھوں سے پھسل کر اس کے گالوں پہ بہہ رہے تھے۔ ایسی حقارت آمیز زندگی کا تو اس نے کبھی تصور تک نہ کیا تھا۔ وہ اپنے ماں باپ اور بھائی کی کس قدر لاڈلی تھی؟ مگر یہاں آکر اس کے لاڈ اس کے نخرے ہوا ہو گئے تھے۔ قسمت نے اسے آسمان سے اٹھا کر زمین پہ پٹخ دیا تھا۔ آج اسے اس بات کا اندازہ ہوا تھا کہ ابا کیوں اس بات کا اظہار کیا کرتے تھے۔ بیٹیاں بہت پیاری ہوتی ہیں دل کے بے انتہا قریب ہوتی ہیں مگر ان کی قسمت کا خوف ماں باپ کے دلوں کو ہر وقت ہولائے رکھتا ہے۔ بیٹی کی پیدائش اور اس کی رخصتی پہ والدین کی آنکھیں کیوں بھر آتی ہیں؟ یہی وہ خوف ہوتا ہے جو ان کی آنکھوں سے آنسو بن کر چھلک پڑتا ہے۔

''اب یہاں کھڑی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو؟ جا سکتی ہو تم یہاں سے۔'' ثمرین بیگم کا لٹھ مار جواب سن کر اس کی سوچوں کا تسلسل بھی ٹوٹ گیا تھا اور وہ الٹے پیروں ان کے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

سوچوں اور غموں کا ایک آکٹوپس تھا جس نے ابرش کو لپیٹ لیا تھا۔ صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام ہو گئی تھی۔ اسے اپنی سوچوں

میں الجھتے ہوئے ملازمہ نے کئی بار اسے کھانے پینے کا پوچھا تھا مگر ہر بار اس نے ''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' کہہ کر اسے واپس بھجوا دیا تھا اس کی بھوک پیاس ختم ہو گئی تھی۔ بے اختیار اسے ماں باپ کے گھر کے سکھ یاد آنے لگے تھے۔

اس گھر میں واحد ایک بریگیڈیئر جواد ہی تھے جو محبت اور شفقت سے اس سے پیش آیا کرتے تھے۔ عموماً شام کو جواد صاحب گھر آ جایا کرتے تھے مگر آج شاید وہ کسی کام میں مصروف تھے۔ وہ ابھی تک گھر نہیں آئے تھے۔

وہ اپنی پریشان کن سوچوں سے چھٹکارا پانے کے لئے نماز عصر کے بعد لاؤنج میں آ گئی تھی اور غائب دماغی سے ٹی وی پہ چینل سرچنگ میں مصروف تھی جب ثمرین بیگم عجلت اور بدحواسی میں موبائل کان سے لگائے نہایت گھبرائے ہوئے انداز میں اپنے کمرے سے نکلی تھیں۔

''او کے تم فوری ارہم سے رابطہ کر کے اس کو اطلاع دو، میں گھر سے نکل رہی ہوں۔'' ثمرین بیگم نے موبائل آف کیا اور اسے نظر انداز کرتی ہوئی لاؤنج سے گزرنے لگیں۔

''مما خیر تو ہے آپ بہت پریشان لگ رہی ہیں۔'' عقب سے ابرش نے ہمت کر کے پوچھ ہی ڈالا تھا۔

''جواد کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ وہ اس وقت ایمرجنسی میں ہیں۔'' ثمرین بیگم نے بھرائی آواز میں رک کر اسے بتایا۔

''او مائے گاڈ آپ...... آپ مجھے بھی اپنے ساتھ لے جایئے۔'' وہ بھی پریشانی میں ثمرین بیگم کے ساتھ چل پڑی تھی۔ ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد وہ دونوں ڈرائیور کے ساتھ ہاسپٹل میں موجود تھیں جہاں ارہم اور جواد صاحب کی کمپنی کا ایم ڈی پہلے سے موجود تھا۔

''کیسی طبیعت ہے تمہارے ڈیڈی کی۔'' ثمرین نہایت گھبرائے انداز میں ارہم کی طرف لپکیں۔

''ٹریٹمنٹ ہو رہا ہے ڈیڈ کا۔'' ارہم کے چہرے پہ بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ کافی دیر جان لیوا لمحات کے بعد ڈاکٹرز نے جواد چوہدری کی حالت خطرے سے باہر بتائی تھی۔ ارہم نے بنٹی خالہ اور ریناکل کو بھی فون پہ اطلاع دے دی تھی۔ کچھ دیر کے بعد وہ دونوں بھی ہاسپٹل پہنچ گئی تھیں۔ فاروق صاحب ملک سے باہر تھے۔ بنٹی خالہ اور رینا نے پہلی بار ابرش کو دیکھا تھا۔ بلیک اور یلو سوٹ میں سر پہ دوپٹہ لئے وہ ویٹنگ لاؤنج میں بیٹھی تھی۔

''یہ چڑیل یہاں کیا کر رہی ہے؟'' بنٹی خالہ نے دھیرے سے ثمرین بیگم سے پوچھا۔

''بس پریشانی میں گھر سے نکلی تو یہ بھی میرے ساتھ ہی آ گئی۔'' ثمرین بیگم نے بتایا۔

''آپا اب جواد بھائی کی طبیعت کیسی ہے؟'' بنٹی خالہ نے پوچھا۔

''بہتر ہیں۔ اگلے چوبیس گھنٹے اہم قرار دیئے ہیں ڈاکٹر نے۔ بنٹی تم...... تم دعا کرو، اللہ جواد کا سایہ ہم پہ سلامت رکھے۔'' ثمرین بیگم کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے۔

''ارے آپا حوصلہ رکھیں۔ انشاء اللہ کچھ نہیں ہو گا جواد بھائی کو'' بنٹی خالہ نے ثمرین بیگم کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور انہیں لابی سے ویٹنگ لاؤنج تک لے آئیں۔

''ہم سب کی دعائیں جواد بھائی کے ساتھ ہیں۔ آپ فکر مت کریں اور یہاں بیٹھ جائیں۔ کھڑے کھڑے تھک جائیں گی۔'' بنٹی نے انہیں چیئر پہ بٹھایا۔

''ارہم یہ...... یہ تو اچھی خاصی خوبصورت ہے تم نے تو مجھے بتایا ہی نہیں؟'' ریناارہم کے ساتھ بیٹھی تھی اور کن اکھیوں سے ابرش کو دیکھ کر اپنے پاس بیٹھے ارہم سے مخاطب ہوئی۔ اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

''پتہ نہیں یہ خوبصورت ہے کہ نہیں، میں نے اسے غور سے نہیں دیکھا۔ فی الحال دعا کرو ڈیڈ ٹھیک ہو جائیں۔'' ارہم کے چہرے پہ خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

''ڈونٹ وری ارہم انکل ٹھیک ہو جائیں گے۔'' رینا نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔ پھر بنٹی خالہ اور رینا تھوڑی دیر وہاں مزید بیٹھی تھیں اور اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''سوری اگین آپا۔ گھر میں رینا نے آج پارٹی ارینج کر رکھی ہے اگر دعوت نامے جاری نہ کر دیئے ہوتے تو میں اور رینا یہاں آپ کے پاس ہی رکتے۔ ابھی کچھ دن پہلے رینا نے کراچی فیشن ویک میں بیسٹ نیوڈیزائنر آف دی ایئر کا ایوارڈ ون کیا ہے۔ اسی سلسلے میں اس نے پارٹی ارینج کر رکھی ہے۔ لاہور اور کراچی سے اس پارٹی کے لئے اس کے کچھ دوست احباب آرہے ہیں۔'' بنٹی خالہ نے ہاسپٹل نہ رکھنے کا جواز پیش کیا۔

''نہیں کوئی بات نہیں، بنٹی تم لوگ جاؤ۔'' ثمرین بیگم نے ایک سرد آہ بھری۔ ارہم بالکل خاموش تھا۔ اس کا باپ موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھا اور اس کی محبت رینا فاروق نے گھر میں رکھی پارٹی کینسل تک نہ کی تھی۔

رینا اور بنٹی خالہ واپس چلی گئی تھیں۔ تب وہ دھیرے سے اپنی نشست سے اٹھ کر اس کے برابر میں آ بیٹھی تھی اور اسی طرح دھیرے سے بولی تھی۔

''میں سمجھ سکتی ہوں آپ اس وقت کس کرب اور پریشانی سے گزر رہے ہیں۔ باپ ایک مقدس محافظ کی طرح ہوتا ہے جو ساری زندگی اپنے بچوں کی حفاظت کرنے میں گزار دیتا ہے جو اولاد کی جیت کے لئے اپنا سب کچھ ہارتا چلا جاتا ہے مگر مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں اپنے اللہ کی رحمت اور مصیبت میں مانگی ہوئی دعاؤں پہ یقین ہونا چاہیے۔ اللہ اپنی رحمت سے مایوس نہیں کرتا اور نہ دعائیں رائیگاں جاتی ہیں۔ ایک وہی تو ہے جو مرتے دم تک ہمارے لئے ہماری توجہ اور اپنی رحمت کا دروازہ کھلا رکھتا ہے۔ اس لئے آپ مایوس اور پریشان مت ہوں انشاء اللہ بابا بالکل ٹھیک ہو جائیں گے اور ہم انہیں اللہ کے فضل سے گھر لے کر جائیں گے۔'' وہ دھیرے دھیرے دھیمے سے لہجے

میں اسے تسلی دے رہی تھی۔ اس کی تسلی ارہم کے بے قرار دل کو قرار دینے لگی تھی۔ ایک امید کی روشنی اس کے مایوس اور پریشان دل کو ڈھارس بن کر تسلی دینے لگی تھی۔ نہ جانے یہ کیسا احساس تھا کہ ارہم کی آنکھیں بھر آئیں تھیں۔ بچپن سے لے کر اب تک اس کی نظروں کے سامنے ایک فلم سی چلنے لگی تھی۔

آج جو باپ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا بستر پہ پڑا تھا اس باپ نے ارہم کے کیسے کیسے ناز نخرے جائز ناجائز خواہشات کو پورا کیا تھا۔ صرف اور صرف اس کی خوشی کی خاطر نہ جانے انہوں نے کتنی بار اپنی ایگو کو مارا تھا اپنے دل پہ جبر کیا تھا؟

ارہم نے بچپن سے لے کر اب تک انہیں صرف ستایا ہی تھا ہر معاملے میں۔ اس نے اپنی ضد منوائی تھی اور وہ ساری دنیا کو جیتنے کے باوجود ارہم سے ہار جایا کرتے تھے۔ یکدم ایک ندامت نے ارہم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ وہ دل سے ان کی صحت، تندرستی اور زندگی کی دعائیں کر رہا تھا۔

آج اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ کسی اپنے کو کھو دینے کا ڈر کیا ہوتا ہے؟ یہ ڈر کیسی قیامت بن کر دل کو چیرتا ہے۔ کسی اپنے کی دائمی جدائی کا خوف کیسے زندگی کو ایک تاریک اور اندھیری رات میں بدل دیتا ہے؟

سچ کہا ہے کسی نے اللہ جس کو اپنا آپ یاد دلانا چاہتا ہے اسے دکھ کا الیکٹرک شاک دے کر اپنی جانب متوجہ کر لیتا ہے۔ دکھ کی بھٹی میں انسان دوسروں کے لئے نرم پڑ جاتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ وہ خاموشی سے سر جھکائے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کی تسلی ڈھارس بن رہی تھی ارہم کے لئے۔

توقف کے بعد وہ مزید بولی تھی۔

”میں بابا کے پاس بیٹھتی ہوں، آپ اور مما گھر جا کر تھوڑا ریلیکس کر لیں۔“

”نہیں میں یہیں ہوں ڈیڈ کے پاس، تم مام سے پوچھ لو اور انہیں تھوڑی دیر کے لئے گھر لے جاؤ۔ صبح ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔“ یہ پہلا جملہ تھا جو ارہم نے اس سے نرمی سے ادا کیا تھا۔ وہ خاموشی سے اثبات میں سر ہلا کر اٹھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

جواد چوہدری ڈسچارج ہو کر گھر آ گئے تھے۔ عائشہ بیگم اور اکرام صاحب بھی ان کی عیادت کو آئے تھے۔ کومیل بھی گاہے بگاہے فون پہ جواد صاحب کی خیریت پوچھ لیتا تھا۔ ابرش ان کا بھرپور خیال رکھ رہی تھی۔ آج کل گھر کا بٹلر تاج محمد بھی چھٹی پہ گیا ہوا تھا اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ ثمرین بیگم عارضی طور پہ کوئی نیا بٹلر ڈھونڈ رہی تھیں مگر فی الحال کچن ابرش نے سنبھال رکھا تھا۔ اب بھی وہ سب ناشتے کی ٹیبل پہ موجود تھے اور ابرش ملازمہ کو ساتھ لگائے ناشتہ بنانے میں مصروف تھی۔

”صاحب جی یہ آپ کا پرہیزی ناشتہ۔“ ملازمہ نے ڈائننگ ٹیبل پہ جواد صاحب کے سامنے ناشتہ رکھا۔

"بیگم صاحبہ اور چھوٹے صاحب جی بی بی پوچھ رہی ہیں آپ کو کچھ اور چاہیے تو بتائیں؟" ملازمہ نے ابرش کا پیغام دہرایا۔

"نہیں اور کچھ نہیں چاہیے۔" چائے پیتی ثمرین بیگم نے مختصر جواب دیا۔

"بلکہ تم جاؤ اور ابرش کو یہاں بھیجو۔ کب سے وہ کچن میں گھسی ہوئی ہے۔ وہ بھی ناشتے میں ہمیں جوائن کرے۔" جواد صاحب نے اپنا پرہیزی ناشتہ کھاتے ہوئے ملازمہ کو ہدایت دی تو وہ سر ہلا کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"بہت سلجھی ہوئی بچی ہے ابرش۔ جب سے اس گھر میں آئی ہے اس نے بیٹی کی کمی پوری کر دی ہے۔" جواد صاحب کی تعریف پہ ثمرین بیگم پہلو بدل کر رہ گئی تھیں۔ جواد صاحب نے لحظہ بھر بیگم کو دیکھا اور ان سے مخاطب ہوئے۔

"ثمرین پلیز جو بھی ہوا بھول جاؤ اور ابرش کے لئے اپنا دل نرم کر لو۔ اس کے نصیب یہاں لکھے ہوئے تھے، سو قسمت اسے یہاں ہماری بہو بنا کر لے آئی۔ کتنا خیال رکھتی ہے وہ ہمارا؟ جب سے اس کی شادی ہوئی ہے وہ ایک بار بھی اپنے میکے رہنے کے لئے نہیں گئی۔ میری بیماری میں اس نے کتنا خیال رکھا ہے میرا۔ سارا دن میری تیمارداری میں گزار دیتی ہے۔ ہمیں اپنے ماں باپ کا درجہ دیتی ہے۔ کتنے دن سے اس نے کچن سنبھال رکھا ہے۔ کتنا احترام کرتی ہے وہ ہمارا؟ اس کی رگوں میں ایک شریف اور باعزت گھرانے کا لہو دوڑ رہا ہے۔ ورنہ آج کل کی لڑکیاں کہاں خیال رکھتی ہیں ساس سسر کا۔ گھر کو گھر نہیں سمجھتی ہیں۔ اب ریناکو ہی دیکھ لو۔ ایف یوڈونٹ مائنڈ جب سے میں گھر آیا ہوں، اس نے ایک بار بھی میری خیریت پوچھنے کے لئے یہاں چکر نہیں لگایا۔" جواد صاحب نے انہیں سمجھاتے ہوئے شکوہ کیا تو ثمرین بیگم کے ساتھ ساتھ ارہم بھی شرمندہ سا ہو گیا تھا۔

"جواد آپ اس دو ٹکے کی لڑکی کو رینا کے ساتھ کمپیئر مت کریں۔ بس وہ آج کل تھوڑی مصروف ہے آج کل دوبئی میں ہونے والے فیشن شو کے سلسلے میں تھوڑی مصروف ہے ورنہ بنٹی تو ہر دوسرے دن مجھ سے آپ کی فون پہ خیریت پوچھتی ہے۔" ثمرین بیگم نے نظریں چراتے ہوئے بات بتائی تو جواد صاحب نے نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے اپنی بیگم کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"چھوڑو ثمرین بیگم بہن اور بھانجی کے اعمال پہ پردہ پوشی مت کرو۔ مصروفیت، قریبی رشتوں سے کبھی دور نہیں کرتی اگر ان رشتوں سے انسان کو سچی محبت ہو تو، رینا نے گھر آنا تو دور کی بات ہے مجھے اس نے فون تک نہیں کیا اور رہی بات بنٹی اور فاروق کی تو ایسا کون سا قتل وغارت کر دیا ہم نے۔ انہوں نے یہاں آنا تک گوارہ نہیں کیا۔ فاروق کو پاکستان آئے ایک ہفتہ ہو چکا ہے اور اس نے مجھ سے رابطہ تک نہیں کیا۔"

"چھوڑیں جواد صاحب۔ آپ تو بال کی کھال اتار رہے ہیں۔ جیسا آپ سمجھ رہے ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہے۔" ثمرین بیگم سچ مچ شرمندہ ہو رہی تھیں۔

اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ اینی وے ارہم بیٹا، زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ موت کے منہ سے واپس لایا ہے اللہ مجھے۔ میری ایک بات

یاد رکھنا، اللہ نے تمہیں ایک ہیرا دیا ہے ابرش کے روپ میں۔ اس کی قدر کرنا۔ یہ لڑکی ایک مکان کو گھر بنانا جانتی ہے اسے کبھی مت چھوڑنا۔ جو خوبیاں میں نے اس بچی میں دیکھی ہیں وہ آج کل کی لڑکیوں میں ناپید ہیں۔ تم اس سے بہت لاتعلق رہتے ہو۔ بیٹا بیوی کوئی چیز نہیں ہوتی جسے آپ شوق سے خرید کر لاؤ اور گھر کے کسی کونے میں اسے رکھ کر بھول جاؤ۔ محبت ہر دن کے ساتھ اعادہ چاہتی ہے۔ یہ باتیں یہ نصیحت ایک ماں ہونے کے ناطے ثمرین کو تمہیں سمجھانی چاہئیں مگر تمہاری ماں نے اس شادی کو اپنی انا کا مسئلہ بنا رکھا ہے۔ اس لئے میں تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ میں نے موت کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اس لئے بیٹا تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ سنجیدہ ہو جاؤ۔ زندگی کوئی کھیل تماشا نہیں ہے۔ ہم ساری زندگی اس کے رنگین دھوکے میں گزار دیتے ہیں۔ دنیا میں رہنے کے لئے دنیا جہان کی چیزیں، آسائشیات اکٹھی کرتے کرتے زندگی گزار دیتے ہیں مگر واپسی کے لئے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں بچتا۔ نہ اعمال اور نہ نیکیاں۔ دنیا کا مال چپ چاپ یہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ زندگی ایک بار ملتی ہے اسے تجربات کی نذر مت کرنا۔ میں جانتا ہوں اس شدید اور جان لیوا ہارٹ اٹیک سے میرا دل کمزور ہو چکا ہے۔ دوسری بار اٹیک ہوا تو شاید میں زندہ نہ رہوں اس لئے میری باتوں کو ہمیشہ یاد رکھنا۔'' جواد صاحب دھیرے سے اسے سمجھا رہے تھے۔

''اللہ نہ کرے جواد آپ کو کچھ ہو۔'' ثمرین بیگم نے دہل کر انہیں ٹوکا۔

''ڈیڈ پلیز آپ اس طرح کی باتیں مت سوچیں، اللہ آپ کو سلامت رکھے۔'' ارہم نے بے اختیار اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پہ رکھتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ اتنے میں ابرش بھی ڈائننگ ٹیبل پہ آ گئی تھی۔

''بابا آپ نے بلایا تھا مجھے؟''

''ہاں بیٹا یہاں بیٹھو اور ناشتہ کرو۔ خود نہیں کھاؤ گی تو اپنے بابا کی خدمت کیسے کر پاؤ گی؟'' جواد چوہدری نے مسکراتے ہوئے تنبیہہ کی تو وہ بھی مسکراتی ہوئی چیئر گھسیٹ کر ارہم کے برابر بیٹھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

وقت، حالات اور کچھ واقعات کبھی کبھی ہمیں اس قدر خاموشی سے بدلنے لگتے ہیں کہ ہمیں خود بھی کانوں کان خبر نہیں ہوتی اور ایسا ہی ارہم کے ساتھ بھی ہو رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ دھیرے دھیرے بدل رہا ہے۔ وہ روز باقاعدگی سے اپنے آفس جانے لگا تھا۔ اس نے کبھی اپنے ماں باپ کے ساتھ بیٹھ کر ٹائم نہیں گزارا تھا۔ مگر اب وہ آفس سے آنے کے بعد جواد صاحب اور ثمرین بیگم کے پاس بیٹھا کرتا تھا۔ اس کے مزاج میں جو ضد اور بدمزاجی کا عنصر نمایاں تھا وہ اب کم ہونے لگا تھا۔ وہ جو اپنی بات پہ ذرا سی نفی پہ بھڑک اٹھتا تھا، اب ایسی کوئی فرمائش کوئی بات نہ کرتا جو جواد صاحب کی دل آزاری کا باعث بنے۔ پہلے نہ اس کے گھر سے جانے کا کوئی ٹائم تھا نہ گھر آنے کا۔ مگر اب وہ شام کو گھر سے نکلتا تو رات جلدی واپس آ جاتا۔ ابرش کے ساتھ اس کے رشتے میں صرف یہ تبدیلی آئی تھی کہ وہ اسے جسمانی ٹارچر

نہیں کرتا تھا۔ دونوں کے بیچ اب بھی ہنوز خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دنیا کی نظر میں وہ میاں بیوی تھے مگر کمرے میں جو پہلے دن سے دونوں کے درمیان لاتعلقی چھائی تھی وہ اب بھی قائم تھی۔ ریتا دوبئی میں ہونے والے ایشیا فیشن ویک میں حصہ لینے کے لئے گزشتہ ڈیڑھ ہفتے سے دوبئی میں مقیم تھی۔

اس کے لئے اس کا کیریئر سب سے اہم تھا اور اس بات کا اندازہ ارہم کو ان چند دنوں میں ہی ہو گیا تھا۔ اسے اب احساس ہو رہا تھا کہ محبت تو وہ ہوتی ہے کہ کوئی احساس دلائے بنا آپ کا درد سمیٹ لے۔ آپ کی کمزوریوں کو ڈھانپ لے ورنہ محض رابطے میں رہنا۔ گفتگو میں محبت کے بلند و بانگ دعوے کرنے زبان کا چسکا تو ہو سکتا ہے لیکن محبت ہرگز نہیں۔ وہ ریتا کو میسج کرتا تو وہ مصروفیت کی بناء پہ گھنٹوں اسے جواب نہ دیتی اور وہ پہروں اس کے جواب کا منتظر رہتا۔

اب بھی وہ اپنے کمرے میں بیڈ پہ لیپ ٹاپ لئے بیٹھا تھا اور فیس بک پہ اسے میسج بھیج رہا تھا۔ قریب ہی کارپٹ پہ جائے نماز بچھائے ابرش عشاء کی نماز پڑھ رہی تھی۔ گاہے بگاہے ارہم کی نظریں لاشعوری طور پہ جائے نماز پہ کھڑی نماز کا ایک ایک رکن ادا کرتی ابرش پہ پڑتیں۔ یہاں تک کہ وہ دعا مانگنے کے بعد جائے نماز تہہ کرنے کے بعد ایک کونے میں رکھ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد وہ ہاتھوں میں ٹرے پکڑے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ ٹرے میں دو مگ رکھے تھے۔ کمرے میں آ کر اس نے ٹرے سے ایک مگ اٹھایا تھا اور ارہم کے پاس سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے کہا۔

''میں اپنے لئے کافی بنا رہی تھی سوچا آپ کے لئے بھی بنا دوں۔'' وہ مگ رکھ کر پلٹ گئی تھی۔

ارہم کا جی چاہا کہ اسے تھینکس کہے کیونکہ اسے کافی کی شدید طلب ہو رہی تھی اس وقت مگر اس کے لب خاموش ہی رہ گئے تھے۔

ابرش خاموشی کے ساتھ اپنا مگ اٹھائے بیڈ روم کے ساتھ ملحق ٹیرس کا دروازہ کھول کر وہاں بیٹھ گئی تھی۔

آسمان پہ سیاہ گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ٹھنڈی ہوا اس کے بالوں کو اڑا رہی تھی۔ دفعتاً بارش کی بوندیں گرنے لگی تھیں۔ کافی پیتے ہوئے اس نے اپنا ایک بازو ٹیرس سے باہر پھیلا رکھا تھا۔ بارش کی بوندیں اس کی ہتھیلی کو بھگونے لگی تھیں۔

اسے بے اختیار اپنے چھوٹے سے جنت نما گھر میں برسنے والی وہ بارش یاد آئی تھی جس میں وہ کسی بچے کی طرح صحن میں بھاگ کر بھیگنے لگتی تھی اور عائشہ بیگم برآمدے میں کھڑی اسے اندر بلانے اور بیمار پڑ جانے کی تنبیہہ کرتے کرتے تھک جاتی تھیں۔

وہ کتنی نٹ کھٹ سی ہوا کرتی تھی۔ کومیل چھٹی پہ گھر آتا تو وہ اسے خوب تنگ کیا کرتی تھی۔ وہ گھر بھر کی لاڈلی تھی دھڑلے سے اپنے ناز نخرے اٹھوایا کرتی تھی۔ مگر اب کیسے بدل گئی تھی دنوں میں۔ اس کے لبوں پہ خاموشی چھا گئی تھی اور دل، اس کے ارمان تو شادی کی پہلی ہی رات اجڑ گئے تھے۔ ختم ہو گئے تھے۔ ہر لڑکی کی طرح اس کے دل میں موجود شوہر کے دل پہ راج کرنے کے ارمان اور چاہے جانے کی خواہش کا قتل اسی رات ہو گیا تھا جب ارہم نے اسے بتایا تھا کہ اس نے یہ شادی ابرش کو ذلیل و خوار کرنے کے لئے کی تھی۔

کبھی کبھی زندہ ہونے کے باوجود ہمارے اندر زندگی دم توڑ جاتی ہے۔اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔اب تو اس کے اندر اور باہر کرب ہی کرب تھا۔وہ اب موقع کی تلاش میں تھی۔مناسب وقت دیکھ کر وہ اپنے اور ارہم کے بیچ کے تعلق کو عائشہ بیگم اور اکرام صاحب پہ عیاں کر دینا چاہتی تھی۔انہی سوچوں میں گم نہ جانے کتنا وقت بیت گیا تھا۔دفعتاً اسے اپنے عقب میں ہلکی سی آہٹ محسوس ہوئی تھی۔اس نے پلٹ کر دیکھا تو عقب میں ارہم کھڑا تھا۔

''تم کافی دیر سے یہاں بیٹھی ہو،اندر آجاؤ ورنہ بیمار پڑ جاؤ گی۔'' ڈھائی ہفتوں میں یہ پہلا جملہ تھا جس میں ارہم کی ہمدردی کی جھلک دکھائی دی تھی اسے۔ابرش نے اپنے دونوں ہاتھوں سے آنکھوں کو صاف کیا۔وہ نہ جانے کب سے بے آواز رو رہی تھی۔

ارہم کے آس پاس جواد چوہدری کا جملہ گونجا۔

''میری ایک بات یاد رکھنا اللہ نے تمہیں ایک ہیرا دیا ہے،ابرش کے روپ میں۔اس کی قدر کرنا۔'' بے اختیار وہ اسے دیکھے گیا۔بے بی پنک ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس سوٹ کا ہم رنگ دوپٹہ شانوں کے گرد لپیٹے،بغیر کسی میک اپ کے آنکھوں میں صرف کاجل کی ایک لائن لگائے کھلے بالوں کے ساتھ بھی وہ بہت پرکشش لگ رہی تھی۔

جب سے ان کا نکاح ہوا تھا ارہم نے پہلی بار اسے غور سے دیکھا تھا۔وہ واقعی اچھی خاصی حسین تھی اور کسی بھی مرد کے لئے اس کی من چاہی بیوی کا درجہ حاصل کر سکتی تھی۔

''جب روح زخمی ہو تو جسمانی بیماری تکلیف نہیں دیتی۔آپ میری فکر مت کریں۔میں یہاں ریلیکس فیل کر رہی ہوں۔'' مختصر جواب کے ساتھ ابرش نے پھر سے رخ موڑ لیا تھا۔وہ چند لمحے اس کی پشت دیکھتا رہا۔اس سے شرعی رشتے کی بنیاد پہ اچانک دل نے خواہش کی کہ وہ اس کے گرد بازو پھیلا کر اسے کمرے میں لے آئے۔اسے اپنے سامنے بیٹھا کر دیکھے اور......اور......ایسی بہت سی خواہشات بے اختیار اس کے دل میں ہمکنے لگیں۔مگر اس کے خاموش لبوں نے ایک لفظ تک نہ کہا اور وہ چپ چاپ واپس کمرے میں آگیا تھا۔

پھر وہ نہ جانے کب اور کس پہر کمرے میں آئی تھی۔ارہم اس وقت سو چکا تھا۔ساری رات مسلسل بارش ہونے سے رات بہت ٹھنڈی ہو گئی تھی۔صبح جب وہ اٹھ کر واش روم جانے لگا تو وہ صوفے پہ سکڑی سمٹی ہوئی خود پہ اپنا دوپٹہ پھیلائے کسی معصوم بچے کی طرح سو رہی تھی۔اس کے پاکیزہ چہرے پہ اب بھی کرب اور کئی تکلیف دہ سوچوں کے عکس دکھائی دے رہے تھے۔

اس کا جی چاہا کہ وہ اس کے پاس بیٹھ جائے۔اس موم کی گڑیا کو ہاتھ لگائے اسے چھو کر دیکھے،جس نے اپنے ساتھ ہونے والے ظلم کا کسی سے ذکر تک نہیں کیا تھا حتیٰ کہ اپنے ماں باپ سے بھی نہیں۔اس کی جگہ کوئی بھی اور لڑکی ہوتی تو ولیمے والے دن ارہم کا بھانڈا پھوڑ دیتی۔اس کی اصل اصلیت بتاتی۔اپنے ساتھ شادی کی پہلی رات ہونے والی زیادتی یا ظلم کی داستان سب کو بتاتی۔مگر اس نے وہ دکھ وہ کرب بھی چپ چاپ سہہ لیا تھا۔وہ اس کی ماں کی بدمزاجی بھی کیسے صبر سے سہہ رہی تھی۔اس کے باپ کی خدمت کر رہی تھی اور ایک

ریناٸل تھی جو اپنے کیرئیر میں اس قدر گم تھی کہ اس نے ارہم کے بیمار باپ کا حال تک پوچھنا گوارا نہیں کیا تھا؟ کچھ احساسات آپ کی سوچوں کے رخ بدل دیتے ہیں اور کبھی کبھی کوئی بہت اپنا آنکھوں میں کوئی دھول جھونک دیتا ہے کہ ہم پہلے سے بہتر دیکھنے لگتے ہیں۔

ارہم کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ اب رینا اور ابرش کا موازنہ کرنے لگا تھا۔ رینا اس کی محبت تھی۔ ابرش سے اس کو نفرت تھی اور جس سے محبت تھی اس نے ارہم پہ اپنی شخصیت عیاں کر کے اس کے اور اپنے بیچ محبت کا اصل اور صحیح مطلب عیاں کر دیا تھا۔ رینا کی محبت صرف زبان کا چسکا تھی اور جس لڑکی سے اسے نفرت تھی اس لڑکی نے بھی اپنے عمل سے اسے باور کروا دیا تھا کہ کچھ رشتوں کے نام نہیں ہوتے لیکن وہ دل کی ساعت تک اتنی خاموشی سے اپنی جڑوں کو مضبوط کر دیتے ہیں کہ پھر ان کو خود سے دور کرنا ایک تکلیف بن جاتی ہے۔ اپنے دل سے ان رشتوں کی جڑوں کو کاٹنا ایک اذیت بن جاتا ہے۔ وہ بے نام سے رشتے ضرورت بن جاتے ہیں ہماری اور ہمیں خبر تک نہیں ہوتی۔ وہ انہی سوچوں میں مگن بیڈ سے اپنا کمبل اٹھائے اس پہ پھیلانے لگا۔

ابرش کی جب آنکھ کھلی تو اپنے اوپر موجود ارہم کا کمبل دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اسی حیرت سے وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ سامنے آئینے کے سامنے ارہم کھڑا اپنے بال بنا رہا تھا۔ یقیناً وہ شاور لے کر آیا تھا اور آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ ابرش اپنی حیرت کو چھوڑ کر صوفے سے اٹھی اور وال کلاک دیکھتی ہوئی جلدی سے کمبل تہہ کرنے لگی۔ آج اس کی فجر کی نماز بھی قضا ہو گئی تھی اور اسے سب کے لئے ناشتہ بھی بنانا تھا۔ ارہم نے اسے آئینے سے دیکھا اور اطلاع دی۔

”اتنی جلدی مت کرو تاج محمد (بٹلر) واپس آ گیا ہے۔“ اس کی اطلاع پہ ابرش کے ہاتھ رک گئے تھے۔

”کمبل آپ نے مجھ پہ ڈالا تھا؟“ حیرت سے سوال کیا گیا۔ وہ برش رکھ کر اس کے پاس آیا گیا۔

”ظاہر ہے اس کمرے میں تمہارے اور میرے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟“ وہ اس کے حیران چہرے کو بغور دیکھتا ہوا بولا۔

”میں تو قابل نفرت ہوں پھر اس ہمدردی کی وجہ؟“ ابرش نے کمبل تہہ کر کے اس کے بیڈ کی پائنتی پہ پھیلایا اس کی نظروں میں شکوہ اور لہجے میں ایسا اثر تھا کہ وہ اس کے عین بالکل سامنے آ کھڑا ہوا۔

”اکثر ہمدردی کسی وجہ کے بغیر کی جاتی ہے۔“ وہ آہستگی سے بولا۔

”مگر اس انسان کے ساتھ ہرگز نہیں کی جاتی جس سے اس کے کسی ناکردہ گناہ کا بدلہ لینا ہو۔ بدلے اور کسی کو ذلیل و خوار کرنے کی آگ ہر جذبے کو جھلسا دیتی ہے وہاں ہمدردیاں جنم لینا اچنبھے کی بات ہوتی ہے۔“ وہ اب اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں بولی، تو ارہم نے اسے شانوں سے تھام لیا۔ ابرش کا دل سوکھے پتے کی طرح لرزنے لگا نہ جانے وہ اب اس کے ساتھ کیا کرنے والا تھا؟

”شرعی لحاظ سے تم میری بیوی ہو، نکاح کیا ہے میں نے تم سے اور تم سے ہمدردی میں کسی سے اجازت لے کر یا پوچھ کر نہیں کر سکتا۔“ ارہم کے لہجے میں نرمی تھی۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھے گئی۔ اس کی خوبصورت اور بڑی بڑی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت تھی۔

"تاج محمد واپس آگیا ہے، مجھے کچھ دن کے لئے میکے جانا ہے تاکہ میں اپنے اور آپ کے بیچ اس کھوکھلے رشتے کی اصل حقیقت کے بارے میں اپنے والدین کو تھوڑا ذہنی طور پر تیار کر دوں۔ ورنہ اچانک میری طلاق کا صدمہ انہیں شاکڈ کر دے گا۔" اس کی بات پہ ارہم نے اس کے کندھے سے اپنے ہاتھ ہٹا لئے۔

"ریناواپس آجائیں تو آپ ان سے شادی کر لیجئے گا، تب تک میں ابا اور ماں کو اس معاملے کے لئے ذہنی طور پر تیار کر لوں گی۔"

ابرش نے اسے اگلی پلاننگ بتائی تو وہ اثبات میں سر ہلا کر کمرے سے باہر نکل گیا اور پھر ناشتے کے بعد وہ آفس کے لئے نکل گیا تھا۔ مگر وہاں بھی وہ یکسوئی سے کام نہیں کر پا رہا تھا۔ ایک عجیب سی بے چینی تھی جس نے اسے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ کہ وہ ابرش کو طلاق دے کہ نہ دے اور اگر دے تو جواد چوہدری کے سامنے کیا وجوہات بیان کرے اور پھر ان کی طبیعت بھی آج کل ایسی تھی کہ وہ کوئی پریشانی نہیں سہہ سکتے تھے۔ ابرش نے ان کی گڈ بک میں اپنا نام لکھوا لیا تھا۔ پھر وہ سارا دن آفس میں بیٹھا ابرش کی خامیاں ڈھونڈنے لگا جن کو بنیاد بنا کر وہ جواد صاحب کے سامنے اسے طلاق دے کر سرخرو ہو سکتا تھا۔

مگر ڈھونڈنے سے بھی اسے ابرش میں کوئی خامی نظر نہ آرہی تھی۔ اس کا کردار بھی اتنا مضبوط تھا کہ اس پہ تہمت لگاتے ہوئے بھی ارہم کو خوف آرہا تھا۔

سارا دن مسلسل سوچنے اور ذہنی دباؤ کا شکار رہنے سے شام کو اس کے سر میں پین ہونے لگا تھا۔ اپنا ذہن ہٹانے کے لئے وہ گاڑی کی چابی اٹھائے آفس سے نکل گیا تھا اور بلا مقصد مختلف سڑکوں پہ گاڑی دوڑانے لگا۔ اسی دوران اس کے موبائل پہ رینا کی کال آگئی تھی، جسے بے دلی سے ریسیو کر کے موبائل اس نے کان سے لگا لیا تھا۔

"ہائے ارہم ہاؤ آر یو؟" رینا کی چہکتی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"فائن، تم سناؤ کب واپس آرہی ہو؟" ارہم نے اس سے پوچھا۔

"اسی ہفتے کے اینڈ میں واپس آرہی ہوں۔" ہنوز خوشی سے بتایا گیا۔

"بہت خوش لگ رہی ہو، لگتا ہے کوئی بڑی Achievement حاصل کی ہے تم نے؟"

"ہاں ارہم آج میں بہت خوش ہوں۔ رات اس انٹرنیشنل فیشن ویک میں سب سے زیادہ Clapping میرے ڈریسز کے لئے ہوئی اور پتہ ہے میری ایک سپر ماڈل کا بی پی لو اچانک ہو گیا وہ ریمپ پہ جانے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ پھر اس کی جگہ میں نے خود ریمپ پہ ماڈلنگ کی۔ سب نے بہت Appeciate کیا مجھے اور تو اور مجھے ماڈلنگ کی آفرز بھی ہو رہی ہیں۔" رینا کی خوشی دیدنی تھی۔

"تو کیا اب تم ریمپ پہ ماڈلنگ بھی کرو گی؟" ارہم کو از حد حیرت ہوئی۔

"تو ڈارلنگ اس میں حرج ہی کیا ہے۔ کل ہمارے فیشن شو کو دبئی ٹی وی سے دکھایا جائے گا، تم خود اس شو میں مجھے ریمپ پہ دیکھ

کر حیران رہ جاؤ گے، کیسے کانفیڈنس اور پروفیشنل انداز میں، میں نے کیٹ واک کی ہے۔" رینا ہنوز خوشی سے بے قابو ہو کر اسے تفصیل بتا رہی تھی اور وہ غائب دماغی سے اس کی کامیابی کی داستانیں سن رہا تھا۔ان کا گھرانہ شروع ہی سے لبرل تھا، وہ جدی پشتی زمیندار تھے اور ہائی کلاس سے ان کا تعلق تھا۔مگر اس حد تک وہ ہرگز لبرل نہ تھا کہ اس کی منگیتر نازیبا لباس پہن کر ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں ریمپ پہ کیٹ واک کر کے دوسرے مردوں کی غلیظ سوچوں اور گندی نظروں کا مرکز بن جائے۔ وہ اسے ٹوکنا چاہتا تھا مگر رینا نے دوسری طرف اپنی مصروفیت بتاتے ہوئے اسے گڈ بائے کہہ دیا تھا۔

وہ کتنی ہی دیر موبائل ہاتھ میں پکڑے مختلف سوچوں میں غرق رہا تھا۔ مسلسل اسٹریس سے اس کو اپنا جسم ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا، سر کا درد بڑھ گیا تھا۔گھر آتے آتے اسے ٹمپریچر ہو گیا تھا۔وہ بہت مشکل سے گاڑی ڈرائیو کر کے گھر آیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں آیا تو ابرش فون پہ غالباً اپنے والدین سے بات کر رہی تھی۔اسے دیکھ کر دو منٹ کے بعد اس نے فون بند کر دیا تھا۔ارہم جس طرح تھکے ہارے انداز میں اپنے بیڈ پہ گرا تھا، ابرش فون رکھ کر تشویش سے اس کے پاس آ گئی تھی۔

"آپ ٹھیک تو ہیں؟"

"طبیعت بہت خراب ہے، ٹمپریچر ہو رہا ہے، جسم ٹوٹ رہا ہے، درد سے اور سر میں شدید درد ہے۔" وہ بے بسی سے اپنا ماتھا مسلتے ہوئے بمشکل بولا۔اس کے چہرے سے ہی اس کی طبیعت کا اندازہ ہو رہا تھا۔وہ اس وقت جوتوں سمیت بیڈ پہ لیٹا ہوا تھا۔

"کوئی میڈیسن لے لیتی تھی۔" وہ کشمکش و پیچ میں اس کے سرہانے آ کھڑی ہوئی۔

"بہت مشکل سے گھر پہنچا ہوں، میڈیسن کیسے لیتا؟" اس کی آواز میں کپکپی تھی۔ ابرش نے پائنتی پہ پڑا ہوا کمبل اٹھا کر اس پہ پھیلایا۔

"سر دبا دوں آپ کا؟" اس نے دھیرے سے پوچھا تو وہ اثبات میں سر ہلا گیا۔اس سے شاید اب بولا نہیں جا رہا تھا۔اس کی آنکھیں بند تھیں۔ابرش پرسوچ انداز میں بیڈ پہ اس کے قریب بیٹھ گئی تھی اور پھر اس کا سر دبانے لگی۔اس کے لمس میں ایک جادو تھا ارہم کو لگا جیسے اس کی انگلیاں اس کے سر کا درد سمیٹنے لگی ہوں۔اسے ایک عجیب سا سکون مل رہا تھا۔اس کے وجود سے اٹھتی مہک ارہم کے اندر سوئی ان کے شرعی رشتے کو بیدار کرنے لگی تھی اور پھر بخار کی شدت یا اس کی قربت کے خوبصورت احساس نے اسے ابرش کا ہاتھ تھام کر اپنے لبوں سے لگانے پہ مجبور کر دیا تھا۔

اس کی اس بے خودی اور جسارت پہ ابرش کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا اور اس نے دھیرے سے لاشعوری طور پہ اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا تھا مگر ارہم نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا بلکہ اب اس ہاتھ کو اپنے سینے پہ رکھ لیا تھا۔ابرش بے اختیار اسے دیکھنے لگی۔

وہ ایک خوش شکل نوجوان تھا۔ بھلے اس نے ابرش سے نکاح اس تھپڑ کا بدلا لینے کے لئے کیا تھا۔ مگر ایک شوہر ہونے کی حیثیت

سے ابرش کے دل میں اس کے لئے کومل اور نرم جذبات تھے۔ابرش نے دوسرے ہاتھ سے اس کا ماتھا چیک کیا۔اس کا بخار اور بھی تیز ہو گیا تھا۔ابرش نے فکرمندی سے نہایت آہستگی سے اس کے سینے پہ رکھے ہاتھ کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکالا اور پھر اٹھ کر اس کے شوز اتارے اور ٹھنڈے پانی کی پٹیاں اس کے ماتھے پہ رکھنے لگی اور بخار کی شدت میں بار بار کچھ بڑبڑاتا۔ابرش کو جتنی بھی قرآنی آیات زبانی یاد تھیں وہ اس پر پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھی۔ارہم کو غنودگی میں بھی اس کا موم جیسا لمس محسوس ہو رہا تھا۔آہستہ آہستہ اسے ایسا لگا جیسے اس کا تپتا وجود اس کے سر کا درد اور اس کے اندر کی بے چینی ختم ہونے لگی تھی۔وہ نہ جانے کتنے گھنٹے سے اس کے سرہانے بیٹھی اس کی تیمارداری میں مصروف رہی تھی۔

اس کا بخار اب کم ہو گیا تھا۔وہ اس کے ماتھے سے پٹی اتار کر آہستگی سے اٹھنے لگی تھی جب ایک بار پھر اس نے ابرش کا ہاتھ تھام لیا تھا اور وہ بند آنکھوں سے بڑبڑایا تھا۔

I need you. Please dont go. مجھے سکون مل رہا ہے تمہارے یہاں بیٹھنے سے۔میرے پاس رہو۔‘‘اس کے الفاظ اس کی فرمائش نے ابرش کے خاموش دل میں ہلچل مچا دی تھی۔اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ارہم نے اسے خود سے قریب کر لیا تھا۔اس کا سر اب ارہم کے شانے پہ رکھا تھا اور اس کے بال ارہم کے کندھے اور بازو پہ بکھرے ہوئے تھے۔اس نے اپنے دونوں بازو ابرش کے وجود کے گرد پھیلا رکھے تھے۔اس کی سانسیں ابرش کے چہرے کو چھو رہی تھیں۔وہ حیران نظروں سے مسلسل ارہم کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔اس کی بے خودی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔اس کے لمس اور اس کی پناہ میں ابرش کو ایک عجیب سے تحفظ کا احساس ہو رہا تھا۔سو اس نے بھی ارہم کا حصار توڑنے کی کوشش نہیں کی تھی اور پھر نہ جانے کب اور کیسے مختلف سوچوں کو سوچتے سوچتے اس کی بھی آنکھ لگ گئی تھی۔صبح پیاس کی شدت سے ارہم کی آنکھ کھلی تھی اور اپنے پاس اپنے بے حد قریب سینے پہ سر رکھے ہوئی ابرش کو دیکھ کر ایک دم حیرت سے اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔پھر دھیرے دھیرے رات کا ایک ایک منظر اس کا لمس،اس کی تیمارداری ارہم کے سوئے ہوئے ذہن میں بیدار ہونے لگے تھے۔دفعتاً ایک دھیمی سی مسکراہٹ ایک خوبصورت احساس بن کر اس کے لبوں پہ ٹھہر گئی تھی۔وہ کتنی ہی دیر دھیرے دھیرے اس کے خوبصورت ریشم جیسے بالوں میں ہاتھ پھیرتا رہا۔پھر اچانک اسے رینا سے کیا ہوا عہد یاد آیا تھا اور اس کی سوچوں نے اس کے ہاتھ اور انگلیوں کی گردش روک دی تھی۔اب اس کے لبوں پہ اس دھیمی سی مسکراہٹ کی بجائے ایک سنجیدگی چھا گئی تھی۔اس کا سر پھر سے بھاری ہونے لگا تھا اور حلق تھا کہ پیاس کی شدت سے سوکھنے لگا تھا۔ارہم نے خود کو ہلکی سی جنبش دی اور اپنے بازو اس کے وجود سے ہٹا لئے۔اگلے ہی لمحے ابرش کی بھی آنکھ کھل گئی تھی اور وہ بھی کچی نیند سے بیدار ہو کر اٹھ گئی تھی۔شرم اور حیرت کو چھپاتے اور اس سے نظریں چراتے ہوئے وہ ایک دم سے اس سے الگ ہوئی اور بیڈ سے اٹھ گئی۔

’’آپ کو کچھ چاہیے تھا؟‘‘

’’ہاں پانی۔‘‘اس کے چہرے کا طواف کرتے ہوئے مختصر جواب دیا گیا تو وہ ہنوز گھبرائے اور شرمائے انداز میں جگ سے گلاس

میں پانی انڈیلنے لگی۔ تب تک ارہم بھی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ چکا تھا۔

''یہ لیں۔'' ابرش نے گلاس اس کے لبوں سے لگایا۔

''رات آپ کو بہت تیز بخار تھا اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' ابرش نے آہستگی سے پوچھا اور ارہم نے لبوں سے گلاس ہٹا دیا۔

''بہتر ہوں۔'' ہنوز مختصر جواب، وہ بھی اندر سے اپنی بے خودی اور بے ساختگی پہ خائف ہو رہا تھا۔

''کچھ چاہیے آپ کو تو بتائیں؟'' ابرش نے گلاس سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے پوچھا تو وہ آہستگی سے بولا۔

''اگر ہو سکے تو چائے بنا دو میرے لئے۔''

''اوکے تاج محمد تو ابھی کوارٹر میں ہو گا میں بنا کر لاتی ہوں۔'' اور پھر وہ کمرے سے باہر نکل گئی تھی اور ٹھیک دس منٹ کے بعد وہ چائے کے ساتھ کچھ کوکیز بھی ٹرے میں رکھے کمرے میں داخل ہوئی۔

''تھینکس، تم نے ساری رات میری تیمارداری میں گزار دی۔'' ارہم نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

''تھینکس مت کہیں مجھے۔'' ابرش نے ٹرے اس کے آگے رکھی۔

''آپ میرے شوہر ہیں آپ کی خدمت کرنا میرا فرض ہے۔ آپ کی اطاعت مجھ پہ واجب ہے۔'' وہ ٹرے رکھ کر فجر کی نماز کے لئے وضو کرنے واش روم کی طرف بڑھ گئی تھی اور وہ بے اختیار اسے واش روم کی طرف جاتا ہوا دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے وہ آفس نہیں گیا تھا اور ریسٹ کر رہا تھا۔ پین کلر کھانے کے باوجود اس کے سر پہ ایک بوجھ سا آ پڑا تھا۔ ابرش کو اپنی زندگی سے نکالنے اور رینا کو پھر سے اپنی زندگی میں شامل کرنے کے فیصلے نے اس کے دماغ کو جکڑ لیا تھا۔ انہی سوچوں اور کشمکش میں جھنجھلا کر ٹی وی کا ریموٹ اٹھا لیا تھا اور غائب دماغی سے چینل سرچنگ کرنے لگا۔

ابرش باہر نہ جانے کن کاموں میں مصروف تھی۔ وہ گزشتہ دو گھنٹے سے کمرے سے غیر حاضر تھی۔ دوبئی ٹی وی پہ انٹرنیشنل فیشن شو کی تقریب دکھائی جا رہی تھی۔ ریناٹل فاروق کے ڈیزائن کپڑوں پہ مختلف ماڈلز ریمپ پہ کیٹ واک کر رہی تھیں۔ پھر اچانک ایک جانا پہچانا چہرہ ریمپ پہ نمودار ہوا تھا۔ اس ماڈل کے جسم پہ برائے نام صرف دو کپڑے تھے۔ ایک نہایت مختصر سا بیک لیس اور سلیولیس بلاؤز پہنے، کمر کے گرد اسی طرح مختصر سی چولی پہنے نیم برہنہ حلیے میں دونوں بازوؤں پہ ٹیٹو بنوائے وہ ماڈل اک ادا سے کیٹ واک کرتی اسٹیج کے سرے پہ چند لمحوں کے لئے رکی تھی اور دائیں بائیں ہنوز اسی ادا سے مڑ کر اس نے فوٹوگرافرز اور وہاں بیٹھے لوگوں کو مختلف پوز دے کر خوب داد حاصل کی تھی۔ پھر وہ اسی تمکنت سے چلتی ہوئی واپس بیک اسٹیج کی طرف بڑھنے لگی تھی۔ اس کی پتلی لچک دار برہنہ کمر کو کیمرہ مین فوکس کر کے دکھا رہا تھا۔ ہال میں موجود افراد نے تالیاں بجا کر اسے داد دی تھی۔ کئی من چلوں نے وسلنگ بھی کی تھی۔ اس ماڈل کی ماڈلنگ اور حلیہ اور

ادائیں دیکھ کرارہم کا خون کھول اٹھا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ٹی وی اٹھا کر زمین پہ پٹخ دے۔ وہ رینائل فاروق تھی۔ اس کی خالہ کی بیٹی۔ اس کی منگیتر، اس کی محبت اور اس کی ہونے والی بیوی۔

وہ ماڈرن ضرور تھا مگر بے غیرت ہر گز نہیں تھا۔ غصے سے اس کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تھا۔ اسے ٹی وی پہ اتنے مردوں کی موجودگی میں اس قدر نازیبا لباس اور حلیے میں دیکھ کرارہم کا دل چاہ رہا تھا کہ اسے زمین میں گاڑ دے۔ طیش میں اس نے ٹی وی کا ریموٹ نیچے پٹخ دیا تھا۔ دفعتاً کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور ابرش، ٹرالی میں لنچ لگائے داخل ہوئی۔

''میں آپ کے لئے لنچ یہیں لے آئی ہوں، کچھ کھالیں تاکہ آپ کو میڈیسن دی جاسکے۔'' ابرش ٹرالی گھسیٹتی اس کے قریب آئی۔

''بھوک نہیں ہے مجھے۔ واپس لے جاؤ لنچ۔'' غصے میں لٹھ مار جواب دیا تھا، تو ابرش حیرانگی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''مگر کیوں؟ آپ نے تو صبح بھی ناشتے کے نام پہ صرف چائے ہی پی تھی؟'' اس نے حیرت سے پوچھا تو وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔

''میں تمہارے سوالوں کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔''

''میں نے کہا ناں مجھے بھوک نہیں ہے۔ پھر کیوں میرے سر پہ خواہ مخواہ سوار ہو رہی ہو۔ لے جاؤ واپس یہ لنچ اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔'' اب کے وہ نہایت غصے میں اس پہ چلایا تو وہ افسردہ سی ٹرالی لئے واپس مڑ گئی۔ وہ گزشتہ دو گھنٹے سے اس کے لئے خود لنچ بنا رہی تھی اور ارہم نے کیسے دومنٹ میں اسے بے عزت کر کے کمرے سے نکال دیا تھا۔ آنسو ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے تھے۔ آج پھر اسے اپنی بدنصیبی پہ شدت سے رونا آرہا تھا۔

ابرش کے کمرے جانے کے بعد ارہم نے ایک طویل سانس لے کر اپنا سر بیڈ کراؤن سے ٹکا لیا تھا۔ رینا کا غصہ اس نے ابرش پہ نکال دیا تھا۔ اب اسے ناحق ابرش کو ڈانٹنے پہ افسوس ہونے لگا تھا۔ زندگی نے اسے ایک نئے امتحان میں ڈال دیا تھا۔ پھر وہ سارا دن یونہی اکیلا کمرے میں پڑا تھا۔ ابرش بھی دوبارہ کمرے میں نہیں آئی تھی۔

ارہم شام کو شاور لینے کے بعد باہر نکلا تو وہ لان میں اکیلی بیٹھی کافی پی رہی تھی۔ اداس شام کی طرح وہ خود بھی خاصی اداس اور ویران سی لگ رہی تھی۔ ارہم گاڑی کی چابی لئے لان میں اس کے قریب سے گزر کر گیراج کی طرف بڑھ گیا تھا۔ لاشعوری طور پہ اس کے کانوں نے اس کا جملہ سننے کی خواہش کی تھی۔

''کہاں جارہے ہیں آپ؟'' مگر ابرش نے بھی اس سے پوچھنا گوارہ نہ کیا تھا یہاں تک کہ وہ گاڑی میں بیٹھ گیا تھا اور پھر اگلے چند لمحوں کے بعد وہ گیراج سے گاڑی نکال کر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

اور جب وہ رات کو گھر آیا تو ابرش سو رہی تھی۔ ساری رات بے خوابی میں گزارنے کی وجہ سے صبح ارہم کی آنکھ دیر سے کھلی تھی۔ جب وہ اٹھا تو ابرش وارڈروب سے اپنے کپڑے نکال رہی تھی۔ وہ اسے بیڈ پہ بیٹھا ہوا دیکھ کر اس کے قریب آئی۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" ابرش نے اس کا حال پوچھا۔

"ٹھیک ہوں اب۔" اس نے لحظہ بھر اسے دیکھا۔ سمپل سے سوٹ میں دوپٹہ شانوں پہ پھیلائے بالوں کو چٹیا کی شکل میں سمیٹے بغیر میک اپ کے بھی وہ بہت پرکشش اور پاکیزہ سی لگ رہی تھی۔ بے اختیار وہ اسے دیکھے گیا۔

"آج آفس جاتے ہوئے مجھے میکے چھوڑ دیجئے گا، میں نے رات بابا اور ماما کو بتا دیا تھا کہ میں کچھ دن ماں اور ابا کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔" وہ انگلیاں مسلتی ہوئی اسے بتانے لگی۔ وہ بیڈ سے اٹھتے اٹھتے بیٹھ گیا تھا اور بغور اسے دیکھنے لگا۔

"یقیناً آپ کا بدلہ پورا ہو گیا ہو گا، میرے خیال میں یہی مناسب وقت ہے کہ میں یہاں سے چلی جاؤں کچھ دن ماں اور ابا کے پاس رہوں گی اور پھر رفتہ رفتہ انہیں آپ کے اور اپنے بیچ رشتے کی اصل حقیقت بتا دوں گی۔ آپ وہیں مجھے طلاق کے پیپر بھجوا دینا اور...... اور رینا سے شادی کر لینا۔" آخری جملہ دہراتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی تھی اور یقیناً اس کی آنکھوں سے آنسو بھی چھلک پڑے تھے، جنہیں چھپانے کی خاطر اس نے فوراً رخ موڑ لیا تھا اور اپنے وارڈ روب سے نکالے ہوئے کپڑے ہینڈ کیری میں رکھنے لگی۔ وہ کتنے ہی لمحے اسے دیکھتا رہا۔ کیسی عجیب لڑکی تھی وہ۔ ارہم نے اس کی منگنی تڑوائی تھی۔ پھر ایک پلان کے ساتھ اس سے نکاح کیا تھا اور اب وہ اسے اپنے انتقام کے بعد ہمیشہ کے لئے چھوڑنے والا تھا۔ تب بھی اس کے لبوں سے ارہم نے کوئی شکوہ نہیں سنا تھا کوئی بددعا نہیں سنی تھی۔ کس قدر خاموشی سے اس نے اپنے ارمانوں کے قتل کا صدمہ سہہ لیا تھا۔ کیا بیت رہی ہو گی اس کے دل پہ۔ اس سوچ اور احساس نے ارہم کو بے چین کر دیا تھا اور پھر وہ بے چین ہی رہا تھا۔ ناشتہ بھی اس نے برائے نام کیا تھا۔ کبھی کبھی خاموشی انسان کے باہر نہیں اندر چھا جاتی ہے اور لبوں پہ خاموشی کا تالا لگ جاتا ہے۔ ارہم کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ گاڑی میں چپ چاپ بیٹھا تھا۔ جب وہ اس گھر پہ آخری الوداعی نگاہ ڈالتے ہوئے بے آواز رو پڑی تھی۔ وہ اس گھر میں ارمانوں کا اک جہان آباد کئے آئی تھی اور اب کیسے اجڑی ہوئی خالی دامن اور خالی دل کے ساتھ واپس جا رہی تھی۔ قسمت کے اس کھیل نے اسے رلا دیا تھا۔ ہینڈ کیری ملازم نے گاڑی میں رکھ دیا تھا۔ جواد صاحب پورچ تک اس کے ساتھ آئے تھے۔

"ابرش بیٹا جلدی واپس آ جانا تمہارے بابا تمہاری تیمارداری اور کمپنی کو بہت مس کریں گے اور ہاں تمہارے بنائے کھانے مجھے بہت یاد آئیں گے۔" جواد صاحب نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا تو وہ اپنے آنسو چھپانے کے لئے سر جھکا گئی۔

"میں بھی آپ کو بہت مس کروں گی۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"ہاں تو بس پھر تم کچھ دن رہ کر آ جانا۔ ہماری شطرنج کی بازی ادھوری رہ گئی تھی، وہ بھی مکمل کرنی ہے۔" جواد صاحب ہنوز شفقت اور پیار سے بولے تو وہ مسکرانے کی کوشش کرتی ہوئی اثبات میں سر ہلا گئی۔

"جیتی رہو بیٹا خوش رہو۔ تمہارے آنے سے میرا یہ نالائق بیٹا سدھر گیا ہے۔ اسے زیادہ دیر آزاد نہیں چھوڑنا۔" اب جواد صاحب نے رازداری سے کہا تو وہ سچ مچ مسکرا پڑی۔

"جی بابا، آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا۔" اس نے اجازت طلب کی تو جواد صاحب مسکرا دیے۔ ارہم اپنے باپ اور ابرش کی بے تکلفی اور باپ بیٹی جیسے حقیقی پیار اور مقدس رشتے کی جھلک دیکھ کر مزید متفکر ہو گیا تھا۔ وہ کیا جواز بنا کر ڈیڈ کے سامنے ابرش کو طلاق دے گا۔ ڈاکٹرز نے انہیں کسی بھی ٹینشن سے دور رکھنے کی ہدایت کر رکھی تھی۔ ان کا دل اس جان لیوا ہارٹ اٹیک سے واقعی کمزور ہو گیا تھا۔ انہی سوچوں کو سوچتے سوچتے دونوں کے بیچ خاموشی سے سفر طے ہو رہا تھا۔ ایک جگہ سگنل پہ گاڑی رکتے ہی ایک فقیر گاڑی کے قریب آیا تھا۔

"صاحب اللہ کے نام پہ کچھ دے دو۔ اللہ تمہاری جوڑی سلامت رکھے۔ اللہ تمہیں چاند سا بیٹا دے۔" فقیر مسلسل اسے دعائیں دے رہا تھا۔ ارہم نے کچھ روپے والٹ سے نکال کر اسے دیے اور سگنل کھلتے ہی گاڑی آگے بڑھا دی۔ فقیر کی دعاؤں پہ اس کے ساتھ خاموش بیٹھی ابرش پہلو بدل کر رہ گئی تھی اور پھر باقی کا سفر بھی اسی طرح خاموشی سے کٹ گیا تھا یہاں تک کہ گاڑی ابرش کے گھر کے سامنے رک گئی تھی۔ وہ چند لمحے اپنی نشست سے ہل تک نہیں پائی تھی۔

شاید وہ منتظر تھی کہ ارہم اس سے کچھ کہے گا۔ مگر وہ کہتا بھی تو کیا کہتا۔ ان دونوں کے رشتے کے بیچ پیار و محبت نام کی تو کوئی چیز ہی نہیں تھی۔ ان کا رشتہ تو پہلے ہی دن سے الجھن، نفرت، حقارت اور انتقام لیے پہ مبنی تھا۔ اب وہ گاڑی سے باہر نکل آئی تھی۔ ارہم بھی گاڑی سے نکل کر اس کا ہینڈ کیری نکالنے لگا تھا۔ ہینڈ کیری نکال کر اس نے خاموشی سے ابرش کے پاس رکھ دیا تھا۔

"آپ......آپ اندر نہیں آئیں گے؟" اسے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھ کر اس نے امید و بیم کے لہجے میں پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا گیا۔

"نہیں آج آفس میں ایک اہم میٹنگ ہے، دیر ہو جائے گی مجھے۔" وہ اپنی بات کہہ کر گاڑی کی طرف پلٹا۔

"ربنا سے کہیے گا وہ مما کا اور بابا کا بہت خیال رکھیں۔ اتنا خیال رکھیں کہ بابا ہمیشہ کے لئے مجھے بھول جائیں۔" یہ وہ آخری جملہ تھا جسے ادا کرتے ہوئے وہ رو پڑی تھی اور ارہم نے یک لخت پھر سے رخ موڑ کر اسے دیکھا تھا مگر تب تک وہ ہینڈ کیری ہاتھ میں لئے گھر کے دروازے کی جانب بڑھ گئی تھی اور وہ کتنے ہی لمحے اس کی پشت کو دیکھتا رہا تھا۔ گیٹ سے اندر آ کر اس نے پلٹ کر دیکھا مگر تب تک وہ جا چکا تھا۔

☆......☆......☆

وہ اسے چھوڑ آیا تھا اس کے گھر۔ وہ اس کی پسند نہیں تھی۔ وہ اس کی محبت نہیں تھی۔ اس کے ساتھ کوئی بھی کسی قسم کا جذباتی تعلق نہ تھا ارہم کا مگر پھر بھی اسے چھوڑنے کے بعد اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کی اہم چیز اس کے دور کر دی گئی ہو۔ اس سے چھن گئی ہو۔ اس کا دل خالی ہو گیا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے دل کی تجوری وہ اپنے ساتھ ہی لوٹ کر لے گئی تھی۔ کچھ رشتوں کے نام نہیں ہوتے۔ وہ بھی اس کے لئے ایک بے نام رشتہ ہی تھی مگر وہ نہ جانے کب اور کیسے چند دنوں میں ہی اس کی ضرورت بن گئی تھی۔ انہی سوچوں میں غرق وہ آفس پہنچ گیا تھا۔ آج کی میٹنگ اس نے کینسل کر دی تھی وہ ذہنی طور پہ فریش نہیں تھا۔ خود کو مصروف رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے کرتے صبح سے رات ہو گئی تھی۔

اپنے کمرے میں آنے کے بعد بے ساختہ اس کی نظر اس صوفے پہ پڑی جہاں وہ سکڑی سمٹی ہوئی سوئی ہوتی تھی۔ وہ بے دلی سے

چینج کرنے کے بعد بیڈ پہ لیٹ گیا۔

بڑے سکون سے رخصت تو کر دیا اس کو پھر اس کے بعد محبت نے انتہا کر دی۔

ارہم کو بھی ایسا ہی لگ رہا تھا۔ اسے تین دن پہلے کی وہ رات یاد آئی جب وہ بخار میں گھر آیا تھا اور وہ کتنی ہی دیر اس کا سر دباتی رہی تھی۔ بخار کی شدت کو کم کرنے کے لئے وہ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں اس کے ماتھے پہ رکھتی رہی تھی۔ اس کی یاد کا احساس اتنی شدت لئے ہوئے تھا کہ وہ لیٹا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ اس نے بے ساختہ موبائل اٹھایا اور پھر پرسوچ انداز میں موبائل واپس رکھ دیا۔ دل کے موسم پہ خزاں اتر آئی تھی جیسے نہ جانے اس کے دل کے آنگن میں وہ کب دبے پاؤں اتر آئی تھی کہ اسے اب اپنے آنگن سے نکالنا ارہم کے لئے مشکل ہو رہا تھا۔ اسی کشمکش اور بے پناہ سوچوں میں وقت نے چند دنوں کو نگل لیا تھا۔

☆......☆......☆

رینا دوبئی سے واپس آ گئی تھی اور اسی رات ارہم نے اس سے ملنے کا فیصلہ کیا تھا اس سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور اسی سلسلے میں بات کرنے کے لئے اس نے رینا کو ڈنر پہ انوائٹ کیا تھا۔ وہ ریزرو کروائی ٹیبل پہ پہلے سے موجود تھا۔ جب وہ ڈارک بلو ساڑھی میں ملبوس آدھے گھنٹے کے بعد اس ٹیبل پہ آئی تھی جہاں ارہم اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''ہائے ڈارلنگ کیسے ہو؟'' رینا ہمیشہ کی طرح بے تکلفی سے اس کے گلے لگی۔

''فائن۔'' آج ارہم کے لہجے اور انداز میں گرم جوشی نہ تھی۔

''مجھے مبارکباد نہیں دو گے؟ دوبئی میں اتنا زبردست رسپانس ملا میرے ڈریسز کو۔ میری تھیم کو۔'' وہ پرجوش انداز میں بولتی ہوئی اس کے مقابل چیئر پہ بیٹھ گئی تھی۔

''مبارک ہو۔'' ایک بار پھر مختصر جواب دیا گیا۔

''خالی مبارک سے کام نہیں چلے گا۔ اس گھٹیا اور اسٹوپڈ لڑکی کو فوری طلاق دو تا کہ ہم دونوں اپنی خوشیوں کو بھرپور طریقے سے سیلی بریٹ کریں۔'' رینا نے ٹیبل پہ جھک کر اپنے مقابل بیٹھے ارہم کے ہاتھوں پہ اپنے ہاتھ رکھے۔ اس کی ساڑھی کا آگے اور پیچھے سے گلا اس قدر ڈیپ تھا کہ ہال میں موجود بہت سے مرد چور نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا وہ شروع سے ہی ایسے ڈریسز پہنتی آئی تھی شاید ابرش کو دیکھ دیکھ کر اسے احساس اب ہوا تھا اس نے نوٹس اب کیا تھا کہ لفظ عورت کا اصل مطلب کیا ہے۔ ابرش اس کی شرعی بیوی تھی اور اس نے کبھی گھر میں بھی شانوں سے دوپٹہ نہ اتارا تھا اور وہ تھی کہ پبلک پلیس پہ ایسے نازیبا ڈریسز پہن کر آ جایا کرتی تھی۔

بس میں سفر کے دوران محض ایک غلط فہمی کی بنیاد پہ ارہم کا کندھا ابرش سے ٹچ ہوا تھا اور سپیڈ بریکر کے باعث وہ ابرش سے ٹکرایا تھا تو اس کا

ردعمل کس قدر خوفناک تھا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور اسے تھپڑ مار دیا۔ یہ اس کی اپنی آبرو کی حفاظت تھی اور ریناؔ اس نے انٹرنیشنل میڈیا میں برہنہ لباس پہن کر ریمپ پہ ماڈلنگ کر کے اپنے ساتھ ساتھ ارہم کی غیرت کو بھی خاک میں ملا دیا۔ اس کے باوجود وہ اپنی ایسی شہرت پہ کس قدر خوش دکھائی دے رہی تھی؟ وہ اسے محض دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''ارہم کیا بات ہے تم کچھ سنجیدہ دکھائی دے رہے ہو؟ آئی نو تم مجھ سے خفا ہو کہ وہاں جا کر میں تم سے رابطہ نہیں رکھ سکی تم سے زیادہ بچ نہیں رہ سکی۔ آئی سو یئر ڈارلنگ وہاں میں اس قدر مصروف رہی کہ تمہیں کیا بتاؤ، اینی وے چھوڑو ان باتوں کو تمہیں ایک اور گڈ نیوز سناتی ہوں۔ اس فیشن شو میں انڈیا کے مشہور فلم ڈائریکٹر مہیش گوتم نے بھی شرکت کی تھی اور انہوں نے مجھے اپنی آنے والی فلم کی ہیروئن کے ڈریسز ڈیزائن کرنے کی آفر کی ہے اور اس سلسلے میں، میں اگلے مہینے انڈیا جا رہی ہوں۔''

اپنی فتوحات کی تفصیل بتاتے ہوئے ریناؔ خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی۔ اس کے لہجے میں بے پناہ جوش تھا خوشی تھی اور Excitement تھی۔

''سارے فیصلے تم نے خود ہی کر لئے کہ تمہیں فیوچر میں کیا کیا کرنا ہے مجھ سے ایک بار بھی پوچھنا، اجازت لینا یا رائے لینا تم نے گوارہ تک نہیں کیا۔؟ یہ حیثیت ہے میری تمہاری لائف میں؟'' نا چاہتے ہوئے بھی ارہم کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

''کم آن ارہم یہ کیا کہہ رہے ہو تم میری Achievement صرف میری نہیں ہم دونوں کی ہے۔'' ریناؔ نے از حد حیرت سے ارہم کو دیکھا۔

''تمہاری اس طرح کی فتوحات Achievement مجھے ہرگز بھی خوشی نہیں دے سکتی ہیں۔ کیا ضرورت تھی تمہیں ریمپ پہ اتنا گھٹیا ڈریس پہن کر ماڈلنگ کرنے کی؟ شرم آ رہی تھی مجھے تمہارا حلیہ دیکھ کر۔'' وہ تو جیسے پھٹ ہی پڑا تھا۔

''ارہم کیا مطلب ہے تمہارا؟ تم...... تم اتنے تنگ نظر کب سے ہو گئے؟ یقیناً اس گھٹیا اسٹوپڈ مولوی کی اولاد اور دو ٹکے کی لڑکی نے تمہیں میرے خلاف بھڑکایا ہو گا۔'' ریناؔ بھی اس کی بات سن کر بھڑک گئی تھی۔

''مجھے تمہارے خلاف کسی نے بھی نہیں بھڑکایا۔ میں تم سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر تم مجھ سے اپنا ریلیشن شپ برقرار رکھنا چاہتی ہو تو تمہیں اس طرح کی بے ہودہ Activities چھوڑنی ہوں گی۔'' ارہم نے بات مختصر کرتے ہوئے گویا اپنا فیصلہ سنایا تو وہ مزید غصے میں آ گئی تھی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا بے ہودہ Activities سے؟''

''مطلب تم اچھی طرح سے سمجھتی ہو۔ تم آئندہ ماڈلنگ نہیں کرو گی اور نہ انڈیا جاؤ گی۔'' اس کا انداز ہنوز دو ٹوک تھا۔

''اچھا تو تم ایک گھٹیا اور دو ٹکے کی لڑکی کے ساتھ رہ کر ایک گھٹیا اور تنگ ذہن مرد کی طرح مجھ پہ حکم چلاؤ گے؟ مجھ پہ پابندیاں لگاؤ

گے؟" رینا کو اس بدلے ہوئے ارہم کو دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی۔ شدید حیرت۔

"یہی سمجھ لو۔ مجھے یہ سب پسند نہیں ہے۔ تم نے جو کرنا ہے وہ ایک لمٹ میں رہ کر کرو۔" ارہم کا انداز ہنوز فیصلہ سنانے والا تھا۔

رینا اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"سیدھی طرح کہو کہ تم اب مجھ سے کنارہ کشی چاہتے ہو۔ اس طرح کے جواز بنا کر یہ تعلق کیوں ختم کر رہے ہو؟"

"میں بلاوجہ جواز نہیں بنا رہا ہوں۔ صرف تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں مگر تم ہو کہ سمجھنا ہی نہیں چاہتی ہو۔ تمہارے لئے میں نہیں تمہارا کیریئر اہم ہے۔ یہی نظر آ رہا ہے مجھے۔" وہ بھی اپنی نشست سے اٹھ گیا تھا۔

"ایگزیکٹلی تم میری Popularities سے جیلس ہو گئے ہو تو پھر سن لو ارہم چوہدری، میں تمہاری نام نہاد ایگو اور غیرت کے لئے اپنا فیوچر داؤ پہ نہیں لگاؤں گی۔ ایگزیکٹلی تمہیں اس گھٹیا اور نیچ گھرانے کی ابرش جیسی بیوی ہی چاہیے تھی، جسے ساری زندگی تم اپنی کنیز سمجھ کر اس پہ حکم چلاتے اور وہ تمہاری ہر بات پہ لبیک کہہ کر تمہارے تھپڑ تک برداشت کرتی۔ بٹ سوری اگین میں رینا کل فاروق ہوں، جنرل فاروق کی بیٹی۔ پیرس سے فیشن ڈیزائننگ میں ماسٹرز کر کے آئی ہوں۔ اس دو ٹکے کے صوبیدار کی بیٹی ابرش نہیں ہوں، جسے تم جب چاہو گے اپنی زندگی میں شامل کرو گے اور جب چاہو گے فارغ کر دو گے۔ مجھے انٹرنیشنل لیول پہ اپنا فیوچر بنانا ہے تمہاری یہ پابندیاں تمہارا یہ ریلیشن میری راہ میں رکاوٹ ہرگز نہیں بن سکتا چاہے اس کے لئے مجھے تم سے اپنا یہ نام نہاد ریلیشن ختم ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔" رینا غصے میں اپنی بات مکمل کر کے اپنا پرس ٹیبل سے اٹھائے تن تن کرتی وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی اور وہ حیرت سے چند لمحے وہیں کھڑا اسے جاتا ہوا دیکھتا رہ گیا تھا۔

یہ تھی ان دونوں کے بیچ محبت؟ وہ محبت جو شاید زبان کا ایک چسکا تھی۔ اپنے کیریئر کے لئے وہ کیسے چند لمحوں میں اپنے اور ارہم کے تعلق کو اپنے پیروں تلے روند گئی تھی۔

اپنے اور اس کے بیچ محبت کی حقیقت نے اسے شاکڈ کر دیا تھا۔ کچھ رشتوں پہ ہمیں بڑا مان ہوتا ہے اور جب ان کا مان پل بھر میں ٹوٹ جاتا ہے تو ہم خود بھی اندر سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ بکھر جاتے ہیں۔ وہ بھی اپنے اندر اپنے بکھرے وجود کی کرچیاں اٹھائے گاڑی میں آ بیٹھا تھا اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ رینا کے الفاظ نے اسے بہت بلندی سے گرایا تھا۔ بہت ہرٹ کیا تھا۔

☆......☆......☆

"کیا بات ہے ارہم بیٹا؟ میں کچھ دنوں سے دیکھ رہی ہوں تم بہت چپ چپ سے رہنے لگے ہو۔ نہ ٹھیک سے کچھ کھا رہے ہو نہ بول رہے ہو۔ کس بات کی ٹینشن ہے تمہیں؟" ناشتے کی میز پہ وہ ناشتے کے نام پہ صرف چائے پی رہا تھا جب ثمرین بیگم نے سلائس پہ جیم لگا کر ارہم کی طرف بڑھاتے ہوئے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے مام آپ کا وہم ہے۔" اس نے ثمرین بیگم کے ہاتھ سے سلائس لیتے ہوئے ٹالا۔

"ماں کا وہم بلاوجہ نہیں ہوا کرتا۔ اگر تم رینا کے لئے اپ سیٹ ہو تو میں بنٹی سے تمہارے اور رینا کے رشتے کی بات کرتی ہوں۔ تم اس سے شادی کو لو۔ یہی تمہاری اداسی کا حل ہے۔" ثمرین کے مشورے پہ جواد چوہدری کا ناشتہ کرتے ہوئے ہاتھ رک گیا تھا۔ خود ارہم بھی چند لمحوں حیرت سے ثمرین بیگم کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

"رینا سے میرا بریک اپ ہو چکا ہے۔ اب وہ میری زندگی میں کہیں بھی نہیں ہے۔" ارہم کے جواب نے جواد چوہدری کے لبوں پہ دھیرے سے مسکراہٹ کھلا دی تھی۔

"تو پھر کیا تم ساری زندگی اس ابرش کے ساتھ زندگی گزار دو گے؟" ثمرین بیگم کو ارہم کے جواب نے حیران کر دیا تھا۔

"فار گاڈ سیک مام، آپ ہر وقت ابرش کو اس طرح انسلٹنگ انداز میں کیوں مخاطب کرتی ہیں؟ ایسا کیا گھٹیا ہے اس میں؟ اپنی عزت و آبروں کی حفاظت کرنے والی، میرے ماں باپ کا احترام کرنے والی، ایک دین دار گھرانے کی دین دار لڑکی گھٹیا کیسے ہو سکتی ہے، جو آپ سے ہزار بار اپنی انسلٹ کروا کر بھی آپ کا احترام کرنا نہ چھوڑے، اس کے لئے ایسے الفاظ ادا کرنا قطعی مناسب نہیں ہے۔" ارہم کے الفاظ سن کر ثمرین بیگم حیرت سے اسے دیکھنے لگیں تھیں۔

"خیرت آج بڑی وکالت ہو رہی ہے بیوی کی۔ لگتا ہے اس کی جدائی دماغ پہ اثر کر گئی ہے تمہارے۔" ثمرین بیگم کے سخت لہجے پہ جواد صاحب بھی بول اٹھے۔

"ارہم ٹھیک کہہ رہا ہے ثمرین تمہیں اپنے رویئے میں بدلاؤ لانا چاہیے اور کیوں ارہم اسے مس نہ کرے۔ ابرش بیوی ہے اس کی۔ بلکہ ارہم میری مانو تو آج کل میں ابرش کو واپس لے آؤ۔ یار اس گھر میں مزہ نہیں آ رہا، ابرش کے بغیر، وہ روز میری خوشی کی خاطر شطرنج کی بازی جان بوجھ کر ہار جاتی تھی۔ کافی دنوں سے اس کے ہاتھ کا آلو گوشت بھی نہیں کیا میں نے اور ویجی ٹیبل سوپ تو وہ ایسا بناتی ہے کہ آج تک تاج محمد بھی نہیں بنا سکا۔" جواد چوہدری کسی بچے کی طرح اس کی خوبیاں گنوانے لگے۔

"مجھے سمجھ نہیں آتی اس لڑکی نے چند دنوں میں ایسا کون سا جادو کر دیا ہے آپ باپ بیٹے پہ؟ کہ ہر وقت ابرش، ابرش کی گردان پہ کان پک گئے ہیں میرے۔" ثمرین بیگم ناشتے کی ٹیبل سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ ارہم تاسف سے ماں کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

"فکر مت کرو، ٹھیک ہو جائے گی تمہاری ماں۔ بھانجی کی محبت کا بخار اترنے میں کچھ دن لگیں گے پھر یہ ابرش کے رویئے اور اس کی محبت و احترام کے آگے خود بخود ہتھیار پھینک دے گی۔" جواد چوہدری نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے ارہم کو تسلی دی تو وہ اثبات میں سر ہلا گیا اور آفس جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆......☆......☆

آفس جاتے ہوئے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے بھی وہ مسلسل اس کے حواسوں پہ چھائی ہوئی تھی۔ ارہم کو خود حیرت ہو رہی تھی کہ جس لڑکی کے بغیر رہنے کا وہ تصور تک نہ کر سکتا تھا اسے اپنی زندگی سے نکالتے ہوئے اسے ذرہ برابر بھی تکلیف نہیں ہو رہی تھی۔ کبھی کبھی ہم غلط راستے کو اپنی منزل سمجھ لیتے ہیں۔ کچھ غلط لوگ ہمیں زندگی کا اصل مفہوم سمجھا دیتے ہیں۔ ہم پہلے سے بہتر دیکھنے لگتے ہیں۔ ربینا نے بھی اسے بہتر دیکھنا سکھا دیا تھا۔ وہ اس کے لئے ایک غلط راستہ اور غلط منزل تھی، جس پہ پہنچنے سے پہلے ہی ارہم کو اندازہ ہو گیا تھا۔ بہت دنوں سے مختلف سوچوں نے اس کے دماغ کو بری طرح سے الجھا رکھا تھا۔

اب فیصلہ کرتے ہی جیسے وہ ریلیکس ہو گیا تھا۔ آج بہت دنوں کے بعد اس نے گاڑی میں ایف ایم آن کیا تھا۔ خوبصورت شاعری اور آواز نے ابرش کے ساتھ گزرے تمام لمحات کو پھر سے تازہ کر دیا تھا۔

ترکِ تعلقات پہ رویا نہ تو نہ میں
لیکن یہ کیا کہ چین سے سویا نہ تو نہ میں
وہ ہمسفر تھا مگر اس سے ہم نوائی نہ تھی
کہ دھوپ چھاؤں کا عالم رہا جدائی نہ تھی
عداوتیں تھیں تغافل تھا رنجشیں تھیں مگر
بچھڑنے والے میں سب کچھ تھا بے وفائی نہ تھی

آج اس نے خود سے اعتراف کر لیا تھا کہ عورت کی عزت اس کا پردہ ہوتا ہے اور مرد کی عزت ایک اچھی، باحیا اور پاکیزہ عورت کا ملنا اور ابرش کا اس کی زندگی میں اچانک شامل ہونا، اس کے لئے خدا کا ایک کرم تھا۔ اسے اس لڑکی سے نفرت تھی پھر اللہ نے اس کی نفرت ایک موم کی طرح جلا کر اس کی جگہ ایک خوبصورت رفاقت کی طلب کا احساس بیدار کر دیا تھا۔ وہ اس کی محبت نہ تھی مگر اس کی عادت اور ضرورت بن گئی تھی۔ عادتیں اور ضرورتیں بعض دفعہ محبت سے بھی زیادہ جان لیوا اور خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔

کبھی کبھی نفرتوں کا سلسلہ نسل در نسل چلتا ہے۔ حسد اور انتقام کا جذبہ انسان سے وہ سب بھی کرواتا ہے جس کی خود انسان بھی توقع نہیں کر سکتا۔

☆......☆......☆

کبیر قریشی پانچ برس کے تھے، جب ان کے والدین میں علیحدگی ہو گئی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد ان کے ماں اور باپ دونوں نے دوبارہ اپنے گھر بسا لئے تھے۔ وہ اپنی زندگیوں میں مگن ہو گئے تھے۔ مگر ماں باپ کے الگ ہونے اور گھر ٹوٹنے کے دکھ نے ان کے ننھے سے دل کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا اور انہیں بہت بڑے دکھ سے ہمکنار کر دیا تھا۔ ان کے لبوں پہ ایک جامد چپ نے بسیرا کر لیا تھا اور بچپن میں

ہی ان کی زندگی سے بچپن رخصت ہو گیا تھا اور پھر رہی سہی کسر ان کی نئی سوتیلی ماں نے پوری کر دی تھی۔ جس نے آتے ہی ان سے باپ کی شفقت اور قربت بھی چھین لی تھی، وہ اپنے باپ کے پاس بیٹھنے ان کے ساتھ ہنسنے بولنے باتیں کرنے کھانا کھانے کے لئے بھی ترس گئے تھے۔ ان کے ننھے سے وجود کو مکمل طور پہ نوکروں کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ یوں چھوٹی چھوٹی محرومیاں، بہت بڑا خلاء غصہ اور بغاوت بن کر ان کے دل میں جمع ہونے لگے۔ جس دن سوتیلی ماں کے بطن سے کمال قریشی پیدا ہوئے اس دن کبیر قریشی اپنے باپ امتیاز قریشی اور سوتیلی ماں آمنہ بیگم کے چہرے پہ بے انتہا خوشی کے آثار دیکھ کر اور بھی بجھ گئے تھے۔ گھر میں آنے والے اس چھوٹے سے بے بی کمال قریشی نے سوتیلی ماں کے ساتھ ساتھ اس کے باپ کی بھی بھرپور توجہ حاصل کر لی تھی۔ انہیں اس ننھے بچے کمال قریشی سے نفرت ہونے لگی، جس نے آ کر کبیر قریشی کا رہا سہا سکون بھی برباد کر دیا تھا۔

اس ننھے بچے کمال قریشی کے ناز نخرے اٹھائے جاتے تھے۔ آمنہ بیگم ہر وقت اپنے بچے کے ساتھ مگن اور مصروف رہا کرتی تھیں اور کمال قریشی کی کوئی خواہش رد نہیں ہونے دیتی تھیں۔ یوں وقت گزرتا گیا اور کبیر قریشی کے دل میں اپنی سوتیلی ماں اور کمال قریشی کے لئے بے انتہا نفرت، حسد اور غصہ بھرتا چلا گیا۔ مگر ان کے لب ہمیشہ خاموش رہتے تھے۔ انہوں نے کمال سے اپنی نفرت کا بھی اظہار نہیں کیا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی تھی کہ کمال قریشی اپنی ماں کے بالکل برعکس تھے اور ماں کے ڈانٹنے اور منع کرنے کے باوجود کبیر قریشی سے والہانہ محبت کرتے تھے۔

وقت بڑی تیزی سے گزرتا رہا۔ کبیر قریشی کے دل میں نفرتوں کا اک جہان آباد ہو گیا تھا جسے مسمار کرنا گویا ان کے اپنے بس میں نہ رہا تھا۔ حد تو اس دن ہوئی تھی جب آمنہ بیگم نے اپنی چالاکی سے امتیاز قریشی سے ان کی جائیداد کا تہائی حصہ کمال قریشی کے نام کروا لیا تھا۔ اس زیادتی پہ کبیر قریشی نے اس دن کمال قریشی کو برباد کرنے کی قسم کھائی تھی۔

امتیاز قریشی دل کے مریض تھے سو جائیداد کی تقسیم کے بعد زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے تھے۔ ان کے بعد آمنہ بیگم بھی کچھ ہی سال زندہ رہیں اور خالق حقیقی سے جا ملیں۔

دونوں بھائی جوانی کی دہلیز پار کر چکے تھے اور عملی زندگی میں قدم رکھ چکے تھے۔ کبیر قریشی اپنی پسند سے عالیہ بیگم سے شادی کر چکے تھے اور انہوں نے اپنا گاڑیوں کا بزنس بھی شروع کر دیا تھا۔

کمال قریشی نے اپنی محنت، لگن اور قسمت کے دھنی ہونے کے باعث جلد ہی بزنس میں دن دوگنی اور رات چگنی ترقی کرنا شروع کر دی تھی اور ان کی یہ ترقی کبیر قریشی کو کسی صورت بھی ہضم نہ ہو رہی تھی۔ ان کے اندر نفرتوں کے الاؤ جل رہے تھے۔ کمال کی ترقی اور بے حساب دولت میں اضافہ ہوتا دیکھ کر کبیر قریشی نے عالیہ بیگم کو اعتماد میں لے کر انہیں ان کی چھوٹی بہن سبرین کو کمال قریشی کے گرد اپنی جھوٹی محبت کا جال پھینک کر اسے پھنسانے اور انہیں برباد کرنے کا پلان بنایا تھا۔ مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ جسے اللہ بچانا چاہے اس کا انسان کچھ

نہیں بگاڑ سکتے اور ویسے بھی ان سے زیادتی ان کی سوتیلی ماں نے کی تھی جس کا بدلہ لینے کے لئے وہ کمال قریشی کو برباد کرنے پہ تل گئے تھے۔عالیہ بیگم کی چھوٹی بہن سبرین نے کمال قریشی کو متاثر کرنے اور انہیں اپنی محبت میں مبتلا کرنے کا ہر حربہ آزمایا تھا۔مگر سبرین کے حربے اور اس کی انتھک محنت تب کارگر ثابت ہوتی جب کمال قریشی کے دل میں ان کی کلاس فیلو مہرین کی محبت نے اپنے ڈیرے نہ ڈال رکھے ہوتے۔سو کمال قریشی کے مہرین سے شادی کر لینے کے بعد، کبیر اور عالیہ کا یہ پلان بھی ناکام ہو گیا تھا۔قسمت کی ستم ظریفی کہ دو جڑواں بچوں کی پیدائش کے بعد مہرین بیگم کو کینسر جیسی جان لیوا بیماری نے آلیا اور وہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکیں اور جلد ہی خالق حقیقی سے جا ملیں۔اس کے بعد بھی عالیہ اور کبیر نے کمال کو دوسری شادی کر لینے پہ بہت اکسایا۔سبرین نے پھر سے کمال کے اوپر اپنی مکار محبت کا جال پھینکا مگر دوسری بار بھی انہیں منہ کی کھانی پڑی۔کمال کو مہرین سے انتہا کی محبت تھی اور انہوں نے تو دوسری شادی نہ کرنے کی جیسے قسم کھا رکھی تھی۔

☆......☆......☆

وقت تیزی سے اپنی منازل طے کر رہا تھا۔نفرت اور حسد کا پودا پروان چڑھتے چڑھتے ایک تناور درخت بن گیا تھا، جس کی مثال مرسل قریشی کی حد درجہ بڑین واشنگ تھی۔کبیر قریشی نے نہایت چالاکی سے مرسل کو اپنے ساتھ اٹیچ کرنے کی بجائے کمال کے ساتھ اس کے بزنس میں انوالو کر دیا تھا۔

انہی دنوں ذونین اور ذوناش لندن سے چھٹیاں گزارنے پاکستان آئے تھے اور ان دونوں کی برتھ ڈے والے دن کبیر قریشی نے ذونین کو قیمتی اسپورٹس کار گفٹ کی تھی اور وہ اس کار میں خوشی خوشی گھر سے نکلا تھا اور پھر زندہ واپس نہ آیا تھا۔ذونین کی موت بظاہر ایکسیڈنٹ سے ہوئی تھی۔مگر وہ ایکسیڈنٹ کبیر قریشی نے کروایا تھا۔انسان جب انتقام پہ اتر آئے تو وہ جانور بن جاتا ہے۔انسانیت کا رتبہ پامال کر دیتا ہے۔کبیر قریشی بھی جانور بن گئے تھے۔ایک چیر نے پھاڑنے والے جانور۔

جوان بیٹے کی اچانک حادثاتی موت نے کمال کو ادھ موا کر دیا تھا۔وہ کئی ماہ نیم پاگلوں کی طرح خود سے اپنے گھر سے اور بزنس سے بیگانہ رہے۔اس دوران مرسل نے ان کے بزنس میں گھس کر مکڑی کی مانند ایک ایسا جال بن دیا تھا کہ کمال قریشی جب مکمل صحت یاب ہو کر دوبارہ اپنے بزنس کی طرف آئے تو وہ جس طرف پاؤں رکھتے وہ بری طرح سے پھنس جاتے اور انہیں ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔کبیر اور مرسل اپنا ہر کام اتنی صفائی سے اور مکمل ثبوت مٹا کر کرتے کہ کمال کو بھی ان پہ ایک فیصد بھی شک نہ ہوا تھا۔ان کا بزنس اب آہستہ آہستہ ڈاؤن ہو رہا تھا۔کمال قریشی کی بزنس سے توجہ ہٹانے اور انہیں ذہنی طور پہ ٹارچر کرنے کے لئے مرسل نے وکرم راٹھور نامی انڈر ورلڈ کے ڈان کا فرضی کردار تخلیق کیا جو سنگاپور میں مرسل کا ایک خاص بندہ پس پردہ رہ کر کمال قریشی کو ذوناش کے قتل کی دھمکیاں دیتا اور بیرون ملک ان کی کوئی بھی ڈیل طے ہونے سے پیشتر انہیں اس ڈیل سے سبکدوش ہونے پر اکساتا۔کبیر قریشی اور مرسل قریشی نے کمال کے کاروبار سے لوٹ مار کر کے اپنا نیٹ ورک اتنا وسیع بنا لیا تھا کہ کمال کو دن بہ دن لاکھوں کا نقصان ہونے لگا تھا۔کمال کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا

کہ مرسل ایک بیٹے کا کردار نبھاتے نبھاتے ان کے بزنس میں شامل ہو کر ان کے ساتھ کیا کر رہا تھا اور ان کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔ وکرم راٹھور کے فرضی کردار کی وحشت اس کے جرائم کے لمبے ہاتھوں کی کہانیاں اس کا خوف وہراس دہشت اور ظلم کی داستانیں مرسل نے کمال قریشی کو سنا سنا کر انہیں شدید ذہنی دباؤ کا شکار کر رہا تھا۔ مرسل کا ذوناش سے منگنی کر لینے کا ڈرامہ بھی ایک ڈھونگ تھا۔ اسے ایک رتی بھی ذوناش سے ہمدردی ودلچسپی یا محبت نہ تھی۔ اس کی نظر میں ذوناش ایک سائیکو لڑکی تھی جسے شوہر کی بجائے کسی ماہر نفسیات کی ضرورت تھی۔

مرسل اپنی کینیڈا میں مقیم سبرین خالہ کی بیٹی ذوئے کو پسند کرتا تھا اور اسی سے شادی کا خواہش مند تھا۔ ذوناش جیسی مینٹل لڑکی سے اسے نفرت تھی۔ اب کبیر قریشی اور مرسل کا ٹارگٹ ذوناش تھی۔ وہ ذوناش کو راستے سے ہٹانا چاہتے تھے۔ ذوناش کی موت کے بعد کمال قریشی نے تو ویسے ہی مر جانا تھا یا پاگل ہو جانا تھا۔ اس لئے انہوں نے کمال کی بجائے ذوناش کو راستے سے ہٹانے کا پلان بنایا تھا۔ کیونکہ کمال کے رہے سہے کاروبار اور کروڑوں کی پراپرٹی پہ قابض ہونے کے لئے انہیں کمال کے Signatures کی ضرورت تھی۔ کبیر، کمال کو اس لئے بھی ختم نہیں کرنا چاہتے تھے کہ وہ کمال کو سسک سسک کر مرتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے، جیسے کمال کی ماں بچپن میں کبیر کو ستایا کرتی تھیں۔

جیسے آمنہ بیگم کبیر کو ترسایا کرتی تھیں۔ ہر چیز کے لئے حتیٰ کہ اس کے باپ امتیاز قریشی کی شفقت اور محبت کے لئے بھی، ان کا پورا بچپن اور جوانی محرومیوں میں گزری تھی۔ وہ محرومیاں اب وہ کمال کا مقدر بنانا چاہتے تھے۔ وہ انہیں اذیتوں سے گزارنا چاہتے تھے جن سے وہ گزرا کرتے تھے۔ آمنہ بیگم نے انہیں گھر سے اٹھا کر بورڈنگ اسکول میں پھینکا تھا، جہاں وہ دس سال اپنے باپ کی شفقت سے محروم رہے تھے اب وہ کمال کی رہی سہی زندگی کسی مینٹل ہاسپٹل کی نذر کرنا چاہتے تھے۔ کبیر انتقام میں اتنے اندھے ہو چکے تھے کہ انہیں کبھی ایک لمحے کے لئے بھی یہ خیال کبھی نہیں آیا تھا کہ ان کی تلخیوں سے بھری زندگی کے ذمہ دار کمال قریشی نہیں تھے، ان کی سوتیلی ماں آمنہ بیگم تھی۔ ان کے سگے باپ امتیاز قریشی تھے، جو کسی غلام کی طرح آمنہ بیگم کا ہر حکم مانتے چلے جاتے تھے، جس طرح لیموں اپنے سے کئی گنا زیادہ دودھ کو خراب کر ڈالتا ہے بالکل اسی طرح ہماری کچھ چھوٹی چھوٹی غلطیاں مستقبل میں ہمیں تباہ وبرباد کر دیتی ہیں۔ وہ غلطیاں آمنہ بیگم اور امتیاز قریشی سے ہوئی تھیں مگر سزا کے لئے کبیر نے کمال کو چن لیا تھا۔ یہ ان کی غلطی تھی، جب انسان خود غلط ہو جائے تو اسے اپنی غلطیاں کہاں نظر آتی ہیں۔

☆......☆......☆

کہتے ہیں جب اللہ کو آپ کی زندگی میں اچھا موڑ دینا ہوتا ہے تو برے لوگوں کی حقیقت آپ کے سامنے لے آتا ہے۔ وہ دن بھی زندگی کی ایسی ہی حقیقتیں سامنے آجانے کا دن تھا۔

کمال قریشی کو کافی دن گزر گئے تھے کبیر قریشی سے ملے ہوئے اس لئے وہ اچانک ہی انہیں بتائے بغیر کبیر ہاؤس آئے تھے اور ٹی وی لاؤنج سے آتی تینوں افراد کی آوازوں نے کمال قریشی کے قدم ٹی وی لاؤنج سے باہر لابی میں ہی روک لئے تھے۔

''اچھا ہوا جیدا مر گیا، ورنہ حوالات میں اسے بھی ہمیں خود مروانا پڑتا۔'' کبیر قریشی نے کافی کا سیپ لے کر کہا۔

''ہاں یہ تو ہے مگر ڈیڈی ایک بات میری سمجھ سے باہر ہے۔'' مرسل نے کافی کا مگ سامنے ٹیبل پہ رکھا۔

''کیسی بات؟'' کبیر قریشی نے حیرت سے بیٹے کو دیکھا تھا۔

''جیدے کا موبائل آخر گیا تو کہاں گیا؟ اس کے مرنے سے پہلے آخری بار میری اس سے بات ہوئی تھی۔'' مرسل کے انداز میں تجسس تھا، تفکر تھا۔

''ہاں یہ بات مجھے بھی سمجھ نہیں آسکی، پوسٹ مارٹم کے دوران بھی اس موبائل کا کہیں کوئی سراغ نہیں ملا۔'' کبیر قریشی اب سگار سلگانے لگے تھے۔

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ جیدے کی پاکٹ سے بھاگتے ہوئے موبائل لان میں ہی کہیں گر گیا ہو؟'' کافی پیتی ہوئی عالیہ بیگم نے تفکر سے قیاس کیا۔

''ہاں بالکل یہ ہوسکتا ہے۔'' مرسل نے کافی کا مگ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے ہنوز فکرمندی سے تائید کی تھی۔

''اگر وہ موبائل کمال پیلس میں کسی ملازم کے ہاتھ لگ گیا اور وہ موبائل کمال تک پہنچ گیا تو بہت مسئلہ ہو جائے گا۔'' کبیر قریشی نے سگار کا کش لیتے ہوئے خدشہ ظاہر کیا۔

''یس ڈیڈی ہمیں فوراً اس موبائل کو وہاں سے ڈھونڈنا ہوگا۔'' مرسل کی بات پہ کبیر نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

''عالیہ تم کسی بھی طرح کمال پیلس میں جا کر وہاں کی دیگر ملازمہ کو پیسوں کا لالچ دے کر جلد از جلد وہاں سے موبائل ڈھونڈنے کی کوشش کرو مگر یاد رہے مریم خاتون کو اس کام کی بھنک نہ پڑے وہ کم بخت بڑی وفادار ہے کمال کی۔'' کبیر قریشی نے سگار ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے عالیہ بیگم کو تنبیہ کی۔

''آپ اس بات کی فکر مت کریں کبیر، میں بھی آپ ہی کی بیوی ہوں۔'' عالیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کافی کا خالی مگ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے اترا کر کہا۔

''ڈیڈی وفاداری سے یاد آیا، یہ کمبخت کومیل اگر مزید ذوناش کے ساتھ رہا تو ذوناش کو راستے سے ہٹانا مشکل ہو جائے گا ہمیں، وہ بلڈی باسٹرڈ بھی خاصا وفادار ہے ان باپ بیٹی کا۔ دو بار اپنی جان پہ کھیل کر ذوناش کو بچا چکا ہے۔ ذونین کو جس طرح آپ نے آسانی سے موت کی نیند سلا دیا تھا، ذوناش کو اس کے پاس اوپر پہنچانے میں ہمیں اتنی ہی دیر ہو رہی ہے۔'' مرسل کے انداز میں جھنجلاہٹ اور لہجے میں بے زاریت تھی۔ لابی میں کھڑے کمال قریشی کے اوسان خطا ہو رہے تھے ان کی گفتگو سے، وہ تو اپنے بڑے بھائی سے ملنے آئے تھے مگر یہاں آ کر ان کی گفتگو سن کر اور اس جان لیوا انکشاف نے ان کی جان کھینچ لی تھی۔ ان کا بھائی اور بھتیجا ان کے اکلوتے بیٹے کی جان لے چکے

تھے اور اب وہ ذوناش کی جان لینا چاہتے تھے ان کے اردگرد جھگڑے چل رہے تھے۔ وہ اپنی حفاظت کے لئے ہمیشہ پسٹل اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ شدید طیش کے عالم میں ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئے تھے۔

"یو بلڈی باسٹرڈ، آستین کے سانپ۔ اب اوپر جانے کی باری تم لوگوں کی ہے۔ شیطان کی اولاد، لعنت ہے مجھ پہ میں سانپوں کو دودھ پلاتا رہا اور وہی مجھے اور میری معصوم اولاد کو ڈستے رہے۔ میں جان سے ماردوں گا تم سب کو۔" کمال قریشی دروازے میں کھڑے ان تینوں پہ پسٹل تانے اچانک ان کے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔ ٹی وی لاؤنج میں موجود تینوں افراد کے چھکے چھوٹ گئے تھے۔ وہ تینوں بے ساختہ اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

کک...... کمال...... مم...... میرے...... بھائی...... یہ...... یہ تو...... کیا کر رہا ہے...... تت...... تجھے...... غلط...... فہمی...... ہوئی ہے...... تت...... تو...... غلط سمجھ رہا ہے...... ہمیں...... ہم...... تت...... تو...... تیرے اپنے ہیں...... کک...... کمال...... تو...... پپ...... پسٹل نیچے کر۔" کبیر قریشی اس اچانک افتاد پہ بری طرح سے گھبرا گئے تھے۔ کمال کے ہاتھ میں پسٹل تھا اور ان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

"شٹ اپ...... ذلیل انسان...... میں نے تجھے اپنے بڑے بھائی کی بجائے باپ کا درجہ دیا اور...... تو...... تو کیا نکلا...... ظالم انسان...... تو نے میرے ذونین کا قتل کروایا اور اب...... میری بیٹی کے پیچھے پڑا ہے...... میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" کمال قریشی نے چیخ کر کہا تھا اور پھر اگلے ہی لمحے کبیر قریشی کے سینے سے خون کا فوارہ نکل پڑا تھا اور وہ کراہتے ہوئے صوفے پہ گر گئے تھے۔ عالیہ بیگم خوف سے چیختی ہوئی کبیر قریشی کی طرف لپکیں تھیں۔

مرسل نہایت غم و غصے اور طیش میں کمال قریشی پہ جھپٹنے کے لئے آگے بڑھا تو کمال قریشی نے اسی لمحے یکے بعد دیگرے مرسل پہ فائر کیے تھے۔ مرسل لڑکھڑا کر وہیں گر گیا تھا اور خون میں لت پت ہو گیا تھا۔ عالیہ بیگم اب روتی چیختی ہوئی پاگلوں کی طرح کبیر کو چھوڑ کر مرسل کی طرف لپکیں تھیں۔ ٹی وی لاؤنج میں عالیہ بیگم کے کرلانے اور چیخنے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ کمال قریشی اب ایک طویل سانس لیتے ہوئے عالیہ بیگم سے مخاطب ہوئے تھے۔

"تمہیں میں خود زندہ چھوڑ رہا ہوں تا کہ تم اپنے جوان بیٹے اور شوہر کی موت کا ہر روز ماتم کرو۔ تمہیں پتہ چلے کہ جوان بیٹے کی ناگہانی موت کا دکھ کیا ہوتا ہے۔ وہ دکھ اندر سے کس طرح دیمک بن کر ماں باپ کو کھاتا ہے۔" کمال قریشی نے پسٹل اب نیچے کر لی تھی کبیر ہاؤس کے تمام ملازم فائر کی آواز سن کر اکٹھے ہو گئے تھے۔ مگر تب تک سب ختم ہو چکا تھا، سب کچھ۔ کمال قریشی جس طرح آندھی طوفان بن کر آئے تھے اسی طرح واپس بھی چلے گئے تھے۔

کبیر ہاؤس میں عالیہ بیگم کی چیخیں گونج رہی تھیں۔ برائی کا ایک نہ ایک دن تو یہ انجام ہونا ہی تھا۔ جرم کے ہاتھ کتنے ہی لمبے کیوں نہ ہوں ایک دن اس کی پکڑ ضرور ہوتی ہے اور پھر حسد میں جو آگ ہم دوسروں کے لئے جلاتے ہیں ایک دن اسی میں خود جل کر خاکستر ہو

جاتے ہیں۔ وہ اپنے بندوں کو جانچتا ہے۔ پرکھتا ہے۔ دیکھتا ہے۔ انسان کو بار بار سمجھنے کا اسے سدھرنے کا موقع دیتا ہے۔ مگر انسان نہیں سمجھتا اور پھر جب اللہ اپنی رسی کھینچتا ہے تو تکبر میں ڈوبا وہی انسان دنیا کے لئے عبرت بن جاتا ہے۔ جیسے کبیر اور مرسل بن گئے تھے۔ برائی اپنے انجام کو پہنچ چکی تھی۔ اس دن کمال قریشی واپس کمال پیلس نہیں گئے تھے اور پسٹل لے کر تھانے میں پیش ہو گئے تھے۔ انہوں نے اقبال جرم کر لیا تھا۔

برائی......لالچ......حسد......کینہ......انتقام سب اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے۔ سب فنا ہو چکے تھے۔

☆......☆......☆

کمال قریشی کو عمر قید کی سزا ہو گئی تھی۔ انہوں نے رضامندی اور اپنی خوشی سے ذوناش کا ہاتھ کومیل کے ہاتھ میں دے دیا تھا اور انہیں نکاح کر لینے کی بخوشی اجازت دے دی تھی۔

''تو بہ مجھے تو یقین نہیں آ رہا، انسان لالچ میں اس قدر بھی اندھا اور بے بس ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ہی رشتوں کی جان لینے پر اتر آتا ہے۔'' عائشہ بیگم کے لہجے میں حیرت اور بے یقینی تھی۔

''بس عائشہ انسان جب موت کو بھول جاتا ہے تو ایسے گناہ اسے گناہ نہیں لگتے۔ حیرت ہوتی ہے مجھے انسان اس دنیا کے مال کے لئے کیسے سرپٹ اندھا دھند جائز ونا جائز سب کچھ بھلا کر بھاگ رہا ہے اور ایک دن موت کے آگے بے بس ہو کر اس مال کو یہیں چھوڑ کر خالی ہاتھ اپنے ابدی سفر پہ روانہ ہو جاتا ہے۔'' صوبیدار اکرام صاحب نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

''سچ کہا ہے آپ نے۔ عجب نفسانفسی اور خود غرضی کا دور آ گیا ہے اپنے پرائے میں کوئی پہچان ہی نہیں رہی۔'' عائشہ بیگم نے ان کی تائید کی۔

''اللہ ہم سب کو اچھا انسان اور سچا مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔'' اکرام صاحب نے دعائیہ انداز میں کہا۔

''آمین۔'' عائشہ بیگم نے ایک بار پھر تائید کی۔

''عائشہ یہ بتاؤ کومیل سے کوئی رابطہ ہوا؟''

''آج دوپہر ہی میری بات ہوئی تھی کومیل سے۔ کہہ رہا تھا کل لگاؤں گا چکر۔ ذوناش بہت پریشان اور ڈسٹرب ہے اسی وجہ سے وہ کمال پیلس رکا ہوا ہے۔'' عائشہ بیگم نے انہیں تفصیل بتائی تو وہ اثبات میں سر ہلا گئے اور پھر توقف کے بعد بولے۔

''عائشہ تم مانو نہ مانو یقیناً کوئی بات ہے جو ابرش ہم سے چھپا رہی ہے ایک ہفتہ ہو گیا ہے اسے یہاں آئے ہوئے اور ارہم نے ایک چکر تک نہیں لگایا یہاں اور تم نے محسوس کیا کہ جب سے ابرش آئی ہے چپ چپ سی ہے۔'' اکرام صاحب نے فکرمندی سے اپنے دل کا خدشہ ظاہر کیا۔

"ہاں ابرش کی خاموشی تو میں نے بھی نوٹ کی ہے اور میں کئی باراس سے پوچھ بھی چکی ہوں مگر ہر بار پوچھنے پہ ٹال دیتی ہے اور کہتی ہے کہ ماں آپ خواہ مخواہ وہم کر رہی ہیں۔ اکرام صاحب مجھے تو ثمرین بیگم کا رویہ ابرش کے ساتھ ٹھیک نہیں لگتا۔ بڑی مغرور خاتون ہیں ثمرین بیگم۔ دیکھا نہیں تھا آپ نے رشتہ مانگنے سے لے کر لیسے والے دن تک ان کا مزاج۔ ہم سے تو سیدھے منہ بات کرنا بھی گوارہ نہیں کیا تھا انہوں۔" عائشہ بیگم کے تبصرے پہ وہ پرسوچ انداز میں بولے۔

"ہاں عائشہ یہ سب تو میں نے بھی محسوس کیا ہے شاید ابرش ثمرین بیگم کے رویے سے ہی پریشان ہو۔ بہر حال میں خود اس سے اس سلسلے میں بات کروں گا۔ فی الحال کھانا لگاؤ اور ابرش کو بھی بلا لاؤ۔ دوپہر میں بھی وہ چند نوالے کھا کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ آپ عشاء کی نماز پڑھ لیں تب تک میں تازہ روٹی بناتی ہوں۔" عائشہ بیگم اپنی نشست سے اٹھیں اور کچن کی طرف بڑھ گئیں اور اکرام صاحب عشاء کی نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

تازہ روٹی بنانے اور سالن گرم کرنے کے بعد وہ ابرش کے کمرے میں آئیں تو وہ کمرے میں نائٹ بلب جلائے بیڈ پہ چت لیٹی تھی۔ ایک بازو اس نے اپنی آنکھوں پہ رکھا ہوا تھا۔

"ابرش میری بچی، یہ کیا اتنی جلدی سونے کی تیاری۔ بیٹا کھانا تو کھا لو۔" عائشہ بیگم اس کے پاس بیڈ پہ بیٹھ گئیں۔

"ماں مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے آنکھوں سے بازو ہٹایا۔

"ارے کیوں بھوک نہیں ہے تمہیں۔ نہ صبح تم نے ڈھنگ سے ناشتہ کیا نہ دوپہر میں ٹھیک کھانا کھایا اور اب کہہ رہی ہو کہ تمہیں بھوک نہیں ہے۔" عائشہ بیگم نے پیار اور تفکر سے اس کے ماتھے پہ آئے بال ہٹائے۔

"کیا بات ہے ابرش، تم جب سے آئی ہو مجھے پریشان لگ رہی ہو۔"

"ماں میں کتنی بار آپ کو بتاؤں کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے کیوں آپ بلاوجہ پریشان ہو رہی ہیں۔" وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے نظریں چراتی ہوئی بولی تو عائشہ بیگم بغور اس کے چہرے کو دیکھنے لگیں۔

"ماں ہوں تمہاری، نو مہینے اس کوکھ میں رکھ کر تم کو جنم دیا ہے میں نے، جب بولنا نہیں آتا تھا تمہیں تو تب بھی سمجھ جاتی تھی میں کہ تمہیں کیا چاہیے۔ چہرہ دیکھ کر بتا سکتی ہوں تمہارے دل کا حال۔ فون پہ آواز سن کر تمہاری خوشی اور اداسی کا اندازہ لگا سکتی ہوں میں اور تم کہہ رہی ہو کہ مجھے وہم ہو گیا ہے۔" عائشہ بیگم اس کے ہاتھ تھامے آبدیدہ ہو گئی تھیں۔

"شکل دیکھو اپنی آئینے میں نئی نویلی دلہنوں کے چہرے اتنے ویران اور اداس نہیں ہوتے۔" عائشہ بیگم کی باتوں پہ یک دم ہی اس کا دل بھر آیا تھا۔ وہ جو اتنے دنوں سے اپنے پہاڑ جیسے غم کو اپنے ننھے سے دل میں چھپائے ہوئے تھی یک دم عائشہ بیگم کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

''ارے میری جان میری بچی۔ یہ...... یہ کیا؟'' عائشہ بیگم بھی گھبرا گئیں تھیں۔

''ابرش میری جان کیا ہوا ہے؟ کچھ بتاؤ تو سہی۔'' وہ بار بار پوچھ رہی تھیں اور وہ بس روئے جا رہی تھی۔ دفعتاً دروازے پہ کھٹکا ہوا تھا اور اکرام صاحب کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ ابرش خاموش ہو گئی تھی۔

''ارہم آیا ہے، کوئی چائے پانی کا بندوبست کرو۔'' اکرام صاحب کی اطلاع پہ ابرش فوراً عائشہ بیگم سے الگ ہو گئی تھی اور اس نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کر لئے تھے۔

''اس وقت، خیر تو ہے؟'' عائشہ بیگم بیڈ سے اٹھیں۔

''ہاں بھئی خیر ہو گی، تم باہر تو آؤ۔'' اکرام صاحب کی بات پہ وہ ایک بار پھر ابرش کی طرف پلٹیں۔ ابرش اگر ارہم نے آنا تھا تو بیٹا مجھے بتا تو دیتیں میں کھانے میں اہتمام کر لیتیں۔ کچھ ڈھنگ کا بنا لیتی۔''

''ماں مجھے خود اندازہ نہیں تھا ارہم کے یہاں آنے کا۔ انہوں نے مجھے بھی نہیں بتایا کہ وہ یہاں آ رہے ہیں۔'' ابرش بیڈ سے اٹھتی ہوئی بولی تو عائشہ بیگم اکرام صاحب کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئیں۔ ابرش کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا اسے ایک ہفتہ ہو گیا تھا یہاں آئے ہوئے مگر وہ ابھی تک اپنے اور ارہم کے رشتے کی اصل سچائی اپنے ماں باپ کو نہیں بتا پائی تھی۔

شاید وہ خود اسے یہاں طلاق دینے پہنچ گیا تھا۔ اس سوچ نے ابرش کی رہی سہی جان بھی کھینچ لی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے بے جان وجود کو کھینچ کر واش روم میں لائی تھی اور آئینے کے سامنے کھڑی ایک بار پھر سے رونے لگی تھی۔ بہت سارا رو لینے کے بعد وہ اپنے منہ پہ پانی کے چھینٹے مار رہی تھی جب واش روم کے دروازے پہ دستک ہوئی تھی اور عائشہ بیگم کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

''ابرش بیٹا، ارہم تم سے ملنا چاہتا ہے۔'' عائشہ بیگم اطلاع دے کر شاید واپس چلی گئی تھیں اور وہ بے جان وجود کے ساتھ واش روم سے نکل کر کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔ آج چاند کی چودہ تاریخ تھی، اسے ایسا لگا جیسے رات کے آنچل پہ روشنی بکھیرتا چاند اس کے زخموں پہ اس کی حالت پہ مسکرا رہا ہو۔ اسے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔ عقب سے دروازہ کھول کر کوئی اندر آیا تھا۔ اس نے پلٹ کر نہ دیکھا اور کھڑکی کا دروازہ کھول دیا۔ عقب سے قدموں کی آہٹ قریب سے قریب ہو رہی تھی۔ اس نے کھڑکی کو زور سے پکڑ لیا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی گر جائے گی۔

''قدموں کی آہٹ اب رک گئی تھی۔ چند لمحے بالکل خاموشی چھائی رہی۔

''کیسی ہو؟'' عقب سے ارہم کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ مگر اس کا جواب دینے کی ہمت ابرش میں نہ تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ اگر وہ بولی تو رو پڑے گی اور اس وقت ارہم کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی۔

''مجھے بیٹھنے کے لئے بھی نہیں کہو گی؟'' اگلا سوال کیا گیا، جواباً خاموشی۔

''میں پہلی بار تمہارے گھر تمہارے کمرے میں آیا ہوں، کچھ تو مہمان نوازی ہونی چاہیے میری۔'' اب کے ارہم نے شکوہ کرتے ہوئے کہا تو اس نے جھٹ سے پلٹ کر رخ موڑ لیا۔ وہ اس کے بے حد قریب کھڑا تھا۔ اس کے لبوں پہ دھیمی سی مسکراہٹ تھی اگر اس کی آنکھیں دے کر وہ بے چین ہو گیا تھا۔

''تم رو رہی ہو؟'' بے اختیار ارہم نے اسے شانوں سے تھام کر بغور اس کا چہرہ دیکھا تو آنسو ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے گرنے لگے۔

''مجھے یہاں آ کر طلاق دینے کا اب اور کون سا انتقام باقی تھا آپ کا؟ خاموشی سے پیپر بھجوا دیتے۔'' نم لہجے میں شکوہ کیا گیا۔ ارہم چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

''مانا کہ تم سے نکاح کرنا میرے انتقام کا حصہ تھا مگر میں اتنا ظالم بھی نہیں ہوں کہ تمہیں تمہارے ماں باپ کے سامنے آزاد کر کے ان پہ غم کا پہاڑ توڑ دوں۔ اس کے لئے تمہیں ایک بار میرے ساتھ میرے گھر چلنا ہو گا۔'' وہ دونوں ہاتھ اپنی جینز کی پاکٹ میں ڈالے ہنوز اس کے چہرے پہ نظریں جمائے بولا تو وہ بے چین ہو اٹھی۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ اب آپ کے ساتھ جانے کا میرا کوئی جواز نہیں بنتا۔ آپ مجھے یہیں طلاق کے پیپر بھجوا دیں۔'' وہ بضد ہوئی۔

''بھجوا دوں گا مگر ابھی اور اسی وقت تمہیں میرے ساتھ گھر چلنا ہو گا۔ ڈیڈ تمہیں بہت مس کر رہے ہیں۔'' اب کے ارہم نے جواد چوہدری کا نام لیا۔

''بابا ٹھیک تو ہیں ناں؟'' اس نے بے تابی سے پوچھا تو وہ اثبات میں سر ہلا گیا۔

''ہاں ٹھیک ہیں مگر تمہیں بہت یاد کر رہے ہیں تم سے ملنا چاہتے ہیں۔'' ارہم نے آہستگی سے اسے بتایا تو وہ متفکر ہو گئی۔

''ویسے سب ٹھیک تو ہے ناں، ابھی صبح ہی تو بابا کی مجھے کال آئی تھی ان سے بات ہوئی تھی میری۔'' ابرش نے قیاس کیا۔

''میں باہر گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ تم آ جاؤ چلتے ہیں پھر۔'' وہ آہستگی سے کہہ کر کمرے سے نکل گیا اور باہر بیٹھے اکرام صاحب اور عائشہ بیگم سے اجازت لینے لگا۔

''اچھا انکل آنٹی مجھے اجازت دیجئے۔''

''ارے بیٹا تم ایسے کیسے جا سکتے ہو، نہ چائے نہ پانی؟'' عائشہ بیگم حیران ہوئی تو وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

''پرامس آنٹی میں ایک دو دن میں زیادہ ٹائم کے لئے آؤں گا ابھی کافی ٹائم ہو گیا ہے ایکچوئیلی ڈیڈ ابرش کے لئے بہت اداس ہو رہے تھے۔ آج سارا دن آفس میں اتنا بزی رہا کہ یہاں آنے کا ٹائم ہی نہیں ملا۔ ابھی فارغ ہو کر سیدھا یہیں آیا ہوں۔ ابرش کو ساتھ لے جانے کے لئے۔'' ارہم نے تفصیل بتائی۔

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا مگر کھانے کا وقت ہے مناسب نہیں ہوگا تم کچھ کھائے پیئے بغیر چلے جاؤ۔" اکرام صاحب نے ایک بار پھر اسے روکا۔

"آئی سو یئر انکل پرسوں لنچ میں آپ دونوں کے ساتھ کروں گا۔ ابھی فی الحال جلدی ہے مجھے، ڈیڈ انتظار کر رہے ہیں ہمارا۔" ارہم نے اکرام صاحب سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا گئے۔

"چلو جیسے تمہاری مرضی بیٹا، مگر پرسوں تم ہر حال میں ہمارے ساتھ لنچ کرو گے۔" اکرام صاحب نے یقین دہانی کروائی تو وہ مسکرا دیا۔

"جی ضرور انکل۔" پھر وہ عائشہ بیگم سے اجازت لینے کے لئے آگے بڑھا تو انہوں نے ارہم کے سر پہ شفقت بھرا ہاتھ پھیرا۔

"او کے آنٹی اجازت دیجئے۔"

"جیتے رہو بیٹا، اللہ سلامت رکھے تمہیں۔" عائشہ بیگم نے اسے دعا دی۔ تب تک ابرش بھی کمرے سے نکل کر ان کے قریب آ چکی تھی۔

"چلیں۔" ارہم نے اسے دیکھا۔

"جی چلیں...... ماں...... ابا میں ارہم کے ساتھ جا رہی ہوں، بابا نے مجھے بلایا ہے۔"

"ہاں ہاں بیٹا خیر سے جاؤ، اپنے گھر جانے کے لئے ہم سے اجازت کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔" عائشہ بیگم نے پیار سے کہا تو لفظ اپنا گھر نے اسے اندر سے چھلنی کر دیا۔

اور پھر وہ ارہم کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی، وہ جن کپڑوں میں ملبوس تھی انہیں میں ارہم کے ساتھ چل پڑی تھی۔ سارے راستے ارہم نے اس سے کوئی بات نہ کی تھی۔ وہ خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ بس کبھی کبھی گردن موڑ کر اس پہ نگاہ ڈال لیتا جو بے حد خاموش اپنی گود میں دونوں ہاتھ رکھے نہ جانے کن سوچوں میں گم تھی۔

یہاں تک کے گاڑی گھر کے پورچ میں رک گئی تھی۔ وہ آہستگی سے گاڑی سے باہر نکل آئی۔

ارہم نے گاڑی لاک کی اور اندر کی طرف بڑھا وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ اندر آ کر وہ بے اختیار جواد چوہدری کے کمرے کی طرف بڑھی۔

"ابھی اس حلیے میں ڈیڈ کے سامنے مت جاؤ۔" ارہم نے اسے روکا۔

"مگر کیوں کیا ہوا ہے میرے حلیے کو؟" اس نے خود پہ ایک سرسری نگاہ ڈالی۔

"میرا مطلب ہے کہ پہلے تم فریش ہو جاؤ، کمرے میں جا کر تھوڑا حلیہ درست کر لو۔ مسلسل رونے سے تمہاری آنکھیں سوجی ہوئی

ہیں۔ ڈیڈ تمہیں اس طرح دیکھ کر پریشان ہو جائیں گے۔'' ارہم کی بات پہ وہ سر ہلا کر کمرے کی طرف بڑھی اور پھر جب وہ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آئی تو تازہ پھولوں کی مہک نے اس کا سواگت کیا۔ کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ عقب سے ارہم نے کمرے کی لائٹ آن کی تو وہ چاروں طرف پھولوں کے خوبصورت سجے ہوئے بوکے دیکھ کر حیرت سے ارہم کی جانب پلٹی۔

''یہ...... یہ سب کیا ہے؟ کیا آج رینا کے ساتھ آپ کا نکاح ہے؟'' ابرش کے حلق سے بمشکل آواز نکلی تو ارہم مسکراتا ہوا اس کے بالکل قریب آ گیا اور اسے اپنے حصار میں لیتے ہوئے آہستگی سے بولا۔

''نکاح تو میرا ہو چکا ہے، یوں سمجھو شادی کی فرسٹ نائٹ سیلی بریٹ کرنے کے لئے انتظام کیا ہے میں نے۔'' ارہم نے ہنوز مسکراتے ہوئے اسے اطلاع دی تو وہ اس کا حصار توڑتے ہوئے بولی۔

''تو پھر میرے زخموں پہ نمک چھڑکنے کے لئے مجھے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔'' اس کی آواز بھرائی گئی تھی۔

ارہم نے اس کی کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیا تھا اور اسے ایک بار پھر اپنے قریب کرتے ہوئے آہستگی سے بولا۔

''نکاح تو میرا تم سے ہو ہی چکا ہے یہ سب تمہارے لئے ہے صرف تمہارے لئے۔'' اس کے گمبھیر لہجے میں چند لمحے وہ اسے دیکھتی رہی۔

''اور رینا، اس سے شادی؟'' بے اختیار حیرت و بے یقینی سے پوچھا گیا۔

''رینا میرا ماضی تھی، تم میرا حال ہو میرا مستقبل ہو، میں...... میں ساری زندگی تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔'' اس کی بے قراری دیدنی تھی۔

''ارہم اگر یہ مذاق ہے تو بہت برا اور جان لیوا مذاق ہوگا میرے لئے، مجھ سے جو بھی بدلہ لینا آپ کو پلیز وہ ایک ہی بار لے لیجے مجھ سے یہ روز روز قسطوں میں غم سہنا، یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔'' وہ ہونقوں کی طرح نا سمجھی میں اسے دیکھ رہی تھی۔ لہجے میں بے بسی تھی۔ ارہم اسے اپنے حصار میں لئے بیڈ پر آ گیا۔

''جان لیوا مذاق تو تم نے میرے ساتھ کیا ہے، جس لڑکی سے میں نے انتقام لینے کے لئے نکاح کیا، وہ میری زندگی کی سب سے اہم ضرورت بن گئی جس کے بغیر میرا یہ کمرہ میرا یہ گھر اور سب سے بڑھ کر میرا یہ دل ایک اجڑے ہوئے تباہ شدہ شہر کی طرح رنج و غم کی تصویر بن گیا۔ تمہارے بغیر تمہارے بعد میں نے وہ محسوس کیا جو میں کبھی رینا کے بغیر محسوس نہیں کر سکا۔ تم میرا عشق نہیں ہو، مگر میری عادت بن گئی ہو، میری سب سے اہم ضرورت ہو، مجھے لگتا ہے میں، میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میرا میرے گھر کا میرے والدین کا جس طرح تم خیال رکھ سکتی ہو وہ رینا بھی نہیں رکھ سکتی۔ میں تمہیں طلاق نہیں دینا چاہتا۔ آئی نیڈ یو ابرش، مجھے زندگی میں سکون چاہیے اور وہ صرف تم مجھے دے سکتی ہو۔'' وہ اب اس کے ہاتھ تھامے اس کی آنکھوں میں بے قراری سے جھانکتا ہوا التجا کر رہا تھا۔

ابرش نے اس کے ہاتھ تھام لئے تھے، خوشی و حیرت و بے یقینی سے اس کی آنکھوں سے آنو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے ہاتھوں پہ گرنے لگے تھے۔

''اور رہی بات محبت کی تو آئم شیور، اسے تم سے ہونے سے شاید میں خود بھی نہ روک سکوں۔ ریٹا میری ٹین ایج کا ایک غلط انتخاب تھی اور تم میری سنجیدہ زندگی کا ایک سنجیدہ اور اہم فیصلہ ہو۔'' ارہم اب اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کر رہا تھا۔

''مجھے لگ رہا ہے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔'' وہ بے یقینی سے بولی۔

''یہ خواب نہیں حقیقت ہے اور اس بات کا اندازہ تمہیں ابھی ہو جائے گا۔'' ارہم اس کے بال سنوارتا ہوا دھیرے سے مسکرایا۔

تو وہ بلش ہو گئی زندگی کبھی کبھی ہمیں غموں کے دوران ایسی بھی خوشیاں دے جاتی ہے کہ پھر ان غموں کی پرچھائیاں ہمیں پل بھر میں چھٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں ابرش کو بھی اپنی زندگی سے غموں کی پرچھائیاں چھٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ آنے والے دن اور زندگی مسکراتی ہوئی اسے اپنی بانہوں میں سمیٹنے کو بے تاب دکھائی دے رہی تھی۔

زندگی نے اس سے امتحان لیا تھا تو وہ اس امتحان میں مکمل ایمان، صبر اور حوصلے سے آج سرخرو بھی ہو گئی تھی۔

آج اللہ کی رحمت اور کرم نوازی پہ اس کا ایمان اور بھی پختہ ہو گیا تھا اسے زندگی نے بتا دیا تھا کہ تلخیاں زندگی کو جتنا بھی بدصورت کیوں نہ بنا دیں بالآخر خوشیاں ایک نہ ایک دن ان تلخیوں کو کسی ربڑ کی طرح مٹا کر زندگی کے دروازے پہ کچھ خوبصورت اور خوشیوں سے بھرپور تحریر ضرور لکھ جاتی ہیں جن کو پڑھنے سے دل و دماغ روشن ہو جاتا ہے۔

انسان کا دل مطمئن ہو جاتا ہے اسے روشنی کی ایک کرن نظر آجاتی ہے اور پھر اس امید کی روشنی کی کرن تھام کر زندگی کا باقی سفر کاٹنا مشکل نہیں رہتا۔

سو ابرش بھی اسی امید اور روشنی کی کرن کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ وہ ارہم کی ضرورت بن گئی تھی۔ اس کی محبت بھی کسی نہ کسی دن اسے بن ہی جانا تھا۔

☆......☆......☆

پانچ سال کے بعد:۔

وہ کاٹن نیٹ کے ایک عام سے اور سادہ سے شلوار قمیض میں ملبوس تھی۔ کندھوں پہ اسی شلوار قمیض کا ہم رنگ دوپٹہ پھیلائے وہ بیڈ شیٹ درست کرنے کے بعد اب عجلت میں کمبل تہہ کر رہی تھی جب واش روم سے کومیل نے اسے آواز دی تھی۔

''ذوناش ٹاول پکڑاؤ مجھے۔''

''اف کتنے بھلکڑ ہو تم، روز ٹاول تمہارے ہاتھ میں پکڑاتی ہوں اور روز تم کمرے میں رکھ کر واش روم سے مجھے آواز دیتے ہو۔''

وہ مسکراتی ہوئی قریبی صوفے پہ رکھا ٹاول اٹھا کر واش روم کے دروازے کے قریب آئی۔

''لو پکڑ لو۔'' اس نے ٹاول دروازے کے قریب کیا۔

''کیا کروں یار بھول جاتا ہوں، شادی نے مت مار کے رکھ دی ہے۔'' واش روم سے کومیل کی شریر انداز میں آواز سنائی دی اور اگلے ہی لمحے اس نے دروازے سے بازو نکال کر اس کی کلائی پکڑ لی تھی اور اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔

''ٹاول پکڑو، میں نے کلائی پکڑنے کو نہیں کہا ہے۔'' ذوناش نے مسکراتے ہوئے اسے یاد دلایا اور اپنی کلائی اس کے ہاتھ سے چھڑائی۔

''اوسوری۔'' اب ٹاول پکڑا گیا، تو وہ مسکراتی ہوئی روم میں آ گئی اور الماری کھول کر اس کی پریس شدہ شرٹ نکالنے لگی۔ اس کے لبوں پہ ابھی تھوڑی دیر پہلے کومیل کی شرارت مسکراہٹ بن کر کھل گئی تھی تب تک وہ بھی جینز کے اوپر بنیان پہنے روم میں آ چکا تھا اور اس کے عقب میں بے حد قریب کھڑے ہو کر اس کے بالوں سے کچر نکالتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

''ویسے بیوی کو اتنا خوبصورت نہیں ہونا چاہیے جتنی تم ہو۔'' اس کے سیدھے اور لمبے ریشم جیسے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کومیل نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا جی، مگر وہ کیوں؟'' ذوناش اس کی شرٹ پکڑے ایک دم سے پلٹی اور اس سے ٹکرائی۔ وہ اس کے پیچھے اس کے بے حد قریب کھڑا تھا۔ کومیل نے اسے شانوں سے پکڑ کر خود سے قریب کرتے ہوئے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''جس کی بیوی تم جیسی حسین وجمیل ہو اس بندے کا کام کاج میں کیا خاک دل لگے گا۔ اس کا دل تو چاہے گا کہ وہ ہر دوسرے دن آفس سے چھٹی کرے اور اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھ کر کوئی اچھی سی رومانٹک مووی دیکھے اس کے حسن پہ قصیدے پڑھے۔ اس کے ساتھ لانگ ڈرائیو پہ جائے اور......اور۔'' وہ مزید کچھ کہنے والا تھا۔

''اور یہ سب صرف سنڈے کو ممکن ہو سکتا ہے اور سنڈے میں ابھی پانچ دن باقی ہیں۔'' ذوناش نے اس کی گرفت سے نکلتے ہوئے مسکرا کر اسے یاد دلایا تھا اور ہنوز مسکراتے ہوئے اسے کسی بچے کی طرح شرٹ پہنانے لگی۔

''یار ایک تو یہ سنڈے بھی اتنے لمبے انتظار کے بعد آتا ہے اور اتنی جلدی گزر جاتا ہے؟'' کومیل نے بے چارگی سے ذوناش کو دیکھا، وہ شادی کے بعد اور بھی پر کشش ہو گئی تھی۔ میک اپ سے مبرا صاف وشفاف چہرہ، خوبصورت خدوخال، تراشیدہ گلابی ہونٹ، ستواں ناک اور ناک میں چمکتا ننھا سا وہ ڈائمنڈ نوز پن لمبی خوبصورت گردن اور گردن پہ موجود سیاہ تل، شادی سے پہلے اسے اکثر بے چین کیا کرتے تھے۔ مگر آج وہ اس کی ملکیت تھی، اس کے نکاح میں تھی، اس کی شرعی بیوی تھی، وہ استحقاق سے اس کے ناک میں چمکتے نوز پن کو، اس کی گردن پہ موجود تل کو چھوا کرتا تھا۔ اس کو اس کے حسن کو سراہا کرتا تھا۔ ایسا کوئی دن نہ ہوتا جب وہ اس کی تعریف نہ کرتا تھا۔ ایسا کوئی پل نہ ہوتا جب وہ اس کا قرب حاصل کرنے کی کوشش نہ کرتا۔ ان پانچ سالوں میں ہر گزرتے دن کے ساتھ کومیل کو اس کے لئے اپنی محبت

بڑھتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ اب وہ اس کی شرٹ کے بٹن بند کر رہی تھی اور وہ اسے محبت پاش نظروں سے دیکھ رہا تھا اور فرصت سے جیسے اسے کوئی کام ہی نہ ہو۔

''یو نو کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میں دو بچے اکٹھے پال رہی ہوں۔ چار سال کا بچہ مجھے اتنا تنگ نہیں کرتا جتنا مجھے یہ تیس سال کا بچہ تنگ کرتا ہے۔'' ذوناش کے لہجے میں شرارت بھری خفگی تھی اس کی بات پہ کومیل ہنسنے لگا تھا۔ اب وہ ٹیبل سے کف لنکس اٹھا کر اسے لگا رہی تھی۔

''اچھا تو میں تمہیں تنگ کرتا ہوں؟'' کومیل کے لبوں پہ اب بھی مسکراہٹ رقصاں تھی اور وہ گہری نگاہوں سے ذوناش کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ اب وہ ٹائی لے کر اس کے مقابل کھڑی تھی۔

''ہاں تو اور کیا، جس طرح ایک ماں اپنے بچے کو اسکول بھیجنے کے لیے اسے روز تیار کرتی ہے بالکل اسی طرح تمہیں آفس بھیجنے کے لئے تیار کرنا پڑتا ہے مجھے۔'' ذوناش اب خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورتی ہوئی اس کی ٹائی کے ناٹ لگا رہی تھی۔

''تمہارا میرے آس پاس رہنا، تمہارا میرے آگے پیچھے پھرنا تمہارا یہ میرے تمام چھوٹے موٹے کام کرنا، مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ مجھے بہت خوشی دیتا ہے۔ تمہیں پانے کے بعد تم سے اور بھی والہانہ عشق کرنے لگا ہوں میں۔'' کومیل کے لہجے میں اس کے لئے دنیا جان کا پیار عود آیا تھا اور اس نے ذوناش کی کمر کے گرد اپنے بازو پھیلا کر اسے خود سے بھینچ لیا تھا، اس کی آواز کسی سرگوشی سے کم نہ تھی۔

اس کی قربت اس کی والہانہ محبت ذوناش کے سب غموں اور اس کے ماضی کی تمام تلخیوں کو بھلا دیتی تھی۔

''سیم ٹو یو کومیل، اگر تم نہ ہوتے تو میری زندگی کبھی اتنی خوبصورت نہ ہوتی۔ مجھے بھی ایک مکمل فیملی کی محبتیں نہ ملتیں۔ میں کبھی اتنی پرسکون سادہ اور ایک عام سی خوبصورت لائف نہ گزار پاتی۔ آئی ریئلی لو یو۔ مجھے ہر روز تمہیں یہ بتانا اچھا لگتا ہے اور تمہارے چھوٹے چھوٹے یہ کام کرنا بھی۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے بھی تمہارا پیار ذہنی سکون دیتا ہے۔ تمہاری یہ محبتیں مجھے ریلیکس کر دیتی ہیں۔'' وہ بھی اس کے سینے پہ سر رکھے دھیرے سے اپنے اندر کے سچ کو اس کے کانوں میں انڈیل رہی تھی۔ کومیل اس کے اظہار پہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔

''میری جان جانتا ہوں میں، تم جس طرح سے میرا اور میرے گھر والوں کا خیال رکھتی ہو، میرے دل میں، تمہارا مقام اور بھی بلند ہو جاتا ہے۔'' اب وہ اس کے بالوں میں پیار سے ہاتھ پھیر رہا تھا۔ ذوناش ایک بہترین اور محبت کرنے والی بیوی تھی۔

''تمہارا گھر اب میرا گھر ہے اور یہ میری فیملی ہے مجھے سب کا خیال رکھنا اچھا لگتا ہے۔'' وہ دھیرے سے بولی تھی۔

''اور مجھے اس وقت اور بھی اچھا لگے گا جب میں آج آفس سے چھٹی کروں گا۔'' اس کے گھنے اور لمبے بال ایک طرف سمیٹ کر اب کومیل کی نظریں اس کی خوبصورت گردن پہ موجود سیاہ تل پہ مرکوز تھیں۔

''جی نہیں فی الحال تمہیں آفس سے چھٹی کی اجازت ہرگز نہیں دی جا سکتی۔'' ذوناش نے مسکراتے ہوئے اس کی گرفت سے نکلنا چاہا مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ کومیل نے اس کی کمر کے گرد اپنے بازو پھیلا رکھے تھے۔

"تم کتنی ان رومانٹک ہوتی جا رہی ہو" اس نے دھیرے سے کہا اس کے لہجے میں شکوہ تھا۔ محبت بھرا شکوہ۔ اس کی انگلیاں اب اس کی گردن پہ سیاہ تل کو چھو رہی تھیں۔

"تم جو اتنے رومانٹک ہو گئے ہو" ذوناش نے مسکراتے ہوئے ہلکا سا اس کے بازو پہ مکا مارتے ہوئے کہا تو وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"یہ محبت، عشق، رومانس کہاں آتا تھا مجھے؟ یہ سب تو میں نے تم سے سیکھا ہے۔" کومیل نے جان بوجھ کر اسے چھیڑا تھا۔

"ہاں میں تو جیسے محبت عشق اور رومانس پہ لیکچر دیتی تھی ناں تمہیں ہر وقت ہر لحہ اور خود تم انگوٹھا چوسنے والے ننھے سے نا سمجھ اور معصوم سے بچے تھے؟ تمہیں تو کچھ آتا ہی نہیں تھا۔" ذوناش کو اس کا خود کو معصوم اور بے ضرر ثابت کرنا ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ جبھی وہ غصے میں کہہ کر اس سے الگ ہونے کی کوشش کر رہی تھی مگر یہ کوشش ابھی تک کامیاب نہ ہو سکی تھی۔ کومیل اس کے انداز پہ اب ہنسنے لگا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے غصے میں تم اور زیادہ جان لیوا لگتی ہو۔ اسی لئے تمہیں جان بوجھ کر غصہ دلاتا ہوں میں تاکہ تمہارا یہ روپ دیکھ سکوں۔" کومیل نے ایک بار پھر دھیرے سے اسے خود سے قریب کرتے ہوئے اس کے صبیح چہرے کو اپنی بصارتوں میں جذب کرتے ہوئے کہا تو ذوناش کے تراشیدہ گلابی ہونٹ پہ ایک دھیمی شرمگیں مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس کی خوبصورت آنکھیں اور آنکھوں پہ لمبی گھنی پلکیں جھک گئی تھیں اور اس کے رخساروں پہ سایہ ڈالنے لگی تھیں۔

"میں اس دنیا کی سب سے خوش نصیب لڑکی ہوں کومیل۔ مجھے تمہارا ساتھ ملا ہے۔ تمہاری والہانہ محبت ملی ہے۔ میں تمہارے نکاح میں ہوں۔ تمہارے اس چھوٹے سے پرسکون گھر میں ہوں جہاں مجھے ایک باپ کی شفقت، ایک ماں کا بے لوث پیار اور ایک بہن کی پرخلوص چاہتیں ہر وقت ہر لحہ ملتی ہیں اور میرے ماضی کے تمام دکھوں کو دھو ڈالتی ہیں۔ ان سب کے لئے میں تمہاری ہمیشہ شکر گزار رہوں گی۔" ذوناش اس کے دل پہ دھیرے دھیرے ہاتھ پھیرتی اعتراف کرتی ہوئی بولی تو وہ مسکرا دیا۔

"یہ سب تمہارا حق تھا میری جان۔ میری اور میرے گھر والوں کی محبتوں میں کبھی کمی نہیں آئے گی۔ آئی پرامس۔" کومیل نے اس سے وعدہ کرتے ہوئے اپنے ہونٹوں سے اس کے ماتھے پہ بوسہ ثبت کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر اگلے ہی لمحے دھاڑ سے دروازہ کھول کر کوئی کمرے میں آیا تھا اور وہ دونوں ہی بری طرح سے گڑبڑا کر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے۔

"بابا...... ماما...... اب آ بھی جاؤ...... ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" چار سال کا ننھا ذونین دروازے کے بیچ و بیچ کھڑا جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس بہت کیوٹ لگ رہا تھا۔ ذوناش نے بھاگ کر ذونین کو اٹھایا تھا اور بے ساختہ اسے چومتے ہوئے گود میں اٹھائے کومیل کے پاس لے آئی تھی۔

ذونین میری جان، میری زندگی۔" کومیل نے بھی مسکراتے ہوئے والہانہ محبت سے اس کے گالوں پہ بوسہ ثبت کیا تھا۔ اب وہ ذوناش کی گود سے باپ کی گود میں چڑھ گیا تھا اور کومیل سے لاڈ پیار کر رہا تھا۔

"ویسے ذونین یار تو ہمیشہ بہت غلط وقت پہ انٹری دیتا ہے۔ پانچ منٹ اور دادا دادی کے پاس نہیں رہ سکتا تھا کیا؟" کومیل نے

اسے گدگدی کرتے ہوئے مسکرا کر کہا، جواباً وہ کھلکھلا کر ہنس رہا تھا اور ہنستا جا رہا تھا۔ ذوناش ان دونوں کو محبت پاش نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں ہی اس کی زندگی تھے۔ اس کے دل کی دھڑکن اس کے وجود میں دوڑتی ہوئی سانسوں کی طرح۔

"I was getting boared while waiting for you." اب ذونین نے نروٹھے انداز میں منہ پھلا کر کہا تھا۔ اس کے انداز پہ کومیل کے ساتھ ساتھ ذوناش بھی مسکرا دی۔

"I am sorry to keep you waiting." کومیل پیار سے گود میں اٹھائے ننھے ذونین کے بال بکھیرتے ہوئے بولا تو ذونین نے باپ کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے ایک نئی فرمائش کی۔

"صرف سوری سے کام نہیں چلے گا بابا مجھے ایروپلین چاہیے۔ ایسے اڑنے والا ایروپلین۔" ذونین نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا۔

"ارے واہ اور جو میں نے ایک ہفتہ پہلے تمہیں ایروپلین دلایا تھا؟"

"وہ تو میں نے توڑ دیا۔" ذونین نے خوشی سے چہکتے ہوئے اطلاع دی، تو کومیل نے مصنوعی خفگی سے ذونین کو دیکھا۔

"یار تم ٹوائز بہت توڑتے ہو، ایسا نہیں کرتے میری جان۔" کومیل نے اسے پیار سے سمجھایا۔

"اوکے بابا، آئی پرامس آئندہ میں کبھی ٹوائز نہیں توڑوں گا۔" ذوناش اور کومیل کے اس انداز پہ مسکرا دیے۔

"آپ ٹوائز لینے سے پہلے ہر بار ایسے ہی کہتے ہیں۔" ذوناش نے اس کے گال چھوتے ہوئے اسے پیار سے یاد دلایا۔

"مما! اس بار میں پکے والا پرامس کر رہا ہوں۔" ذونین کے لہجے میں لاچارگی تھی، وہ بہت جینئس اور ذہین تھا چھوٹی سی عمر میں مکمل اور واضح جملے بولتا تھا۔ اس کے بے ساختہ سے انداز پہ کومیل اور ذوناش دونوں ہی مسکرانے لگے تھے۔

"ٹھیک ہے بھئی میرے بیٹے نے آج مجھ سے پکے والا پرامس کیا ہے۔ آج آفس سے واپسی پر آ کر میں اپنے بیٹے کو ٹوائے شاپ پہ لے جاؤں گا اور ڈھیر سارے ٹوائز دلاؤں گا۔" کومیل اسے ہنوز گود میں اٹھائے دروازے کی جانب بڑھا۔

"My parents are best parents in the world." ذونین نے کومیل کے گال پہ بوسہ لیتے ہوئے کہا۔ کومیل اور ذوناش ننھے ذونین کے تبصرے پہ ہنستے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئے تھے، جہاں ناشتے پہ اکرام صاحب عائشہ بیگم ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ذوناش محبت سے گندھی ایک پرفیکٹ فیملی کا حصہ بن چکی تھی اس کی زندگی میں اب سکون ہی سکون تھا۔ محبتیں ہی محبتیں تھیں۔ وہ ایک سادہ اور ایک عام سی زندگی گزار رہی تھی اور بہت خوش تھی۔ دو سال پہلے جیل میں کمال قریشی دل کا دورہ پڑنے کے باعث خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔

شادی کے بعد کومیل اسے ہنی مون پہ کہیں کسی اور ملک میں نہیں لے کر گیا تھا۔ وہ اسے عمرے کی ادائیگی کے لئے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ لے کر آیا تھا۔ پندرہ دن کے لئے یہاں آ کر اسے احساس ہوا تھا کہ زندگی کیا ہے؟ ہتھیلی پہ رکھی ہوئی ایک خاک کی مانند کسی طاق میں رکھے ہوئے چراغ کی طرح۔

زندگی کیا ہے اور اسے کیسا ہونا چاہیے۔ ذوناش کو اس حقیقت کا علم روضہ رسول e اور خانہ کعبہ میں بے ساختہ زاروقطار روتے ہوئے وہاں عبادت کرتے ہوئے ہوا تھا۔

وہاں سے آکر اسے کبھی کبھی ایسا لگتا جیسے اس کی روح وہیں رہ گئی ہو۔ اس نے نماز باقاعدگی سے پڑھنی شروع کردی تھی۔ وہ گھر سے باہر نکلتی تو مکمل شرعی پردے میں نکلتی۔ وہ عبایا پہننے لگی تھی۔ کومیل نے اسے اپنا طرز زندگی بدلنے پہ مجبور نہیں کیا تھا وہ خود اللہ کی رضا سے ظاہری اور باطنی طور پہ بدل گئی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ ذوناش نے کمال پیلس کو بے سہارا اور یتیم بچوں کے لیے Orphanage house بنا کر اسے Sweet children home کا نام دے دیا تھا۔ جہاں ان بے سہارا معصوم اور یتیم بچوں کو رہائش خوراک اور ایجوکیشن کے ساتھ ساتھ ہنر مند بھی بنایا جارہا تھا تاکہ وہ اپنی آنے والی عملی زندگی میں ایک کامیاب انسان اور شہری بن کر اس معاشرے میں سروائیو کرسکیں۔ کمال پیلس کے تمام پرانے ملازمین کو اس ادارے میں انہی کاموں پہ مامور کردیا گیا تھا جو وہ ہمیشہ سے سرانجام دیتے آئے تھے۔

مریم خاتون کو اس ادارے کا انچارج بنادیا گیا تھا، جو اس ادارے کے تمام امور کی دیگر اسٹاف کے ساتھ مل کر دیکھ بھال کرتی تھیں۔

کمال قریشی کی تمام دولت اس ادارے کے نیک مقاصد پہ خرچ ہورہی تھی۔

کومیل کو ایک بہت بری ملٹی نیشنل کمپنی کی مین برانچ میں بطور سکیورٹی انچارج کے جاب مل گئی تھی اور ذوناش ایک اچھی اور کفایت شعار بیوی کی طرح اس کی سیلری میں بخوشی گزارا کیا کرتی تھی۔

کومیل اور ذوناش اپنی ہنستی مسکراتی اور مصروف زندگی سے ٹائم نکال کر باقاعدگی سے کمال پیلس (جواب Sweet children home میں بدل دیا گیا تھا) جاتے اور وہاں ان بے سہارا بچوں کے ساتھ وقت گزارتے جنہیں اب ذوناش نے بے سہارا اور بے آسرا نہیں رہنے دیا تھا۔

کومیل آفریدی نے اس کی زندگی میں آکر اس کی زندگی کو اور اسے بدل کر رکھ دیا تھا اور بے شک یہ اللہ کی رضا سے ہوا تھا اور اللہ سے بڑھ کر آپ کے لئے بہترین سوچنے والا بھلا اور کون ہوسکتا ہے۔

ختم شد